اردو کا کلاسیکی ادب

موعظۂ حسنہ

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد
کے
سبق آموز خطوط کا مجموعہ

مقدمہ
پروفیسر افتخار احمد صدیقی

مجلس ترقی ادب • لاہور

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان و بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۲۹

اردو کا کلاسیکی ادب

موعظۂ حسنہ

از

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد

ناشر

مجلسِ ترقّیِ ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست مضامین

موعظۂ حسنہ

مقدمہ ۔ از افتخار احمد صدیقی

مقدّمہ

از افتخار احمد صدیقی

''موعظۂ حسنہ'' ہو یا خطوط کا کوئی اور مجموعہ ، اس پر تنقیدی نظر ڈالنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اردو میں مکاتیبی ادب اب تک کن مرحلوں سے گزرا ہے اور اس صنف میں کیا معیار قائم ہو چکا ہے ۔

اردو مکتوب نگاری کا جائزہ لیتے وقت ''عودھندی'' اور ''اردوئے معلّٰی'' کے مصنّف کا نام سب سے پہلے ہمارے ذہن میں آ جاتا ہے ۔ اس صنف ادب میں مرزا غالب نہ صرف اپنے عہد کے مجتہد اور امام تھے بلکہ پوری ایک صدی بعد آج بھی ان کی عظمت مُسلّم ہے ۔ لیکن اردو خطوط نویسی کے ارتقائی مدارج کا سلسلہ غالب سے آگے ''محمد شاہی روش'' سے جا ملتا ہے اور عہد مغلیہ کے قدیم تر منشیوں اور دبیروں کی روایت انشا کی کڑیاں بھی اس کے ساتھ جُڑی ہوئی ہیں ۔ اردو میں مکتوب نگاری کے آغاز سے بہت پہلے فارسی میں خطوط اور رقعات کے لا تعداد مجموعے مرتب ہو کر مقبول ہو چکے تھے ۔ یہ مجموعے دفتری مراسلات اور علماء ، ادباء و صوفیاء کے نجی خطوط پر مشتمل ہیں ۔ ان خطوط و رقعات میں عموماً انشا پردازی کا وہی روایتی اسلوب ملتا ہے جو شاہی دور کی تہذیبی اقدار ، درباری تکلفات اور سیاسی مصالح کے زیر اثر فروغ پاتا رہا ۔ ان میں لمبے چوڑے القاب و آداب ہیں ، مقفّیٰ و مسجّع عبارتیں ہیں ، لفظی طمطراق

اور صنائع و بدائع کی میناکاری ہے ؛ غرض سب کچھ ہے مگر حرف مطلب کا سراغ ذرا مشکل سے ملتا ہے ۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد بھی ، مدت تک فارسی زبان اور قدیم طرز انشا کا سکّہ جاری رہا ۔ فارسی ، قدیم علوم و فنون کا مخزن اور تہذیب و ثقافت کی علامت تھی ۔ مکتبی نصاب میں فارسی خطوط و رقعات کے مجموعے مثلاً ''پنج رقعہ'' ، ''انشاے ابو الفضل'' ، ''انشاے خلیفہ'' ، ''انشاے مادھورام'' اور ''بہار عجم'' وغیرہ پڑھائے جاتے تھے ۔ فارسی میں خط وکتابت کا رواج عام تھا اور قدیم انشا پردازی کی تقلید ، علم و فضل کی نشانی سمجھی جاتی تھی ۔ اُردو میں مکتوب نگاری کی ابتدا ہوئی تو دیگر اصناف ادب کی طرح یہ صنف بھی فارسی کے نقش قدم پر چل پڑی ۔ انیسویں صدی کے وسط تک اُردو مکتوبات کے جتنے مجموعے مرتّب ہوئے ، مثلاً ''انشائے خرد افروز'' ، ''رقعات عنایت علی'' ، ''انشائے سرور'' وغیرہ ، اُن میں ''پنج رقعہ'' اور ''بہار عجم'' کے پُر تکلف اسلوب کا پرتو صاف جھلکتا ہے ۔

سن ۴۹ - ۱۸۴۸ء کے لگ بھگ مرزا غالب نے اُردو میں خطوط نویسی کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے جدید اسلوب سے فن مکتوب نگاری اور خود اُردو نثر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ۔ حیرت ہے کہ جس شاعر کا کلام زلف محبوب کی طرح ژولیدہ و خم دار ہے ، وہ ایسی صاف و سادہ نثر لکھنے میں کیسے کامیاب ہو گیا جو سہل ممتنع کا درجہ رکھتی ہے ۔ شعر و نثر کے بنیادی فرق کو پہچان لینا اور مکتوب نگاری کے فنی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ایسا اسلوب اختیار کرنا جس سے خط میں ملاقات کا سا لطف پیدا ہو جائے ، غالب کی دیدہ وری اور سلیم الطبعی کا بیّن ثبوت ہے ۔ اگرچہ اس سے بہت پہلے ، سن ۱۸۲۵ء میں جب کہ وہ خود

بھی زمانے کے دستور کے مطابق فارسی میں خط لکھا کرتے تھے ، انھوں نے قدیم طرز نگارش کے حشو و زوائد کے خلاف ایک خط میں احتجاج کیا تھا ۔ (ص ۵ کلیاتِ نثر غالب ، مطبوعہ نولکشور پریس ، ۱۸۷۵ء) لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک وہ فارسی میں خط لکھتے رہے ''مہر شاہی روش'' سے پوری طرح آزاد نہ ہوسکے ۔ جب اُردو میں خط لکھنا شروع کیا تو تمام بندشیں ٹوٹ گئیں اور مراسلہ ، مکالمہ بن گیا ۔

غالب کے دوستوں کا دائرہ بہت وسیع تھا ۔ وہ فطرتاً ایک یارباش اور دوست نواز انسان تھے ۔ اپنے دوستوں اور نیاز مندوں کو بڑی پابندی ، اہتمام و انہاک سے خط لکھا کرتے تھے ۔ سن ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب کے بعد جب دوستوں کی جمی جمائی محفلیں اُجڑ گئیں ، اعزا و احباب میں سے کچھ مر کھپ گئے ، کچھ سیل حوادث کے تھپیڑے کھا کر دور جا پڑے ، تو غالب کے لیے زندگی اجیرن ہو گئی ۔ تنہائی کے عالم میں ، بچھڑے ہوئے دوستوں کی یاد اور اُن سے ہم کلامی کی آرزو نے خط و کتابت کو زندگی کا محبوب ترین مشغلہ بنا دیا ۔ اُن کے ذوق و شوق کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی دوست کا خط آنے میں دیر ہو جاتی تو بار بار تقاضے کرتے اور خط پڑھنے لکھنے سے جب فرصت ملتی تو لفافے بنانے بیٹھ جاتے تھے ۔ اُن کے خطوط پڑھیے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا ہے اور اس سے دل کھول کر باتیں ہو رہی ہیں ؛ آپ بیتی اور جگ بیتی سب کچھ سناتے ہیں ، کبھی اس کو چھیڑ کر ہنساتے ہیں ، کبھی خود اپنی ہنسی اڑانے لگتے ہیں ۔ اُن کی باتیں ــــ خلوص و یگانگت کی خوشبو میں بسی ہوئی اور ذہانت و ظرافت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ــــ ایسی من موہنی ہوتی ہیں ، جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں ۔

تاریخِ نثر اُردو میں یہ خطوط ایک نئے دور کا نقطۂ آغاز ہیں۔ غالب نے اپنے خطوط میں سب سے پہلے اُردو نثر سے ابلاغ اور مدعا نگاری کا کام لیا ، سب سے پہلے عام بول چال کے فطری اسلوب کو روزمرہ زندگی کے واقعات اور شخصی تاثرات کا ذریعۂ اظہار بنایا ، سب سے پہلے برجستہ مکالمے لکھے۔ پھر ان خطوط کی ایک سوانحی حیثیت بھی ہے۔ غالب نے ایک کامیاب مکتوب نگار کی طرح ، بقول ڈاکٹر عبدالحق ، ان خطوط میں اپنی روح بھر دی ہے۔ یہاں غالب کے ماحول کا بھرپور عکس اور اس کی دل‌کش و متنوع شخصیت کے جیتے جاگتے مرقعے موجود ہیں۔ ان فنی ، ادبی اور سوانحی خوبیوں کی وجہ سے غالب کے خطوط کو بے نظیر مقبولیت حاصل ہوئی اور آنے والے دور کا ہر ادیب غالب کی بے تکلف نثر اور شگفتہ اندازِ تحریر سے کم و بیش متاثر ہوا۔

غالب کے بعد مکتوب نگاری کی یہ روش رفتہ رفتہ عام ہوتی گئی اور خطوط کے مجموعے بھی ایک ایک کر کے چھپنے لگے۔ دورِ سرسید کے اہم مکتوب نگاروں میں ، سرسید کے علاوہ ، حالی ، نذیر احمد ، آزاد ، داغ ، امیر مینائی ، محسن الملک ، وقار الملک ، اور پھر شبلی ، اکبر ، مہدی افادی کے خطوط شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال کے معاصرین میں اقبال کے علاوہ محمد علی جوہر ، ڈاکٹر عبدالحق ، سید سلیمان ندوی ، ابو الکلام آزاد اور پھر نیاز فتح پوری ، عبدالماجد دریا بادی وغیرہ کے مکتوبات بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ان میں سے سرسید اور اُن کے رفقاء نیز اقبال اور جوہر کے خطوط اپنی تاریخی و سوانحی اہمیت کے اعتبار سے اور شبلی ، مہدی ، ابو الکلام اور نیاز کے خطوط سوانحی حیثیت کے علاوہ اپنی ادبی دل‌کشی کی وجہ سے بھی قدر و منزلت

کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے ۔ آردو کے مکاتیبی ادب میں جو نئے اضافے ہوئے ہیں، ان میں ''نقوشِ زنداں'' (سید سجاد ظہیر کے خطوط اپنی اہلیہ کے نام)، ''زیر لب'' (صفیہ اختر کے خطوط اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام)، ''عزیزم کے نام'' (ڈاکٹر تاثیر مرحوم کے خطوط اپنے شاگرد محمود نظامی مرحوم کے نام) اور ''گویا دبستان کھل گیا'' (چودھری محمد علی رودولوی کے خطوط کا مجموعہ) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ۔ دور حاضر کے خطوط میں خلوص و سادگی کے علاوہ بے باکی، صاف گوئی اور حقیقت پسندی کے رجحانات نمایاں ہیں لیکن اس صنف میں غالب کی سی مقبولیت آج تک کسی کو حاصل نہیں ہو سکی ۔ اس زمانے میں وہ دوست داری کی خو، وہ محبت بھرا دل کہاں سے آئے گا؟ اور دوست داری ہو بھی تو وہ تنہائی، وہ فرصت و فراغت کسے نصیب ہو گی کہ پورے انہماک اور خلوص کے ساتھ مکتوب نگاری کو ایک فن کی حیثیت سے کوئی برت سکے ۔

★

آردو کے مکاتیبی ادب میں ''موعظۂ حسنہ'' کو دوگونہ امتیاز حاصل ہے ۔ پہلا امتیاز یہ کہ خطوط غالب کے بعد جدید طرز کے مکتوبات کا یہی مجموعہ سب سے پہلے مرتب ہو کر شائع ہوا ۔ آخری چند خطوط کے سوا اس مجموعے کے تمام خطوط ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۹ء کے درمیان لکھے گئے اور ۱۸۸۷ء میں قومی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئے ۔ نہ صرف ترتیبِ طباعت کے لحاظ سے یہ خطوط، عود ہندی (۱۸۶۸ء) اور اردوئے معلی (۱۸۶۹ء) سے سب سے زیادہ قریب العہد ہیں بلکہ زمانۂ تصنیف کے اعتبار سے بھی، سرسید کے چند خطوط کے سوا، انھی مکتوبات کو تقدم کا شرف حاصل ہے ۔

''موعظۂ حسنہ'' کا دوسرا امتیاز اس کے نام سے ظاہر ہے ۔

اس مجموعے کے تمام خطوط ایک شفیق باپ نے اپنے بیٹے کے نام تعلیم و تربیت کی غرض سے لکھے ہیں ۔ غالباً اس طرز کے خطوط کا کوئی مجموعہ اُردو میں اب تک مرتب نہیں ہوا ۔ مکتوبات کے مجموعوں میں بیشتر خطوط ہم مرتبہ احباب کے نام اور کم تر ہم عصر شخصیتوں ، نیازمندوں اور شاگردوں کے نام ہوتے ہیں ۔ بعض مجموعوں میں مختلف اعزا کے نام کچھ خانگی قسم کے خطوط بھی شامل ہیں لیکن ایسے مجموعے معدودے چند ہیں جو تمام تر خانگی خطوط پر مشتمل ہوں ۔ اُن میں سے قابل ذکر صرف تین ہیں : ''نقوش زنداں''، ''زیر لب'' اور ''موعظہ حسنہ'' ۔ اول الذکر دو مجموعوں میں شوہر یا بیوی کے خطوط ہیں ۔ ان میں خانگی ماحول اور گھریلو باتوں کے باوجود بے تکلفی کی فضا ہے ، خلوص اور گرم جوشی ہے ، محبت بھری یادیں یا دکھے دل کی پکار ہے ، لہذا انھیں بھی خالص خانگی خطوط کے زمرے سے خارج سمجھیے ۔

اعزا کے وہ خطوط جن میں خوردی و بزرگی کی حدیں قائم رہتی ہیں ، عموماً نجی اور کاروباری سطح سے آگے نہیں بڑھتے اور اس لیے قابل اشاعت بھی نہیں ہوتے ۔ ''موعظۂ حسنہ'' کا دائرہ اس لحاظ سے اور بھی تنگ ہو گیا ہے کہ اس میں جتنے خطوط ہیں ، اُن کے موضوع و مطالب میں یکسانیت ہے ۔ بہ اعتبار زمانہ جملہ خطوط صرف تین چار سال کے عرصے تک محدود ہیں ، تاہم اس مجموعے کو اُردو کے مکاتیبی ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ ان خطوط کا لکھنے والا ایک شفیق باپ بھی ہے اور ایک تجربہ کار معلم بھی ۔ وہ باپ اور معلم ، دونوں روپ میں بے مثال ہے ۔ ناصح مشفق ہوتے ہوئے وہ عموماً ایک ہم درد دوست کے لہجے میں باتیں کرتا ہے ۔ ان خطوط میں کہیں کہیں خانگی معاملات کا ذکر ضرور آ گیا ہے لیکن بیشتر خطوط ، کردار کی تعمیر و اصلاح اور تعلیم و تربیت کے مسائل سے متعلق ہیں ۔

ہر باپ اور ہر بیٹا ، ہر آستاد اورہر شاگرد ان مسائل میں کم و بیش دل چسپی رکھتا ہے اور مکتوب نگار کے علم و تجربے سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے ۔ ''موعظۂ حسنہ'' کا مصنف ایک صاحب طرز انشا پرداز ہے اور اگرچہ یہ خطوط اس کے اسلوب کی بہتر نمائندگی نہیں کرتے لیکن اس اسلوب کے تمام انفرادی نقوش یہاں موجود ہیں ۔ پھر ان خطوط سے مصنف کی سیرت اور زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اور نذیر احمد کا کوئی سوانح نگار یا قدر دان ان کے مطالعے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

★

نذیر احمد ، علماء اور صوفیاء کے ایک معروف گھرانے کے چشم و چراغ ، ایک معلم باپ کے بیٹے اور ایک ایسے آستاد کے شاگرد تھے جو ڈپٹی کلکٹر ہونے کے باوجود اپنے گھر میں طلبہ کی ایک جماعت کو پڑھایا کرتا تھا ۔ آن کے آستاد ڈپٹی نصر اللہ خاں خورجوی ، آن باقیات الصالحات میں سے تھے جن کے دم سے علمائے سلف کے ذوق و طلب اور علمی فیض گستری کی درخشاں روایات ہماری قوم میں انیسویں صدی تک زندہ رہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ آستاد کی دنیوی وجاہت سے متاثر ہوکر شاگرد نے ڈپٹی کلکٹری کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا ، لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ایسے بے غرض آستاد کی مثالی شخصیت نے ہونہار شاگرد کے دل میں طلب علم کا جذبۂ صادق بھی بر انگیختہ کیا ہوگا۔ مختصر یہ کہ تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں مولانا نصر اللہ خاں نے ، اور پھر قدیم دہلی کالج کے بعض مخلص و پُرجوش اساتذہ نے ، نذیر احمد کے جذبۂ تحصیلِ علم و تبلیغِ علم کو پائداری بخشی ۔ دہلی کالج میں تعلیم پانے کی وجہ سے وہ نئے زمانے کے تقاضوں اور نئے علوم کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو چکے تھے - ۱۸۵۴ء سے ۱۸۶۰ء تک محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے اور نئے تعلیمی تجربوں سے

متعارف ہوئے - ۱۸۵۸ء میں وہ علومِ جدید کے سر چشمے تک پہنچ گئے ، یعنی انگریزی زبان بھی سیکھ لی - اس طرح آن کا ذہنی افق روز بروز وسیع ہوتا گیا اور وہ عمر بھر ایک سچے طالب علم اور معلم بنے رہے - دراصل آن کی ادبی خدمات کا آغاز بھی معلمانہ کوششوں سے ہوا - ۶۸ - ۱۸۶۷ء میں انھوں نے اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے کتابوں کا ایک سلسلہ سبقاً سبقاً لکھنا شروع کیا ; چنانچہ ''مرآۃ العروس''، ''بنات النعش''، ''چند پند'' اور ''منتخب الحکایات'' وغیرہ کئی کتابیں لکھ ڈالیں - بشیر الدین احمد آن کے اکلوتے بیٹے تھے - شفیق باپ نے پندرہ برس کی عمر تک بیٹے کی معلمی کے فرائض انجام دیے کیوں کہ پرانے طرز کے مکتبوں کا طریقۂ تعلیم فرسودہ اور نصاب ناکارہ تھا ، اور جدید سکولوں کا حال یہ کہ '' پڑھائی کم ، تعطیلیں زیادہ ، استاد نامہربان ، ہم سبق شیطان ''- (خط : ۳) -

۱۸۷۶ء میں جب نذیر احمد اعظم گڈھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے ، انھوں نے میاں بشیر کو انگریزی پڑھنے کے لیے ماں کے پاس دھلی میں چھوڑ دیا جہاں وہ دھلی سکول کی ساتویں جماعت میں داخل ہو گئے - ۱۸۷۷ء میں نذیر احمد حیدر آباد بلا لیے گئے اور غالباً ۱۸۸۰ء تک باپ بیٹے جدا رہے - اس عرصے میں معلم باپ نے خطوط کو بیٹے کی تعلیم و ہدایت کا ذریعہ بنایا - جس توجہ اور محنت سے وہ بیٹے کو اپنے سامنے بٹھا کر پڑھایا کرتے تھے ، اسی کاوش سے وہ عربی و انگریزی تحریریں درست کر کے بھیجا کرتے ; خط میں قواعدِ زبان کے نکات سمجھاتے ، مختلف مضامین کی تیاری کا گُر بتاتے اور زندگی کے مختلف مسائل میں مفید مشورے دیتے تھے - تعلیم و تربیت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اس جہاں دیدہ آستاد کی نگاہ سے بچ رہا ہو - نذیر احمد چاھتے تھے کہ اپنے بیٹے

کے دل میں علم کی وہ سچی لگن پیدا کر دیں جو آن کے دل میں تھی - یہی وجہ ہے کہ ان خطوط میں حصول علم کی ترغیب و تشویق کا مضمون بار بار دھرایا گیا ہے - کبھی وہ اپنی طالب علمی کی مثال پیش کرتے ہیں ، کبھی طنز سے کام لیتے ہیں اور کبھی خاندانی روایات یا اپنی محبت کا واسطہ دے کر علم کا شوق بڑھاتے ہیں :

''ارے میاں ! ایک طالب علم ہم تھے کہ سارے ہم جاعت بلکہ بہ خدا استاد بریز بریز کرتے تھے، مگر تھا کیا کہ بھئی تمھاری طرح میں بد شوق اور کم محنت نہ تھا ، بے سامان البتہ تھا ''۔ (خط : ۵۸) -

''تم مجھ پر نظر مت کرو ۔ میں ایک سگ دنیا ہوں ، لیکن مجھ کو چھوڑ کر ، تمھاری ددھیال اور ننھیال کے لیے علم تمغائے شرف رہا ہے - کیا افسوس کی بات نہیں کہ تم خاندان علماء میں ہو کر عربی میں خام رہو''۔ (خط : ۱۹)

''بشیر! اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا اگر تمھاری قسمت میں نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں - تم جانو تمھارا کام جانے - لیکن اے خدا مجھ کو اس مصیبت کے جھیلنے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک اللہ آمین کا بیٹا اور وہ بھی جاہل یا کٹھ ملا (خط :۵۹)-

براہ راست پند و نصیحت کا یہ واعظانہ انداز عموماً غیر دل چسپ اور نفسیاتی لحاظ سے بے اثر ہوتا ہے - نذیر احمد خود بھی اس نکتے سے آشنا تھے - ایک خط میں وہ لکھتے ہیں :

''۔ ۔ ۔ ۔ انسان کا بدن قید کیا جا سکتا ہے ، اس کی آنکھ پر پٹی باندھ سکتے، کان میں روئی ٹھونس سکتے، منہ

پر مہر لگاسکتے ہیں پر دل کو قابو میں نہیں لا سکتے ہیں ۔ پس نہ میں تم پر جبر کرتا ، نہ تاکید کرتا ، بلکہ بہ عجز و الحاح تم سے عرض کرتا ہوں کہ بشیر ! خدا کے لیے لیاقت پیدا کرو"۔ (خط : ۲۹)

لیکن باپ کے علمی شغف کے مقابلے میں بیٹے کی بد شوق ، آسے واعظانہ تلخ نوائی پر مجبور کر دیتی ہے ۔ یہ پند گوئی کچھ اگلے بزرگوں ہی کا شیوہ نہ تھی ، آج بھی ہر باپ جو تربیت اولاد کی ذمے داری محسوس کرتا ہو ، کبھی کبھی اپنی اولاد کو یوں ہی سمجھاتا بجھاتا ہے ۔ تاہم جس طرح نذیر احمد کے ناول جذبۂ اصلاح کی شدت سے فنی طور پر مجروح ہونے کے باوجود غیر دلچسپ نہیں ، آسی طرح وعظ و تلقین کی گراں باری کے باوجود ، یہ خطوط بھی خشک و بے کیف نہیں معلوم ہوتے ۔ نذیر احمد کی کوئی تصنیف ایسی نہیں جس میں ایک طرح کا البیلا پن اور دل کشی نہ پائی جاتی ہو ۔ یہ دل کشی آن کی شخصیت کے عکس یعنی آن کے اسلوب سے پیدا ہوتی ہے ۔ نذیر احمد کی سادگی اور بے تکلفی ، آن کی ذہانت اور شوخی ، یہ سب عناصر مل جل کر ان کے اسلوب کو جان دار بنا دیتے ہیں ۔ ان خطوط میں نذیر احمد کی شخصیت کا ایک نہایت لطیف پہلو منعکس ہوا ہے ، جس کی جلوہ گری کے بغیر کوئی خط دل چسپ نہیں ہو سکتا ؛ وہ ہے آن کا جذبۂ خلوص و محبت ۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ کوئی تحریکی یا تبلیغی جذبہ رکھتے ہیں ، انھیں اپنا مقصد اتنا عزیز ہوتا ہے کہ افراد سے آن کی شخصی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے ۔ ایسے لوگوں کے خطوط بیشتر تحریکی اغراض و مقاصد سے متعلق ہوتے ہیں ۔ نذیر احمد ، سر سید کی تحریک کے حامی اور مبلغ ہوتے ہوئے بھی ،اس تحریک کے مرکز سے پوری طرح وابستہ نہ تھے ۔ بہرحال یہ چند مقاصد ہمیشہ آن کی زندگی کا محور بنے رہے : کسب علم و ہنر ، اپنی اور اپنے اہل خاندان

کی اقتصادی بہبودی ، قوم کی معاشرتی اصلاح اور دینی خدمت ۔ ان ذاتی اور قومی مقاصد کے حصول میں وہ عمر بھر منہمک رہے ۔ آن کی مصروف زندگی میں دوست داری و یار باشی کے لیے بہت کم گنجائش تھی ۔ چند کاروباری خطوط کے علاوہ آن کے ایسے خطوط اب تک دستیاب نہیں ہو سکے جو اخلاص و محبت کی گرمی رکھتے ہوں یا ہم کلامی کی آرزو کا نتیجہ ہوں ۔ ''موعظۂ حسنہ'' میں واعظانہ تلخ نوائی کے ساتھ ایک شفیق باپ کے محبت بھرے دل کی دھڑکنیں بھی سنائی دیتی ہیں ۔ ان خطوط میں کہیں شوق و انتظار کی کیفیت ہے ، کہیں شکوہ و شکایت کا لطیف انداز ہے اور کہیں لب و لہجے کی چمکار میں رنگ آشنائی کی جھلک :

'' ایک ہفتے سے تمہارا خط بند ہے ۔ جو شخص تمہاری طرح ایسے مکان میں رہتا ہو کہ وہاں سارے سارے دن کان پڑی آواز نہ سن پڑے ، اس کو اس بات کا یقین کرانا سخت مشکل ہے کہ دنیا میں لوگ خط کے منتظر بھی رہا کرتے ہیں''۔ (خط : ۱۴)

''میرا حال یہ ہے کہ زندگی تو نہیں ، مگر عافیت تمہارے خط کے آنے پر منحصر ہے ۔ ایک ہفتے سے سخت پریشان ہوں ۔ سنو صاحب ! اپنے ہزار کام بند کرو ، مجھ کو ہفتے میں دو خط بھیج دیا کرو ۔ الغرض یہ خط تم کو میں نے حالت اضطراب میں لکھا ہے''۔ (خط: ۳۷) ۔

'' بشیر الدین احمد بارک اللہ فیک ۔ خدا کی شان ہے جو شخص برسوں دہلی کو خط لکھنا نہ جانے ، اب دہلی کے خط کو ترسے''۔ (خط : ۳۸)

'' ۱۷ کا خط پہنچا ۔ بندۂ خدا اتنی دیر مت کیا کرو ۔ کیا کفایت شعاری اسی میں منحصر ہے کہ مجھ کو

خط لکھنے میں کمی کی جائے''؟ (خط : ۵۳) -

''کیوں جی میاں بشیر! ان دنوں آپ منقبض کیوں ہیں؟ نہ تو ہم کو کبھی اپنا کوئی سبق لکھتے ہو ، نہ کوئی فرمائش کرتے ہو ۔ بندۂ خدا ، اس قدر جلد کیوں ملول ہو گئے ۔ ہم خود دنیا سے ملول ہیں ۔ یہاں آدم صورت بہت ہیں ، مگر آدمی نہیں''! (خط : ٦٧)-

★

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ غالب کے خطوط کے بعد جدید طرز کے خطوط کا پہلا مجموعہ جو شائع ہوا ، ''موعظۂ حسنہ'' ہے ۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے محسن الملک کے نام سرسید کے لندن والے خطوط میں سے بعض ، ''سائینٹفک سوسائٹی گزٹ'' میں چھپ گئے تھے ، لیکن مراسلت کا یہ بے تکلف اسلوب ، ہنوز چند نئے ادیبوں کے حلقۂ احباب تک محدود تھا ۔ عزیزوں اور وہ بھی ''برخوردار نور چشم'' جیسے عزیزوں کے خطوط میں القاب و آداب اور خیریت گوئی و عافیت جوئی کا رسمی انداز تو آج تک چلا آ رہا ہے ۔ حیرت ہے کہ تقریباً ایک صدی قبل کے یہ خطوط جو بیٹے کے نام ہیں ، ابتدائیے اور خاتمے کے تکلفات سے یکسر عاری ہیں ۔ صرف پہلے خط کی ابتدا میں چند دعائیہ کلمات ہیں ، دو تین خط میں ''السلام علیک و القلب مشتاق الیک'' اور ایک خط میں '' بشیرالدین احمد ، بارک اللہ فیک'' آیا ہے ۔ بقیہ خطوط میں یا تو سرے سے القاب ندارد یا صرف '' میاں بشیر'' لکھ کر خط شروع کر دیا ہے اور جہاں بات ختم ہوئی ، کسی رسمی کلمے کے بغیر ختم کر دیا ۔

نذیر احمد کے اسلوب کے بارے میں سب سے پہلے ایک نکتے کی وضاحت ضروری ہے ۔ اگرچہ غالب کے خطوط کی اشاعت (۱۸٦۸—٦۹ء) اور اس کے بعد ''تہذیب الاخلاق'' کے

اجراء (۱۸۷۰ء) سے جدید نثر نگاری کی تحریک کو بڑی تقویت حاصل ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ انقلاب ۵۷ء سے کئی سال پہلے دھلی میں جدید علوم کی تحریک اور اس کے زیر اثر سلیس نثر نگاری کی ابتدا ہو چکی تھی ۔ نذیر احمد ۱۸۳۵ء سے ۵۴-۱۸۵۳ء تک دھلی کالج میں زیر تعلیم رہے جہاں مغربی علوم کی تعلیم اُردو زبان کے ذریعے دی جاتی تھی اور کالج کی ٹرانسلیشن سوسائٹی کی کوششوں سے مختلف علوم کی کتابیں انگریزی سے عام فہم اُردو میں منتقل ہو رہی تھیں ۔ چنانچہ زبان و ادب کے بارے میں نذیر احمد کے رجحانات زمانۂ تعلیم ہی میں تشکیل پا چکے تھے ۔ ۱۸۵۸ء میں انگریزی سیکھنے کے بعد براہِ راست انگریزی کے اثر سے سلیس نثر نگاری کا میلان اُن کے ترجموں اور عام تحریروں میں ظاہر ہونے لگا ۔ وہ اپنے ایک خط میں انگریزی کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> ''اب اردو پر انگریزی رنگ آ چلا ہے ۔ زبان مبالغے اور ابتذال کے عیوب سے بہت پاک ہوگئی ہے اور ہوتی جاتی ہے ۔ سیدھی اور صاف بات میں لوگوں کو مزہ ملنے لگا ہے ''۔ (خط : ۱۰۶)

یہاں ایک اور اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ نذیر احمد انگریزی کی سادہ مکتوب نگاری اور عام انداز تحریر سے کس حد تک متاثر ہوئے :

> ''مسٹر کو میرے ایک بڑے مہربان حال تھے اور اوائل میں میری چٹھیوں میں اصلاح دیا کرتے تھے ۔ اب تک اُن کی اصلاحی چٹھی میرے پاس ہے ۔ کو صاحب کی نصیحت تھی کہ چھوٹے چھوٹے جملے اور ایسے لفظ جو کثیرالاستعال ہیں اور جملے مختصر

جن میں کوئی لفظ فضول نہ ہو ، لکھا کرو'' ۔
(خط : ۱۰) ۔

خطوط غالب کے بعد نذیر احمد کی تصانیف میں سب سے پہلے وہ اسلوب تحریر ملتا ہے جو سادگی کے ساتھ ایک ادبی حسن اور زور و قوت کا حامل ہے ۔ نذیر احمد اور غالب کے اسلوب میں بے تکلفی اور شگفتگی کے عناصر مشترک ہیں لیکن یہ کسی تقلید کا نتیجہ نہیں ، بلکہ ان دونوں شخصیتوں کا داخلی رنگ یہی ہے ۔ مکتوب نگاری میں فنی حسن و کمال کا بیش تر انحصار خلوص ، بے ریائی اور بے تکلفی پر ہے ۔ جب تک باہم بے تکلفی نہ ہو ، ملاقات بھی آدھی ہوتی ہے ، خط کیسے ''نصف ملاقات'' بن سکتا ہے ۔ باپ بیٹے کا رشتہ ایسا ہے کہ کاتب اور مکتوب الیہ کے درمیان ہمیشہ کچھ فاصلے قائم رہتے ہیں ، لیکن نذیر احمد کی فطرت میں جذبۂ نمود اتنا زیادہ اور تصنع و تکلف کا مادّہ اتنا کم تھا کہ بیٹے کے خطوط میں بھی ان کی شخصیت آداب و رسوم کے تمام پردے اٹھا کر سامنے آ جاتی ہے ۔ نذیر احمد کے مزاج کا یہ رنگ ان کی زبان اور اسلوب میں رچا ہوا ہے ۔ موضوع سخن خواہ کچھ ہو ، جب وہ قلم اٹھاتے ہیں تو گویا لکھتے نہیں ، بے تکلف باتیں کرتے ہیں ۔ اس جلیل القدر باپ کا دوستانہ انداز تخاطب ملاحظہ ہو :

''اجی حضرت! انگریزی میرے نزدیک گرتی چلی جاتی ہے ۔ کچھ تم کو اس کی پروا ہے یا نہیں ۔ فارسی ہو چکی ، عربی نری ''الف لیلہ'' سے کیا ہوتا ہے''۔ (خط : ۱۶) ۔

''بشیر ! اب میں سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملا ہوں ۔ میں نے پادری صاحب سے بائیبل پڑھنی شروع کی ہے''۔
(خط : ۳۷) ۔

''کیوں جی میاں بشیر ! ''نفحة الیمن'' پڑھو گے یا منطق ؟ میرے نزدیک تو منطق کے چار پانچ رسالے نکال لیتے تو اچھا تھا - (خط : ۳۶)
''مکان کو چٹخاؤ - مجھ کو بہت آخور کی بھرتی پسند نہیں - - - - واہیات جھونپڑے جو تم نے لے رکھے ہیں ، نہ رہنے کے نہ سہنے کے - ایک عمدہ ، نفیس مکان مل جائے تو بس کافی ہے - (خط : ۵۸)

میاں بشیر کے پرانے رفیقوں میں سے بعض کا حال لکھ رہے ہیں - لیکن انداز بیان کی شگفتگی ملاحظہ ہو ، جیسے کسی بے تکلف دوست کا خاکہ اڑایا جا رہا ہو :

'' - - - - کا حال پڑھنے میں گو واحد علی کا سا نہیں مگر مناسب حالت اچھا ہے - - - - اس کی خود پسندی اور خویشتن ستانی اچکاتی ہے - اب بے باکی یہاں تک پہنچی کہ کرانی ، انگریز ، بابو ، جس کو دیکھا بھڑ گیا - دوسرے کی سنتا نہیں ، اپنی ہانک چلا''- (خط : ۴۳)

نذیر احمد کی طبیعت میں بلا کی شوخی تھی - وہ بیٹے کے خط میں بھی طنز و تمسخر ، چھیڑ چھاڑ اور ٹہٹھول سے باز نہیں آتے - بیٹے نے کالج ٹوٹنے کی خبر سنائی - جواب میں لکھتے ہیں :

''بشیر ، تمھی پڑھنے سے دل برداشتہ تھے ، تمھی نے کالج کو کوس کوس کر کھویا''- (خط : ۶۲) -

ایک خط میں اپنے ایک دوست کا واقعہ کسی خاص نکتے کی وضاحت کے لیے بیان کرتے ہیں - واقعہ یوں شروع ہوتا ہے :

''مولوی - - - - اپنی بی‌بی سے بہت مانوس تھے ،

جیسا کہ سچ مچ کے سبھی مولوی ہوا کرتے ہیں"۔
(خط : ۸۷) ۔

لطف کی بات یہ کہ بیٹے کی ننھیال تو مولویوں کے گھرانے میں تھی ہی ، ددھیالی خاندان بھی پیر زادوں اور مولویوں کا خاندان تھا ۔ طویل خطوط میں جہاں مختلف مسائل چھڑ گئے ہیں ، شوخی اور ظرافت کے مواقع نسبتاً زیادہ ہیں اور آن کی مخصوص "بے ضغطہ" زبان اور محاوروں کے بے دھڑک استعال کی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں ۔ مثلاً انگریزی تہذیب و تمدن کی خرابیوں کے ذکر میں ایک طویل خط ہے (۱۰۶) جس میں رہوار قلم کی شوخیٔ رفتار قابل دید ہے ۔ اسی طرح ایک خط میں ضمناً سرسید کا ذکر خیر آ گیا ہے ۔ آن کی تفسیر کے بارے میں فرماتے ہیں :

"میرے نزدیک وہ تفسیر دیوان حافظ کی آن شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوّف بنانا چاہا ۔ ۔ ۔ ۔" (خط : ۹۹)

اسی طرح خط نمبر ۴۳ میں ایک محاورہ "موت کر چھوڑا" آیا ہے ۔ جو شخص اپنے بیٹے کے خطوط میں ایسے محاورے لکھ جائے، اس کی شوخی اور بے تکلفی کا کیا ٹھکانا ۔ محاورہ بندی کے علاوہ عربیت کی پیوندکاری بھی نذیر احمد کے اسلوب کی ایک امتیازی خصوصیت ہے ۔ خطوط میں یہ حجازی لَے اور بھی نمایاں ہے کیونکہ مکتوب الیہ عربی کا طالب علم اور کاتب کا شاگرد ہے ۔ ان کے لیکچروں کی طرح ان خطوط کی زبان بھی انگریزی الفاظ کے جا و بےجا استعال سے داغ دار ہوگئی ہے ۔ دراصل نذیر احمد کا اپنا روزمرہ ان سب عناصر سے مرکّب تھا ۔

★

نذیر احمد کی بے تکلفی صرف زبان و بیان تک محدود نہیں ۔ وہ زندگی کے تمام معاملات میں حق گوئی و بے باکی سے کام لیتے تھے اور جس طرح وہ آزادی سے اپنی رائے ظاہر کرتے، اسی طرح دوسروں کی آزادیٔ رائے کو پسند کرتے تھے ۔ حتیٰ کہ شادی بیاہ کے معاملے میں بھی پرانی رسم کے برخلاف نہ صرف اپنے بیٹے سے استفسار کیا اور بے باکانہ اظہارِ خیال پر خوش نودی ظاہر کی (خط : ۱۴ و ۱۵) بلکہ جب یہ معاملہ ایک عرصے تک حیص بیص میں پڑا رہا تو بالآخر ایک خط میں لکھا :

''بشیر، کیوں نہیں تم اپنا بیاہ اپنی تجویز سے کرتے ۔
تمھارے باپ نے بھی اپنا بیاہ اپنی ہی تجویز سے کیاتھا،
تم بھی اسی کے بیٹے ہو، خود کرو'' ۔ (خط : ۴۷) ۔

اسی طرح دیگر خانگی معاملاتمیں وہ ہٹ دھرمی کے بجائے نہایت معقولیت کا ثبوت دیا کرتے تھے ۔ انھیں اپنے گھر کے ایک فرد (غالباً ''بیوی صاحب'') سے کچھ شکایات تھیں ۔ رنجش بڑھتی جا رہی تھی ۔ انھوں نے ایک خط لکھا اور بیٹے کو تاکید کی کہ اسے فلاں کو پڑھ کر سنا دینا ۔ دوسرے ہی دن پھر لکھا :

''زیادہ بے لطفی کا احتمال ہے تو برخوردار آس خط کو
۔۔۔۔ صاحب کو مت سناؤ اور مجھ کو میری حالت
پر چھوڑو'' ۔ (خط : ۳۲) ۔

جب بیٹے نے الٹے باپ کے طرزِ عمل پر حرف گیری کی تو کس فراخ دلی سے وہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتے ہیں :

''میں ایسا ہٹ دھرم نہیں کہ تم مجھ کو میری قالش
پر متنبّہ کرو اور میں اعتراف کرنے سے عار کروں''۔
پر (خط : ۳۳) ۔

ان خطوط میں نذیر احمد کے رجحانات اور کردار کا صحیح عکس موجود ہے اور خطوط ہی پر کیا منحصر، نذیر احمد کی ہر

تصنیف آن کی شخصیت کی آئینہ دار ہے ۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس کی شخصیت ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے ، اسی کے افکار و کردار کے بارے میں سب سے زیادہ غلط فہمیاں پھیلائی گئیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ سر سید پر تو صرف مولویوں کے طبقے نے لے دے کی تھی لیکن نذیر احمد ، قدیم و جدید ہر دور اور ہر طبقے میں مطعون ہوئے ۔ انھوں نے مـلّائیت اور تقلید جامد کا مضحکہ اُڑایا تو ''نیچری بھانڈ'' کہلائے ، انگریزوں کی اندھی تقلید سے منحرف ہو کر اسلامی تہذیب کی بنیادی قدروں کو اجاگر کیا تو آج انھیں کٹھ ملا ، تنگ نظر اور قدامت پرست قرار دیا جاتا ہے اور جب اس سے بھی لوگوں کا جی نہیں بھرتا تو ان پر زرپرستی اور نفع طلبی کی تہمت لگائی جاتی ہے ۔ ''موعظۂ حسنہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے شمس الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں :

> '' وہ غیر شعوری طور پر یہ سمجھتے تھے کہ تعلیم اور زندگی کے ہر کام کی اچھائی برائی کا معیار نام و نمود اور مال و دولت ہے''۔ (آردو خطوط ۔ ص ۔ ۱۲۲) ۔

اس میں شک نہیں کہ نذیر احمد نے اپنے بیٹے کی تحریص و ترغیب کے لیے جہاں اور باتیں کہیں وہاں یہ بھی کہا اور بار بار کہا کہ محنت کرو تاکہ زندگی میں دولت و عزت اور نام و نمود حاصل کر سکو اور اس میں بھی شک نہیں کہ انھوں نے انگریزی زبان کو ''جدید علوم کا گنجینہ'' اور ''شرطِ ملازمت'' قرار دیتے ہوئے انگریزی پڑھنے پر بہت زیادہ زور دیا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ علم کا مقصد محض حصولِ دولت و منصب سمجھتے تھے ۔ انھی خطوط میں یہ ہدایتیں بھی موجود ہیں :

''بشیر! نوکری اور رزق تو مقدر ہے مگر لیاقت عجب چیز ہے ۔ ساری عمر آدمی کو مسرت دینے والی چیز، عُسر اور یُسر دونوں میں لیاقت ہے''۔ (خط : ۵۷)

اگر تم نے علم کا یہی نتیجہ سمجھا کہ وہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے تو تم نے ہرگز علم کی قدر نہیں جانی ۔ (خط : ۵۹) ۔

''تمھارے چال چلن کی طرف سے ہمیشہ خائف ہوں ۔ اگر تم نے اس کو بگڑنے دیا ۔ ۔ ۔ ۔ تو یاد رکھو انگریزی سیکھنا کیا ، اگر خدا نخواستہ انگریز بھی ہو جاؤ تو دنیا میں کامیابی نہیں ہوگی ۔ (خط : ۷) ۔

''بشیر! بہت کچھ اپنے واسطے پڑھو ، لیکن خدا کے لیے عربی میری خاطر سے''۔ (خط : ۱۰)

''عربی شعارِ اسلام ہے ۔ میرے نزدیک جو مسلمان عربی نہیں جانتا ، وہ نام کا مسلمان ہے''۔ (خط : ۱۳) ۔

''بشیر ! ذرا عربی ! ذرا عربی ! ، نری انگریزی پڑھ کر آدمی مبہوت ہو جاتا ہے ۔ خدا جانے یہ کیا وبال ہے''۔ (خط : ۶۷) ۔

اگر نذیر احمد کے نزدیک دولت اور منصب ہی زندگی میں سود و زیاں کا سب سے بڑا پیمانہ تھا تو سوال یہ ہے کہ وہ اپنے ناز پروردہ بیٹے پر جو انگریزی کے بار سے دبا جا رہا تھا ، عربی کا بوجھ کیوں لادنا چاہتے تھے ، جب کہ سرکاری ملازمت اور حصولِ امتیاز کے لیے تنہا انگریزی کافی تھی ؟

نذیر احمد کے گہرے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ

زندگی کے تمام معاملات میں سلامت روی ، اعتدال اور معقولیت کے قائل تھے ۔ وہ قدیم و جدید علوم کی اصل قدر و قیمت کو پہچانتے تھے اور ''خذ ما صفا و دع ما کدر'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مشرقیت اور مغربیت کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال قائم رکھنا چاہتے تھے ۔ انھوں نے انگریزی (جدید علوم) کی ترویج کو قوم کے حق میں آبِ حیات سمجھا لیکن انگریزیت (مغربی تمدن و معاشرت کی کورانہ تقلید) اور لا مذہبیت کو سمّ قاتل ٹھہرایا ۔ شاید یہی آن کا سب سے بڑا جرم ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص دیانت داری سے نذیر احمد کے نقطۂ نظر کو سمجھنا چاہیے تو زیادہ چھان بین کی بھی ضرورت نہیں ، اس مجموعے کا صرف ایک خط (نمبر ۱۰۶) تمام غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے کافی ہوگا ۔ اس خط میں انھوں نے انگریزی زبان کی خوبی ، انگریزی خوانوں کی تنگ نظری ، انگریزوں کے اخلاقی اوصاف اور انگریزی تمدن کی خرابیوں کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے ۔ یہ خط انھوں نے حیدر آباد سے لکھا تھا جہاں انھیں ملک کے کچھ ایسے محسنوں کی طرز معاشرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جو قومی ترقی اور انگریزیت کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''ابن الوقت'' کا پورا ذہنی خاکہ دس برس پہلے تیار ہوچکا تھا ۔

نذیر احمد کے بخل کی روایت اتنی عام ہو چکی ہے کہ اب جس کا جی چاہتا ہے ، اس روایت کی آڑ لے کر انھیں انسانیت کی قدروں سے نا آشنا ، جذبات لطیف سے بے بہرہ اور جانے کیا کچھ کہہ ڈالتا ہے ۔ ''موعظۂ حسنہ'' کے مطالعے سے ظاہر ہوا کہ یہ روایت ایک کذبِ حق نما سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ۔ پہلے ن چند اقتباسات پر ایک نظر ڈالیے :

''بشیر ! قسم ہے خدا کی ، مجھ کو تمھاری آسائش جائز میں روپیہ خرچ کرنا ہرگز بار نہیں ۔ تم مجھ پر جیسی سخت فرمائش چاہو کر دیکھو ۔ ان شاء اللہ میں اس کو فی الفور بجا لاؤں گا'' ۔ (خط : ۵)

''تف ہے میری دولت پر اور لعنت میرے مال دار ہونے پر جب میری پیاری اولاد اس وجہ سے تکلیف پائے کہ میں آن کی حاجت کی قدر باوجود مقدرت روپیہ نہیں دیتا'' ۔ (خط : ۵۴) ۔

'' سب سے زیادہ تکلیف‌دہ بات جو تم نے لکھی ، یہ ہے کہ تم بگھی لینے کے واسطے روپے کی کمی کا عذر کرتے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ تم بگھی گھوڑا خریدو اور میں روپیہ نہ دوں تبھی الزام دینا'' (خط : ۷۰)

''میں روپیہ تم کو دیتا ہوں ۔ اس کو راہ خدا میں صرف کرو اور مصرف اس کا متعین نہیں کرتا''۔ (خط : ۳۹) ۔

''اپنی والدہ سے کہو کہ حسبۃً للہ بہ قدر مناسب بیوہ اور یتیموں کی دل دہی اور خاطر داری کے طور پر کچھ خبر گیری کریں کہ موجب ثواب ہے''۔ (خط : ۶۷)

''میں نے ''مدرسۃ العلوم'' علی گڑھ میں بورڈنگ ہوس بنوایا ۔ دو کنویں ہیں ، دونوں میں چندہ دیا ۔ اپنے سارے خاندان کے نام کی جالیاں احاطۂ مدرسہ میں نصب کرائیں'' (خط : ۹۹) ۔

''آپ کو معلوم ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب سے زیادہ مدرسۃ العلوم میں نہ کسی چندہ دینے والے کی رقم ہے اور نہ کسی دوسرے طریقے سے امداد دینے

والے کی مدد آن سے زیادہ ہے ۔ انھوں نے بارہا دو دو اور تین تین ہزار روپیہ مدرسے کی امداد کے لیے اپنی جیب خاص سے دیے'' ۔ (اقتباس از تقریر محسن الملک ۔ مجموعہ لیکچرز ۔ حصہ اول ۔ ص ۲۸۷) ۔

غور کیجیے کہ جو شخص اپنے اہل و عیال کی جائز ضروریات پر اپنی کمائی دل کھول کر خرچ کرتا ہو ، غریبوں اور یتیموں کی امداد کے لیے گھر والوں کو ترغیب دیتا ہو اور قومی کاموں میں دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہو ، اُسے بخیل کہنا کہاں تک روا ہے ۔ پھر یہ بخل کی روایت کیسے چل پڑی ؟ بات یہ ہے کہ نذیر احمد کی ابتدائی زندگی افلاس کی تنگی ترشی میں گزری ۔ کفایت شعاری کی عادت جو شروع میں بڑ چکی تھی ، فارغ البالی کے زمانے میں بھی برقرار رہی ۔ پھر وہ فطرۃً سادگی پسند اور ہر طرح کے تکلفات سے متنفر تھے ۔ اس زمانے میں عام مسلمان خصوصاً دہلی کے شرفاء ، شاہ خرچی اور مسرفانہ عادتوں کی وجہ سے تباہ ہو رہے تھے ۔ اُدھر انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ فیشن پرستی کا شکار تھا ۔ نذیر احمد کی سادہ زندگی جو افراط و تفریط اور اسراف و بخل کے درمیان معتدل روش کا ایک اچھا نمونہ تھی ، دلی کے دل والوں اور جدید فیشن کے دل دادہ احباب میں بخل سے منسوب کی گئی ۔ وہ اپنے دہلوی اعزا کی شکایت کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں :

''اگر شیوۂ انصاف سے دیکھو تو مرد اور عورت ، بڑے اور چھوٹے ، ہر متنفس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایصال نفع ضرور کیا ہے ۔ احسان فراموشی کا علاج نہیں ۔ ۔ ۔ حقیقت میں یہ مادۂ حسد ہے ۔ آن کو جلن اس بات کی ہے کہ خدا نے آن میں سے کسی کو یہ نعمت نہیں دی '' ۔ (خط : ۲۷)

ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی ذات اور دیگر تعیّشات پر کم سے کم خرچ کرتے تھے ۔ چنانچہ عہدے اور تنخواہ میں ترقی کے ساتھ ساتھ آن کے پاس سرمایہ جمع ہوتا رہا اور وہ اس رقم سے پرامیسری نوٹ خریدتے رہے کیوں کہ آن کی رائے میں اندوختے کے لیے اس سے بہتر صورت ممکن نہ تھی :

”سید احمد خاں نے پرامیسری نوٹوں کے جواز کے دلائل جو جمع کیے ہیں اور ربوٰ کی حقیقت جو کچھ انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور مولوی شاہ عبدالعزیزؒ اور مجتہد اثنا عشرین کے فتاوے مجھ کو سب معلوم ہیں ۔ مگر با این ہمہ اگر مجھ کو اندوختے کے لیے کوئی دوسرا محفوظ مطمئن پیرایہ ملے تو میں آج پرامیسری نوٹوں کو الگ کروں“ ۔ (خط : ۸۳) ۔

اور یہ بھی امر واقعی ہے کہ آخر عمر میں جب انھوں نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنے کی باقاعدہ ایک مہم شروع کی تو تجارت کے بہانے ، ”خود غرض دوستوں نے مولانا کو خوب خوب سبز باغ دکھا کر تجارت کی آڑ میں خوب لوٹا“ (حیات النذیر ص ، ۱۵۱) اور نذیر احمد کے بھولے پن سے تجارتی کاروبار میں خسارہ ہی خسارہ رہا ۔

الغرض ”موعظۂ حسنہ“ اگرچہ صرف تین چار سال کے خطوط کا مجموعہ ہے لیکن اس آئینے میں نذیر احمد کی پوری شخصیت کا عکس آتر آیا ہے ۔ اسی طرح آن کے سوانحی خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے بھی ان خطوط سے بڑا مواد حاصل ہوسکتا ہے ۔ اس مجموعے کا آخری نصف حصہ حیدر آبادی خطوط پر مشتمل ہے ۔ حیدر آباد میں ملازمت کی تقریب ، محسن الملک سے نذیر احمد کا ابتدائی تعارف ، حیدر آباد کا ملکی نظام ، وہاں کی سیاست کے

نشیب و فراز ، سرسالار جنگ کے احسانات اور نذیر احمد کے ساتھ خاص مراعات ، غرض اس دور زندگی کی تمام تفصیلات ، ''حیات النذیر'' کے مصنف نے انھی خطوط سے فراہم کی ہیں ، بلکہ جا بجا پوری پوری عبارتیں کسی حوالے کے بغیر نقل کر دی ہیں ۔

کاش نذیر احمد کے چند دیگر منتشر خطوط بھی اس مجموعے میں بہ طور ضمیمہ شامل ہوکر محفوظ ہو جاتے ۔ خیر ، اگر مجلس ترقی ادب کی ان خدمات کا سلسلہ جاری رہا تو اگلے ایڈیشن میں سہی ۔

افتخار احمد صدیقی
صدر شعبہ اُردو ۔ اسلامیہ کالج
لاہور

دیباچۃ الموعظہ

جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سے میری ذاتی شناسائی مطلق نہیں مگر جس تفصیل سے میں اُن کو جانتا ہوں، اُن کے دوست آشنا تو خیر، اُن کے قریب کے رشتہ دار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے - ''لو کشف الغطاءُ لما ازددتُ یقیناً''[1] - اس کا سبب یہ ہے کہ مجھ کو ''الولد سرٌّ لابیہ''[2] چھوٹے سکیل[3] کے مولوی نذیر احمد یعنی اُن کے فرزند یگانہ مولوی بشیرالدین احمد صاحب کے ساتھ اس درجے کی مخالطت رہی ہے کہ ہم دونوں یک روح و دو قالب تھے اور اب سوءِ اتفاق سے مخالطت نہیں ہے تو متصل اور متواتر مراسلت ہے؛ ایسی کہ ''المکتوب نصف الملاقات''[4] کے حساب سے اب بھی ہم دونوں کسی وقت ایک دوسرے سے جدا نہیں - میں نے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے تمام مصنفات کو بالاستیعاب[5] دیکھا ہے، نہ ایک دفعہ بلکہ بار بار - ع

هی المسک ما کرّرته یتضوّع[6]

۱- ''اگر حجاب اٹھا دیا جائے، جب بھی یقین میں کچھ افزائش نہ ہو'' یعنی یقین مرتبۂ کمال کو پہنچ گیا ہے - یہ قول ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کمال عرفان میں -

۲- بیٹا اپنے باپ کا بھید ہے، یعنی مظہر صفات باطنی -

۳- پیمانہ -

۴- خط و کتابت آدھی ملاقات کے حکم میں ہے -

۵- اول سے آخر تک، سراپا، سب کا سب -

۶- یہ تصنیفیں مشک ہیں، جتنا رگڑو، اُس کی خوش بُو پھوٹتی جائے -

جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات معلٰی القاب نواب سر ولیم میور صاحب بہادر لفٹننٹ گورنر ممالک شمالی مغربی جیسے قدردان گورنمنٹ نے منظور کر کے آن کو ہزارہا روپے انعام کے دیے ہوں ، جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات اس درجہ مقبول خلائق ہوں کہ وار نہیں آنے پاتا اور ایڈیشن[1] بر ایڈیشن نکلتے چلے آتے ہیں ؛ یہاں تک کہ بعض کتابوں کی چالیس ہزار جلدوں سے زیادہ چھپ چکی ہیں ، جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات بھاکا ، مرہٹی ، گجراتی ، بنگالی ، کشمیری اور سب سے بڑھ کر انگریزی میں ترجمے ہو گئے ہوں اور جب کہ آن کی ایک کتاب ''توبۃ النصوح'' داخل امتحان سول سروس[2] ہو ، و کفٰی بہ فخراً[3] ۔ یعنی جب کہ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی اعلٰی لیاقت اور پاکیزگی تحریر اور راستی خیالات پر جمّ غفیر نے اجماع کر لیا ہو تو میں اپنی رائے کا اظہار کرنا تحصیل حاصل بلکہ ایک طرح کی شوخی سمجھتا ہوں ۔ ممالک شمالی مغربی ، پنجاب ، بہار ، بنگالہ تو ایک اعتبار سے زبان آردو کا وطن ہے ؛ ان ملکوں میں جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے مصنفات کی جتنی قدر ہو تھوڑی ، حیدر آباد دکن میں جہاں فارسی دفتر تھا ، جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی تحریرات کا وہ زور و شور رہا کہ آن کے روز ناچے اور رو بہ کار اور کیفیتیں اور رپورٹیں اور فیصلے اور تجویزیں مجامع میں اس طرح پڑھی جاتی

۱- چھاپا ۔
۲- ولایت کا ایک امتحان جس سے گورنمنٹ ہند کی تمام اعلٰی خدمات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے ۔
۳- اور یہ نازش کو کافی ہے ۔

تھیں جیسے مشاعروں میں غزل ۔ سارے دکن میں ایک نواب سر سالار جنگ بہادر مرحوم خود مردمی مجسّم اور مردم شناس تھے ۔ آن کا یہ حال تھا کہ جناب مولوی مہدی علی صاحب کے نام جو خطوط جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے جاتے ، بالالتزام آن کو بار بار مزے لے لےکر پڑھتے اور حسن تحریر کی داد دیتے ۔ جب حضور نظام کی مسند نشینی کو ڈیڑھ یا دو برس باقی رہے تو گورنمنٹ آف انڈیا[1] نے چاہا کہ رئیس کو انتظام ملک سے آشنا کیا جائے ۔ وزیر اور رزیڈنٹ نے مل کر یہ تجویز کی کہ انتظام مملکت پر کچھ رسالے لکھوا کر حضور کو ملاحظہ کرائے جائیں ۔ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے سوائے ایسے رسالے اور کون لکھتا ؛ کیا بیش دس رسالے جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب نے لکھے ۔ ایک دن کا مذکور ہے کہ نواب سرسالار جنگ بہادر میز پر تھے اور آنریبل[2] مسٹر سید محمود اور چند اکابر اور بھی شریک تھے کہ ایک رسالہ پہنچا ۔ نواب سرسالار جنگ بہادر سے صبر نہ ہو سکا اور عین تناول طعام میں رسالےکو دیکھنا شروع کیا اور حاضرین کو سنایا اور آخرکار یہ فرمایا کہ مجھ کو ساری عمر میں اگر رشک ہوا ہے تو مولوی نذیر احمد کے دماغ پر ۔ پس جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے سرٹیفکیٹوں[3] کا پشتارہ جس میں کئی لفٹنٹ گورنروں کی چٹھیاں بھی ہیں ، ایک طرف اور ہند کے بسمارک[4] نواب سرسالار جنگ بہادر کا اتنا فرمانا ایک

۱- حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند به اجلاس کونسل ۔
۲- خطاب عزت جو ہائی کورٹ کے ججوں اور کونسل کے ممبروں کو حاصل رہتا ہے ۔
۳- اسناد ۔
۴- وزیر جرمنی جس کا تدبیر سیاست میں تمام یورپ لوہا مانتا ہے ۔

طرف - خیر نواب سر سالار جنگ بہادر کو تو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے دماغ پر رشک تھا ، مجھ کو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی تحریرات سے عشق ہے - جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کی کتابیں ہندو ، مسلمان ، عیسائی ، یہودی ، پارسی ہر قوم اور ملت کے لوگوں نے پڑھی ہوں گی ، مگر یہ میرا ہی حصہ تھا کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب اپنے والد کے خطوط مجھ کو دکھایا کرتے اور میں آن کو نقل کر لیتا - خطوط میں اکثر خانگی حالات تھے اور بہت میں مباحثِ علمی جو جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سبقاً سبقاً لکھ لکھ کر بھیجتے تھے - حذف و اسقاطِ ضروری کے بعد جو کچھ بچا وہ یہ کتاب ہے جو پیش کشِ ناظرین کی جاتی ہے - اس کے چھپوانے سے لوگوں کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ ایک لائق باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو کس طرح پر تعلیم و تربیت کرتا ہے - شغف[1] تو اس درجے کا ہے کہ سوتے جاگتے ، سفر میں ، حضر[2] میں ، فرصت میں ، اشتغال میں ، ہر حال میں بیٹے کا تصور نصب العین[3] ہے ؛ گویا دنیا عبارت ہے اسی ایک وجود سے ، مگر تعلیم میں بھی اس بلا کا اہتمام ہے کہ علم ایک لقمہ ہو تو کھلا دیں یا تعویذ ہو تو گھول کر پلا دیں - میں ناظرین کتاب کو جناب مولوی نذیر احمد خان صاحب کا نمونہ دکھلا کر اولاً نفس تعلیم اور ثانیاً آس خاص طرح کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کا زمانۂ حال مقتضی ہے -

---

۱- شیفتگی -

۲- ضد سفر ، یعنی حالت اقامت -

۳- مد نظر ، آنکھوں کے سامنے -

مقصد اصلی تو یہ ہے اور اگر کوئی طرزِ تحریر اور طریقۂ ادائے مطلب سے استفادہ کرے تو روکھن[1] میں ۔

محمد عبدالغفور شہباز بہاری
نمبر ۱۳ ، تالتلا بازار اسٹریٹ ۔ کلکتہ
تاریخ غرۂ جنوری ، ۱۸۸۷ء روز شنبہ

۱۔ سودے والوں کا دستور ہوتا ہے کہ خریدار کے خوش کرنے کے لیے تھوڑا سودا اوپر سے مفت دے دیا کرتے ہیں ، اُس کو ''روکھن'' کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ طبعِ ثانی

مولوی نذیر احمد کی کتابوں کو تو کچھ ایسی خدا کی سنوار ہے کہ اِدھر بنیں آدھر چھپیں ، اِدھر چھپیں آدھر بکیں ۔ اسی مارا مار میں ”موعظۂ حسنہ“ کے پہلے ایڈیشن[1] میں کتابت کی غلطیاں ، خطوں کی بے ترتیبی اور بعض ضروری (امور ؟) کی متروکی کئی نقص رہ گئے۔ اس دوسرے ایڈیشن کے وقت میں نے دل پر ٹھان لیا تھا کہ بلا سے دیر ہو تو ہو مگر جیسی کتاب ، کیا عبارت ، کیا مضامین کے اعتبار سے عمدہ ہے اور جیسی لوگ اس کی قدر کرتے ہیں آسی مناسبت سے ترتیب اور تکمیل اور کتابت اور تصحیح اور چھاپہ سب ہی چیزیں عمدہ ہوں ۔ میرے نزدیک یہ دوسرا ایڈیشن حجم میں ہر طرح کی بہتری میں پہلے سے اگر ڈیوڑھا نہیں تو سوایا ہونے میں کچھ شک بھی نہیں ۔ پس جو لوگ پہلا ایڈیشن لے چکے ہیں وہ اس کے ایسے ہی محتاج ہیں جیسے نئے خریدار ، کَثَّرَ ھُمُ اللہ ۔ اس میں میری منظوم تقریظ ملا کر تین تو تقریظیں ہیں ، انڈکس ہے ، حواشی ہیں اور خود مصنف کے بہت سے خطوط ہیں جو عندالتّہیّؤ للطبع الثانی بہم پہنچائے گئے ۔ اس کتاب کے جمع کرنے سے جو غرض تھی ، اب اس ایڈیشن سے حاصل ہوتی ہے ۔ تاماً مکملاً ۔

العبد

سید محمد عبدالغفور شہباز

۱- چھاپہ ، طبع ۔

موعظۂ حسنہ

مرتبہ
سردار مسیح گِل ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل
شعبۂ اردو پنجاب پبلک لائبریری لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

نور چشما ! مدّ عمره[۱] و آتاه الله نصیباً وافراً وحظاً متکاثراً من العلوم الجدیدة[۲] المفیدة ۔

خدا کا شکر ہے کہ میں بدھ کے دن ۵۔ جنوری کو مغرب سے پہلے اپنے مقام پر پہنچ گیا[۳] ۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ تم

۱- اس کی عمر دراز ہو اور خدا اس کو مفید نئے علوم سے ایک بہت بڑا حصہ عنایت فرمائے ! ضمیر غائب سے مخاطب مراد ہے ۔

۲- علوم جدید سے ریاضی کے تمام شعبے ہندسہ، جرثقیل، انجینرنگ اور علم کیمیا اور علم فلاحت اور علم طبیعیات اور علم طبقات الارض اور علم مناظرہ اور علم مائعات اور علم مقناطیس اور علم قوت برق وغیرہ مراد ہیں جو یورپ میں پورے طور پر پڑھے پڑھائے جاتے ہیں اور یورپ کی تمام ترقی اور تہذیب اور خوش حالی اور ہنر مندی اور صناعی اور ایجاد حتی السلطنت ان ہی علوم کی وجہ سے ہے ۔ ان کو جدید اس لیے کہا جاتا ہے کہ بعض شعبے ڈیڑھ دو سو برس کے اندر اندر ابتداً اہل یورپ نے دریافت کیے یا دریافت نہیں کیے تو ان میں اس قدر ترقی کی اور کر رہے ہیں کہ گویا علوم جدید ہیں ۔ خط ۵۹ میں بھی علوم جدید سے بحث کی گئی ہے ۔ جن کو خدا نے معاش کی عقل سلیم دی ہے وہ علوم جدید کے ایسے قدر شناس ہیں کہ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے خدا سے ان کے حصول کی دعا کرتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں آمین ! اور خدا دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسی توفیق دے تاکہ مسلمانوں سے نکبت افلاس دور ہو۔

۳- مولوی نذیر احمد صاحب ہمیشہ بیٹے کو ساتھ رکھتے تھے اور خود پڑھاتے تھے ؛ اب بڑے دن کی چھٹی میں دورے پر سے بیٹے کو لے جا کر دہلی کے مدرسے میں داخل کر آئے ۔

وھیں رہ گئے تو عملے اور نوکر اور پیادے اور مذکوری سب کے سب افسردہ خاطر ہوئے ۔ تم سے لوگ بہت مانوس تھے اور تمھارے ساتھ نہ رہنے سے لشکر[1] سونا[2] معلوم ہوتا ہے ۔ جب غیروں کا یہ حال ہو تو میرے دل کی کیفیت کا خدا کو علم ہے ۔ میں نے نہایت مجبور ہو کر تم کو جدا کیا ہے ، اس واسطے کہ وقت[3] نکلا جاتا تھا اور تمھاری انگریزی بدون مدرسے کے درست نہیں ہو سکتی تھی ۔ خداوندکریم تمھارا حافظ اور نگہ بان ہے ۔

بشیر ! خدا کے لیے اب پورا پورا شوق کرو ۔ دو تین برس کی محنت ہے ۔ بڑا مرحلہ[4] انٹرنس[5] کا ہے ۔ اگر تم اس میں کامیاب ہوئے تو یہ کامیابی اگلے امتحانوں میں تمھاری مددگار ہوگی ۔ علم تو سب طرح کے ہیں اور طالب علم کو لازم ہے کہ سب کی طرف برابر توجہ کرے لیکن سب پر مقدم ادب[6] ہے جس کو انگریزی میں لٹریچر کہتے ہیں ، یعنی زبان دانی ۔ کمال زبان دانی یہ ہے کہ تم کو اہل زبان کی سی قدرت حاصل ہو ۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ زبان دانوں کی عبارتیں یاد ہوں ۔ جس طرح کے خیال اور مضمون کو

۱- جو لوگ کسی حاکم کے ساتھ دورے میں ہوں ، عملے نوکر چاکر ، حشم خدم ، اہل مقدمات سب کے مجموعے کو لشکر سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

۲- بہ واؤ معروف اداس ۔

۳- یعنی تحصیل علم کا وقت ۔

۴- بڑی بھاری منزل ۔

۵- انٹرنس یعنی داخلے کا امتحان جس کے یہ معنی ہیں کہ آدمی یہ امتحان دینے سے زمرۂ طلب گاران علم میں داخل ہو جاتا ہے ، نہ گروہ علماء میں ۔

۶- ادب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آداب مجلس میں سے ادب اعظم گویائی ہے ۔

جس پیرائے میں اہل زبان نے ادا کیا ہے ، اس کی تقلید[1] اور اس کی نقل کرنی چاہیے ۔ غرض زبان دانی کے لیے یادداشت شرط ہے ۔ محاورات اور امثال[2] و حکایات اور لغت اور صلوں کا استعال جن کو تم پرپوزیشن[3] کہتے ہو ، سب پیش نظر رہیں ۔ جس تحقیق سے تم مجھ سے عربی پڑھتے تھے کہ ہر ہر لفظ کا مادہ اور ماخذ[4] اور صیغہ[5] اور ترکیب[6] کوئی بات چھوٹنے نہیں پاتی تھی ، یہی تحقیق فارسی اور انگریزی کل زبانوں میں ہے ۔ جب کسی کتاب کا سبق لے کر بیٹھو ، خود لفظ لفظ پر نظر کرتے جاؤ ۔ جب اس انضباط سے دو چار کتابیں نکلیں ، اچھی خاصی استعداد ہو جائے گی ۔ زمانۂ طالب العلمی میں ادب عربی کے متعلق مجھ کو ''دیوان متنبّی'' ، ''سبعۂ معلقہ'' ''تاریخ یمینی'' کے اکثر حصے اور مقامات '' حریری'' کے متعدد مقامے اور ''دیوان حماسہ'' کے بیش تر مقامات اور قرآن کی بہت سورتیں یاد تھیں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر زبان میں اہل زبان کی بولی سند ہے ۔ جس کو جتنا یاد اسی قدر علم ادب میں اس کی استعداد ۔ سوائے زبان دانی دوسرا کوئی علم نہیں جس میں آدمی ساری عمر مشغول رہے ۔ اسی سبب سے ادب کی بڑی قدر ہے ۔ اگر ادب اچھا ہے تو ممتحن دوسرے علوم کی خامی سے بھی درگزر کر جاتے ہیں ۔ پچھلے سال ہائی کورٹ[7] کے امتحان میں ایک بنگالی اول رہا ۔ اگرچہ اس کے قانونی جواب سنا ہے کہ بہت عمدہ نہ تھے مگر وہ تقریراً تحریراً انگریزی کا بڑا ادیب تھا ۔

۱- پے روی ۔ ۲- کہاوتیں ۔
۳- (Preposition) حروف روابط ۔
۴- جہاں سے کوئی لفظ نکلا ہو جیسے مصدر ۔
۵- یہ صرف ہے ۔
۶- یہ نحو سے متعلق ہے ۔
۷- عدالت عالیہ جس سے اونچی ہندوستان میں کوئی عدالت نہیں ۔

زبان دانی کی استعداد بے شک کتابوں کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے مگر اهل زبان سے گفتگو کرنا بھی ایک عمدہ ذریعہ ہے ۔ اسی واسطے میں نے تم کو مدرسے میں چھوڑا ہے ۔ جہاں تک ہوسکے بری بھلی ، غلط صحیح ، ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی چاہیے۔ تمھاری جاعت میں شاید اکثر کو انگریزی بولنے کی مہارت نہ ہو تو تم اونچی کلاس[1] کے لڑکوں سے تعارف پیدا کرو اور ہر روز تین چار گھنٹے انگریزی میں بات چیت کرو تاکہ جھجک اور رکاوٹ دور ہو ۔ تمھارے ماسٹر[2] ہندوستانی یا انگریز جو ہوں ، اُن سے اُردو میں ایک لفظ مت کہو ۔ لیسن[3] صاحب کی میم سے تجدید تعارف کر لو؛ غرض جو ذریعہ انگریزی گفتگو کا ہو ، حاصل کرو ۔ انگریزی بول چال کے اعتبار سے اول یوروپین[4] لیڈی پھر ، یوروپین[5] جنٹلمین ؛ پھر یوریشین[6] لیڈی پھر ، یوریشین[7] جنٹلمین ؛ پھر سب سے آخر میں

۱- جاعت ۔ ۲- استاد ۔

۳- لیسن صاحب ۱۸۵۷ء کے غدر میں علاقۂ پرمٹ کے عہدہ دار تھے؛ غالباً اسسٹنٹ سرول ۔ ان کی میم غدر سے چند روز پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے دھلی آئیں اور گھر گئیں ۔ مولوی نذیر احمد صاحب اور اُن کی مسرال کے لوگوں نے ان میم صاحب کو بے سابقہ معرفت اپنے گھر میں پناہ دی اور عین شورش غدر میں انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا ۔ سرکار نے اس خیرخواہی کی بڑی تحسین اور قدردانی کی تو مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کو لکھتے ہیں کہ ان میم صاحب کے ساتھ تمھاری اگلی جان پہچان ہے ، اب اس کو تازہ کر لو تاکہ تم کو انگریزی بولنے کا موقع ملے ۔ مسٹر لیسن اور ان کی میم دونوں میاں بی بی ہنوز زندہ ہیں ۔

۴- ولایت زا میم ۔ ۵- ولایت زا صاحب ۔

۶- ہندوستان زا میم ۔

۷- ہندوستان زا صاحب ۔

آخور[1] کی بھرتی ، ایرے[2] غیرے ، پنچ کلیان[3] ، بنگالی بابو اور تمام انگریزی دان نیٹو[4] ۔ بشیر ! انگریزی گفتگو کی ضرورت اس درجے کی ہے کہ میں آس کے ظاہر کرنے کے لیے الفاظ نہیں پاتا ۔ تم سمجھو کہ تمھارے کالج میں داخل ہونے سے مقصود اصلی یہی ہے اور بس ۔ اگر تم کو انگریزی میں گفتگو اور آس کا بے تکلف لکھنا آجائے تو تم گھر بیٹھ کر ایم ۔ اے تک کا امتحان دے سکتے ہو ۔

انگریزی مسوّدہ ہر روز لکھنا چاہیے، مجھ کو ہمیشہ انگریزی میں خط لکھو اور چوں کہ راز کی بات نہیں ہوتی ، کسی ماسٹر یا کسی آونچی کلاس کے لڑکے یا کسی متعارف سے آس کو درست کرا لیا کرو ۔ ایک کتاب انگریزی کپوزیشن کی بنا لو جس میں اپنا کمپوزیشن[5] تاریخ وار لکھ کر آس میں سرخی سے اصلاح لے لیا کرو اور اصلاح کو بہ نظر غور دیکھ کر یاد رکھو کہ پھر ویسی غلطی نہ ہو ۔

میں نے سنا ہے کہ تمھارے مدرسے میں ۔ ۔ ۔ ماسٹر ہیں اور وہ انگریزی کے بڑے ادیب ہیں ۔ آن سے تعارف پیدا کرو ۔ ادب[6]

۱- مال ردی ۔

۲- 'امکے ڈھمکے' جیسے زبان فارسی میں 'فلاں ہماں' ۔

۳- اصل میں وہ گھوڑا جس کے چاروں ھاتھ پاؤں اور ماتھا سفید ہوں ، جس کو عربی میں اغر محجل کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے ہر قسم کے لوگ جن میں کسی طرح کی تحقیق نہیں جیسے پنچ کلیان گھوڑے میں سفیدی کے لیے کسی عضو کی تخصیص نہیں کہ ھاتھ پاؤں ماتھا سبھی جگہ سفیدی موجود ہے ۔

۴- (Native) - دیسی ہندوستانی ۔

۵- (Composition) مضمون نگاری ۔

۶- یہاں ادب سے اپنے سے بڑے کی تعظیم مراد ہے ۔

اور انکسار کافی ذریعہ لوگوں سے تعارف پیدا کرنے کا ہے ۔ اگرچہ تم ابھی اجنبی ہو لیکن جب لوگ دیکھیں گے کہ تم پڑھنے کا شوق رکھتے ہو، امتحان تمہارے اچھے ہوتے ہیں اور آستادوں کا ادب تم کو ملحوظ رہتا ہے ،کسی سے لڑتے بھڑتے جھگڑتے نہیں اور نالائق لڑکوں سے الگ تھلگ رہتے ہو، تو ماسٹر لوگ خود بہ خود تم پر مہربانی کرنے لگیں گے ۔

تم کو شروع سے آخر تک کوئی سیکنڈ لینگویج[1] اختیار کرنی پڑے گی ، یعنی انگریزی کے علاوہ دوسری زبان ۔ عربی ، سنسکرت یا فارسی ؛ سو فارسی کلاسیکل نہیں ہے ، چار و ناچار عربی لینی ہوگی اور تم کو عربی میں اتنا درک ہے کہ اگر تھوڑی توجہ جاری رکھو تو کافی ہے ، ورنہ چند روز میں جوکچھ پڑھا ہے ، سب جاتا رہے گا ۔ عربی ہمارا شعار قومی ہے ۔ میرے نزدیک ہر مسلمان پر عربی سیکھنا فرض ہے ۔ اگر کلاس میں فارسی کورس[2] ہے ، وہ بھی کام کی چیز ہے کیونکہ تم فارسی مطلق نہیں[3] جانتے ، آس کو بھی پڑھو ۔

۱- (Second Language) ثانوی زبان ۔

۲- نصاب ۔

۳- مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو ابتدا سے عربی شروع کرا دی تھی ۔ بس اس سے ایک بڑی عام غلطی کی اصلاح ہوتی ہے کہ لوگ ابدا کر پہلے فارسی پڑھاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بغیر فارسی کے عربی نہیں آ سکتی۔ ہمارے ملک میں پہلے فارسی سیکھنا صرف اس سبب سے لابد ہو رہا ہے کہ صرف و نحو عربی کی ابتدائی کتابیں زبان فارسی میں ہیں ۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے صرف و نحو عربی کو اردو کیا اور بیٹے کو اردو پڑھا کر ایک دم سے عربی پر لگا دیا ۔ اگر عموماً مسلمان تعلیم کا یہ طریقہ اختیار کریں تو نہایت مفید ہو کیونکہ فارسی زبان کا سیکھنا اب چنداں ضروری نہیں رہا اور عربی کلاسیکل ہونے کے علاوہ مذہباً مسلمانوں کو سیکھنی ضرور ہے ۔ پس فارسی دانی کے انتظار میں بچوں کو عربی سے محروم رکھنا کچھ کام کی بات نہیں ۔

لیکن عربی سے غفلت مت کرو، بڑی عمدہ چیز ہے اور آس کا پڑھنا بہت ہی نافع ہے۔ فارسی کورس کو بھی بہ نظر تحقیق پڑھنا چاہیے۔ ہر لفظ میں بال کی کھال نکال لیا کرو؛ مادہ اور صیغہ اور ترکیب اور معنی اور مطلب۔

روز کا کام روز کرنا ضرور ہے۔ جو سبق پڑھا اچھی طرح آس کو سمجھ کر قابو میں کر لیا۔ غافل لڑکے سبق جمع کرتے جاتے ہیں اور امتحان کے زمانے میں انبار مصیبت ہو جاتا ہے۔ ایک نقشہ اس طرح کا بنا لو اور اس کو خوش خط لکھ کر اپنی میز کے سامنے لگا دو؛ اس سے تم کو معلوم رہے گا کہ کس وقت کیا کرنا ہے۔

دن کا نام	پہلا گھنٹہ	دوسرا گھنٹہ	تیسرا گھنٹہ
شنبہ	عربی	اقلیدس	فارسی
یک شنبہ	جبرو مقابلہ	حساب	ادب انگریزی

مدرسے کے خالی گھنٹے اور فرصت کے اوقات انگریزی گفتگو میں صرف کرو؛ تفریح کی تفریح اور فائدے کا فائدہ۔ اسی طرح اپنے باہر کے اوقات منضبط کر لو کہ فلاں وقت یہ کام کریں گے اور جب اپنے کُل اوقات منضبط کر چکو، مجھ کو بھی اطلاع دو۔ اس انتظام میں اس کا بڑا خیال رکھو کہ طبیعت پر اتنا بوجھ نہ پڑنے پائے کہ گھبرا جائے۔ جب تک خوش دلی ہے، سب کام اچھا ہوتا ہے؛ بے دلی پیدا ہوئی اور کام بگڑا۔

۔۔۔ کے ذریعے ۔۔۔ سے ملو۔ یہ ۔۔۔ کے بیٹے ہیں اور ایف۔ اے کا امتحان دے چکے ہیں۔ آن سے ملنا تم کو ضرور فائدہ دے گا؛ اسی طرح تعارف بڑھاتے جاؤ لیکن عمدہ لوگوں سے۔

ایک بد وضعی تمام لیاقت اور تمام آبرو کو ضائع کرتی ہے ۔ عادت کا اختیار کرنا آسان ہے مگر اختیار کرنے کے بعد چھوڑنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے ۔

اپنی حالت ظاہری کو اپنی وقعت کے مطابق رکھو ۔ میرا روپیہ جہاں تک تمھاری آسائش جائز میں صرف ہو، ان شاء اللہ مجھ کو دریغ نہیں ۔ اگر تم کو نام و نمود کا آدمی کرے تو میرا روپیہ اچھے نیگ[۱] لگا ، مجھ سے مانگنے میں بھی تامل مت کرو ۔

تمھاری سب چیزیں یک جا کر کے پرسوں یا اترسوں ان شاء اللہ بکسر[۲] بھیجوں گا اور کوشش کروں گا کہ تم کو اسباب جلد ملے ۔ بشیر ! کتابیں تمھارے پاس بہت ہیں مگر سب رکھنے کو ہیں ۔ اگر ان کتابوں پر نظر محققانہ ہو تو آدمی عالم ہو جائے ۔ اب للہ توجہ کرو اور مجھ کو نا امیدی کی مصیبت میں مت ڈالو ۔ اقلیدس کے دعوے یاد کر چلو ۔ رفتہ رفتہ خیال پر چڑھ جائے گا کہ فلاں مقالے کی فلاں شکل کا کیا دعویٰ ہے ۔ دوسرا مقالہ اگر تم چھوڑ دو گے ، بھول جائے گا اور اب اقلیدس کو بہ مدد کتاب سمجھنا چاہیے ۔ جب دو مقالے اس طور پر سمجھ لو گے ، اتنی استعداد ہو جائے گی کہ باقی کتاب خود نکال لو گے ۔ اقلیدس کے نئے دعوے بہت ضروری ہیں ، ہمیشہ امتحان میں کوئی نہ کوئی نیا دعویٰ ضرور ہوتا ہے ۔

اس کو پیش نظر رکھو کہ تم کو اسی سال دوسری کلاس

۱- یعنی اچھے کام میں خرچ ہوا ۔
۲- ضلع غازی پور میں ریل کا مشہور اسٹیشن ہے ، گھوڑوں کی خرید و فروخت کا بڑا بھاری میلہ لگتا ہے ۔

میں ترق کرکے جاتا ہے اور امتحان سالانہ وہیں دینا ہے ؛ پس وہاں کا کورس ابھی سے رفتہ رفتہ اپنے بس میں لانا چاہیے ۔ تم مجھ سے وقتاً فوقتاً ہر بات اور ہر مسئلہ پوچھتے رہو ، جہاں تک ممکن ہوگا ، میں یہیں سے تم کو سمجھا دوں گا[1] ۔

بشیر ! اگر تم علی گڑھ جاتے تو تم کو شاید بڑی وحشت ہوتی ، لیکن اگر معلوم ہو کہ تم دھلی میں فائدہ علمی حاصل نہیں کر سکتے تو پھر دیکھا جائے گا ۔ اب تم کو اپنا انتظام خود کرنا پڑے گا ۔ اس کو سمجھ لو کہ لوگوں پر ہمارے حقوق کچھ نہیں اور ایسے نفوس قدسی جو دوسروں کو بے وجہ منفعت پہنچائیں ، کم ہیں ۔ پس اگر کوئی بے اعتنائی کرے تو افسردہ خاطر نہ ہونا چاہیے ۔ خوش آمد اور ملنساری سے اپنا کام نکالنا ہوگا ۔ تمہارے پاس گرامر ہے ، اس کو یاد کر چلو ۔ غرض وقت سے جہاں تک ممکن ہے ، فائدہ اٹھاؤ ۔ اپنے حالات جُز و کُل سے ہمیشہ مطلع رکھو ، والدّعا ۔ ۵ جنوری ، ۱۸۷٦ء ، مقام تحصیل نگرا ۔

۲

جس وقت سے میں آیا ، تمہارا اسباب جمع کرنے کی فکر میں تھا ؛ چنان چہ اس وقت اسباب صندوق میں بند کرکے ، اوپر سے ٹاٹ مُڑھ کر بکسر روانہ کرتا ہوں ، وہاں سے ریل پر روانہ ہو جائے گا ۔ اس ایک صندوق میں اتنی کتابیں ہیں کہ اگر آدمی نظرِ تحقیق سے ان پر

۱۔ مولوی بشیرالدین احمد کے پاس اپنے والد کے بہت سے خطوط ہیں جن میں علمی مباحث ہیں ۔ یہ تمام خطوط بڑی قدر کی چیز ہیں مگر چوں کہ ہر شخص ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا ، میں نے ایسے خطوط سب نکال ڈالے ؛ صرف نمونے کے طور پر آسان آسان خط رہنے دیے ۔

عبور[1] حاصل کرے تو عالم ہو جائے مگر رکھ چھوڑنے کو تو کتاب اور پتھر برابر ہے۔ "کمثل الحمار[2] یحمل اسفارا"۔

چار پائے بروکتابے چند

مقدّم جاعت کی پڑھائی ہے، اُس کے یادکرنے سے جو وقت بچے اُس میں دوسرا کام کرنا چاہیے۔ اس قدر بوجھ اپنے اوپر مت بڑھاؤ کہ جاعت میں برے رہو کیوں کہ ہم سبقوں میں برا رہنا بڑی بے عزتی کی بات ہے۔ بڑا انتظام اس کا ہے کہ کسی طرح انگریزی بول چال اور عبارت انگریزی کے لکھنے میں، یعنی انگریزی کمپوزیشن میں ترقی ہو؛ سو امید ہے کہ اس کے لیے تم نے تدبیر مناسب کرلی ہوگی۔ اگر وقت کو انتظام سے صرف کرو اور معمول باندھ کر ہر کام وقت پرکرتے رہو تو با فراغت جاعت کی پڑھائی بھی بہ خوبی یاد کر لوگے اور پھر بھی اتنا وقت بچے گا کہ اُس میں انگریزی کو بڑھاؤ، عربی پڑھو اور اُونچی کلاس میں جانے کا حوصلہ کرو۔ لتھبرج[3] کی شرح یعنی "کی[4]" میرے نزدیک فائدہ مند چیز ہے، خرید کر لینا بہ شرطیکہ ہر سبق کی شرح دیکھو اور سمجھو۔ میں تم کو عام اجازت دیتا ہوں کہ تحصیل علم و استعداد کے لیے صرفِ زر میں مطلق تامّل مت کرو، میں اُس خرچ کو خوشی سے ادا کروں گا۔ صفائی سے رہو مگر زینت جو تمہید بد وضعی و آوارگی ہے،

۱- لفظی معنی اترنا، مراد یہ ہے کہ نظر تحقیق سے دیکھ لے۔
۲- جیسے گدھے کا حال جس پر کتابیں لدی ہوں۔
۳- لتھبرج صاحب کا مجموعۂ منتخبات۔
۴- "کی" (Key) کے لغوی معنی ہیں کنجی، مجازاً شرح مغلقات کو کہتے ہیں۔

خبردار! مت اختیار کرو[1]۔ شاید تم کو چغے کی ضرورت پڑے ، اس واسطے کہ کالج کی وردی عامہ چغہ ہے تو جاڑے اور گرمی کے بنوا لینا مگر ڈھیلے عربی ، جیسے میں پہنتا ہوں ؛ اس گئے گزرے وقت میں بھی دہلی میں سب کچھ ہے ۔ خدا شوق اور طلب صادق دے ۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ آدمی جس شہر میں رہے وہاں کے طبیب اور کوتوال سے دوستی پیدا کرے ۔ تم بھی اس کا خیال رکھو۔

۸ ۔ جنوری ، ۱۸۷٦ء مطابق عید اضحیٰ ، مقام تحصیل سکندر پور ۔

۳

نور چشما ! سد عمرہ[2] و رزقہ اللہ شوقاً کاملاً لتحصیل العلوم ۔

خدا کا شکر ہے میں اچھا ہوں ۔ وہی وحشتِ تنہائی ، وہی دل برداشتگی ۔ تمہاری چٹھی ریڈ صاحب پاس پہنچی ؛ میں نے دیکھی نہیں مگر صاحب سے سنا ۔ صاحب نے پھر میری بدلی کی رپورٹ کی ہے ۔ مجھ سے پوچھا تھا کہ تجھ کو کیا منظور ہے ،

۱۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے بیٹے کو یہ بڑی عمدہ نصیحت کی ہے اور جو لوگ تربیت اولاد کے ذمہ دار ہیں ، اُن کو اس پر خاص توجہ کرنی چاہیے۔ مولوی نذیر احمد صاحب زینت کو تمہید بد وضعی و آوارگی ٹھہراتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے ۔ جس لڑکے کو بنانے سنوارنے کا شوق ہو ، اس کے حالات کے تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں ، مطلق زینت اُس کی بد وضعی کا ثبوت کافی ہے ۔ وضع دار شرفا لڑکوں کو بال نہیں رکھنے دیتے اور ان کے لباس میں بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ خود بینی کا محرک نہ ہو ۔

۲۔ اس کی عمردراز ہو اور خدا اُس کو تحصیل علم کے لیے پورا شوق روزی کرے ، ضمیر غائب مراد مخاطب ۔

میں نے جواب دیا ''بندوبست سے ملول[1]''، اضلاع شرق سے متنفر، خزانے سے ہارب[2]''۔ صاحب نے دو برس کی رخصت لی۔ آن کی بہن مارچ میں جائیں گی اور وہ خود جولائی یا اگست میں؛ غالب ہے کہ اس سے پہلے میری بدلی ہو جائے گی۔ جہاں کہیں فی علم اللہ[3] میرے حق میں اصلح[4] ہو، خداوند تعالیٰ اس کے اسباب مہیا کرے۔ میں نے علی گڑھ کا تذکرہ کیا ہے، زاں بعد آگرے کا۔ بدلی کی وجہ سے صاحب نے مجھ سے کہا کہ رخصت کا لینا ملتوی رکھو۔ اگر علی گڑھ مثلاً جانا ہو تو رخصت کی خواہش عبث ہے۔

تم نے صرف و نحو فارسی میں پڑھا کہ زبان فارسی میں 'ذ' نہیں تو 'گذارش' نہیں 'گزارش' چاہیے۔

نئی مناجات تو ادھر کوئی کہی نہیں، وہی ایک پرانی مناجات ہے جس کی نقل تمہارے پاس بھی ہے؛ اسی کو پورا کر دیا ہے اور وہ اب یوں ہے۔

اشعار مناجات

یہ تمنّا ہے ربِّ اکرم سے
غسلِ میت ہو میرا زمزم[5] سے
تبھی ٹھنڈک ہو میرے سینے میں
خاک ہو جاؤں میں مدینے میں
جا کے ہم سایۂ رسول[6] خدا ہے
زندگی ہو میری جو موت آجائے

۱۔ اکتایا ہوا۔ ۲۔ گریزاں۔
۳۔ بہ دانست خدا۔ ۴۔ زیادہ مصلحت، مفید تر۔
۵۔ مکہ معظمہ کا مشہور کنواں جس کا پانی حاجی لوگ زم زمیوں میں بھر کر لاتے ہیں۔

اور کچھ چارۂ گناہ نہیں
آپ کے در سوا پناہ نہیں

آپ سے گر نہ التجا لاؤں
پھر کدھر جاؤں اور کہاں جاؤں

یہی ماویٰ ہے اور یہی مامن
میرے دو ہاتھ آپ کا دامن

کون پرساں ہے مجھ سے ناکس کا
کس کو طوفاں میں پاس ہو خس کا

اور خس بھی خسیس ناقابل[1]
بے ہنر ہیچ کارہ لاطائل[2]

عارِ آباءِ اوّلیں ہوں میں
داغِ پیشانیٔ زمیں ہوں میں

کیا کروں ایسے قلب فاسد کو
کون لے گا متاع کاسد[3] کو

دل ہے یا معصیت کا پشتارہ
ایک پونجی ہے وہ بھی ناکارہ

گر تری مہر کی نظر ہو جائے
یہ خزف روکش[4] گُہر ہو جائے

تم اگر چشم لطف وا کر دو
مس کو چاہو تو کیمیا کر دو

۱- ذلیل و حقیر ۲- بے سود -
۳- کھوٹی پونجی - ۴- مقابل -

حق نے بخشی ہے تم کو وہ تاثیر
خاک چھو جائے تم سے ہو اکسیر

آہنِ تیرہ وہ جلا پا جائے
آفتاب اُس کے سامنے شرمائے

تم بچا لو عذابِ آتش سے
سخت عاجز ہوں نفسِ سرکش سے

بد بلا ہے یہ نفسِ امّارا[1]
اس نے مجھ کو ہلاک کر مارا

یا رسول الالٰہ خذ بیدی[2]
مالعجزی سواک مستندی

یا لمن اشکلت مصیبتہ
و احاطت بہ خطیئتہ

کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
اور چپ بھی رہا نہیں جاتا

کب تلک حبِّ جاہ و مال و منال
کب تلک پائے بست اہل و عیال

میں سدا فکر میں ہوں ان[3] سب کے
اور یہ سب اپنے اپنے مطلب کے

۱- جس دل سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور بدی کا محرک ہوتا ہے ـ

۲- اے خدا کے بھیجے! میری دستگیری کر کہ میری ناتوانی و مجبوری کے سبب کوئی تیرے سوا میرا تکیہ گاہ نہیں ـ ہائے وہ جس کی مصیبت کٹھن ہو اور جس کو گناہ نے گھیر رکھا ہو ـ

۳- یعنی اہل و عیال کے ـ

دیں پہ رکھتا انھیں مقدم ہوں
میں ہوں یا ہیزم جہنم ہوں

ہو اسی طرح گر حیات تمام
اے بدا آخر اے بدا انجام

از برائے خدا رسولؐ جلیل
مجھ پہ طاری ہو حالتِ تبتیل[1]

رخِ دل ہر طرف سے موڑوں میں
رشتہ اُلفت کا سب سے توڑوں میں

اپنی ہستی سے میں گزر جاؤں
یعنی[2] مرنے سے پہلے مر جاؤں

تیری خدمت میں شافع اُمت!
عرضِ حاجت کی کچھ نہیں حاجت

قُرب میں چاہتا ہوں حضرت کا
میں نہیں خواستگار جنّت کا

حور و غلماں مجھے نہیں درکار
آرزومند آن کے ہوں ابرار

میں کہاں اور کہاں ہوائے[3] بہشت
ناز کے زیبدم به طلعتِ زشت

میں نے بھر پائے سارے حور و قصور
اتنا کہہ دیجیے ''معاف قصور''

تم کو سب اختیار حاصل ہے
آپ کو سہل مجھ کو مشکل ہے

۱- انابة الی اللہ ، یعنی ہر طرف سے دل کا ملول ہو کر ایک خدا کی لو لگی رہنا -

۲- اشارہ ہے مقام ''موتوا قبل ان تموتوا'' کی طرف -

۳- آرزو -

میں ہوں مسموم[1] آپ ہیں تریاق[2]
قابلیت نہ کوئی استحقاق

ہاں مگر مجھ غریب پر یا شاہ!
رحم فرماؤ حسبۃً[3] للہ

رحم کیجے کہ آپ رحمت[4] ہیں
آپ پشت و پناہِ اُمت ہیں

گو برا ہوں برے سے بد تر ہوں
آپ کا اُمتی مقرر ہوں

نیک بندے بھی کل نہیں ہوتے
خار ہم دوشِ گل نہیں ہوتے؟

مجھ کو کامل وثوق ہے تم پر
تم سے حق نے کہا ہے لا تنہر[5]

رحمتِ[6] حیلہ جو کی ہیں گھاتیں
ہم سمجھتے ہیں پھیر کی باتیں

١- زہر خوردہ -
٢- زہر کا توڑ - ٣- برائے خدا -
٤- اشارہ ہے آیۃ قرآن کی طرف ''وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین'' یعنی ہم نے تم کو صرف اس غرض سے بھیجا کہ اہل جہان پر رحمت ہو -
٥- آیۃ کا ٹکڑا ہے، پوری آیۃ یوں ہے ''واما السائل فلا تنہر'' یعنی سوال کرنے والے کو جھڑک مت ، یعنی سائل کی دل جوئی لازم ہے نہ زجر و توبیخ -
٦- یعنی خدا کی رحمت جو بندوں کی بخشائش کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہے ، یہ اس کی گھاتیں ہیں کہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا اور پھر آپ سے فرمایا کہ سائل کو جھڑک مت ؛ اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے سب بندوں کو مغفرت کا امیدوار کیا -

یہ بھی[۱] تھی اک طرح کی بےصبری
ورنہ میں ہوں عقیدۃً جبری[۲]
دے[۳] کے کچھ اختیار تھوڑا سا
کیا یہ اٹکا دیا ہے روڑا سا
جب[۴] کہ دل ہی نہیں ہے قابو کا
لگے اس اختیار کو لوکا
عقل سے کر کے میرا منہ کالا
کس مصیبت میں مجھ کو لا ڈالا
جانتے تھے کہ ہوں ظلوم[۵] و جہول
پھر امانت کا سونپنا[۶] معقول

پائے[۷] گنجے نے ناخن حکّاک
کر لیا سر کھجا کھجا کاواک[۸]

۱- یعنی میں نے جو اس قدر اپنی بے قراری ظاہر کی ، یہ ایک بے خبری کی بات تھی کیونکہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ انسان مجبور ہے اور ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے ۔

۲- جبری ایک فرقہ ہے جو قائل ہے کہ انسان مجبور محض ہے ۔ مذہب سنت و جماعت میں الجبروالقدر ہے ۔

۳- یعنی آدمی کو پورا نہیں بلکہ تھوڑا سا اختیار دے کر یہ کیا چلتی گاڑی میں روڑا سا اٹکا دیا ہے ۔

۴- یعنی جب دل پر ہی اپنا اختیار نہ ہو تو ایسے اختیار کو لے کر کیا آگ لگانی ہے ۔

۵- اشارہ ہے آیۃً ''انا عرضنا الا مانۃ'' کی طرف جس میں حمل امانۃ پر انسان کو ظلوم وجہول کا خطاب عطا ہوا ہے ۔

۶- امانت سے مراد عقل ہے جو نیک و بد میں امتیاز کرتی ہے اور اس وجہ سے انسان مکلف ہوا ۔

۷- یعنی گنجے کو ناخن دیے ، اس نے کھجا کھجا کر سر میں گڑھے ڈال لیے تو اس کا کیا قصور ، کیوں کہ اس کو کھجلی نے کھجانے پر مجبور کیا ۔

۸- کاواک ، خالی ، جس میں گھڑھا پڑا ہو ۔

نہ گلہ ہے نہ کچھ شکایت ہے
اپنے حالات کی حکایت ہے

میں کہاں سے کہاں کو جا نکلا
توبہ توبہ یہ منہ سے کیا نکلا

نفس کی یہ بھی اک خدیعت[۱] ہے
خارج از شیوۂ شریعت ہے

ڈھونڈھنا اپنے واسطے حیلے
دوڑنا کوئی میرا منہ کیلے

وہ مثل ہے کہ ایک تو چوری
اور پھر اُس کے ساتھ سر زوری

گرچہ بندہ ہے سخت بے چارہ
نہیں بے اعتراف[۲] کے چارہ

اُس کے الطاف بے نہایت ہیں
ہم ہی سرکش بہ حدِّ غایت ہیں

آپ کی شرع میں نے توڑی ہے
جو سزا کیجیے سو تھوڑی ہے

میری عادت ہے نا سزا کردن
شوق سے مجھ کو مارے گردن

کیا کہوں بار بار کیا کہنا
مجھ کو اعمال سے نہیں لہنا[۳]

۱- فریب -
۲- اقرار -
۳- یعنی اعمال سے فائدہ اٹھانا میری قسمت میں نہیں -

جملہ سامان یاس و غم کا ہے
صرف اک آسرا کرم کا ہے

یہ ضلالت[۱] ہے یا ہدایت ہے
بے سبب تکیہ بر عنایت ہے

ہو نہ[۲] ہو اس طرح کی ستّاری
ہے تباشیر صبح[۳] غفّاری

صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں
زیادہ ابرام[۴] سے بھی ڈرتا ہوں

مخلصی بخشیے خرابی سے
کہیں کہہ[۵] دیجیے شتابی سے

''ہم نے کی سب معاف بے ادبی
سَبَقَت[۶] رحمتی علی غضبی''

۴

اسی وقت تمھارا خط مقام سکندر پور[۷] خاص میں پہنچا ۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی تمھارا دل نہیں لگتا ہوگا اور فی الواقع

۱۔ یعنی ضلالت یا ہدایت جو چاہے سو ہو، بے سبب مجھ کو عنایت پر بھروسا ہے۔

۲۔ مطلب یہ کہ اس طرح کی پردہ پوشی کہ بندے گناہ کرتے ہیں اور ان کا پردہ فاش نہیں ہوتا ، خواہی نہ خواہی صبح مغفرۃ کے طلوع کے آثار ہیں اور انجام کار مغفرت ہے ۔

۳۔ سپیدۂ صبح ۔ اول سحر ۔ ۴۔ لگ لپٹ کر مانگنا ۔

۵۔ اس کا مقولہ آخر کا شعر ہے ۔

۶۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ۔ یہ ایک قول مشہور ہے خدا کی وسیع الرحمتی کے بیان میں اسی کی زبان سے ۔

۷۔ ضلع اعظم گڑھ میں ایک مشہور قصبہ ہے ۔

مدرسے کے انتظام کو کوئی شائق[1] آدمی کبھی پسند نہیں کر سکتا لیکن میں نے تم سے بار بار کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ تم مدرسے میں صرف اتنے واسطے داخل ہوئے کہ انگریزی زبان میں ترقی کرو۔ اگر تم مدرسے کی پڑھائی پر بس کروگے تو بالکل وقت ضائع جائے گا، تم باہر اپنا انتظام کر لو۔ اپنے سے بہتر ماسٹر ہو یا طالب العلم، آس سے مدد لو۔ برخوردار! منت[2] اور خوش آمد سے دنیا کا کام چلتا ہے۔ اب تم کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بہت تھوڑے آدمی ہیں جن کو اپنا دلی خیرخواہ کہہ سکو۔ جو بے انتظامی دھلی کالج میں ہے، وہی اور ویسی ہی دنیا کے سب کالجوں میں ہے اور میں جانتا ہوں کہ علی گڑھ کالج بھی اس سے صاف نہیں ہوگا۔ پڑھائی کم، تعطیلیں زیادہ، استاد نامہربان، ہم سبق شیطان[3]۔ تم نے ابھی تک مجھ کو اطلاع نہیں دی کہ تم نے کس سے جدید اور مفید تعارف پیدا کیا اور اپنے رات دن کے اوقات کا کیا انتظام قرار دیا۔ باہر کی تحصیل جاری کرو کہ تمھارا دل لگے۔ ایک دن بے کار رہنا طالب علم کے حق میں زہر ہے۔ پھر دل کچھ ایسا اچاٹ ہو جاتا ہے کہ مہینوں طبیعت قابو میں نہیں آتی۔ سیر بازار اور تماشائے عجائب خانہ وغیرہ کو اپنے آوپر حرام قطعی کر لو ورنہ تم کو آخرکار بہت افسوس کرنا پڑے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس خط کے پہنچنے تک تمھارا صندوق بھی پہنچ جائے گا اور

۱- لغۃً شائق اس کو کہتے ہیں جس کا کسی کو شوق ہو لیکن استعمال فارسی و آردو میں شوق والوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں علم کا شائق مراد ہے۔

۲- منت اور خوش آمد مترادف بولے جاتے ہیں۔

۳- شریر۔

جب تمھارا سب سامان درست ہو جائے گا اور باہر کے سبق مقرر کر لو گے اور وقت بنٹ جائے گا تو کوئی وجہ گھبرانے کی نہ ہوگی۔

میں جائز نہیں رکھتا کہ تم پرنس آف ویلز[1] کے دیکھنے کو لوگوں کے ہجوم میں گھسو۔ ہم غریب آدمیوں کو شاہ زادوں سے کیا نسبت، اور ہمیشہ دیکھا ہے کہ لوگ دور سے دیکھ کر اکثر کسی مصاحب کو شاہ زادہ فرض کرکے خوش ہو لیتے ہیں اور بالفرض، اگر واقعی شاہ زادے کو بھی دیکھا تو اس سے فائدہ؟

میرا حال یہ ہے کہ ایک لمحہ طبیعت نہیں لگتی، لکھنے پڑھنے کو جی نہیں چاہتا، اکیلا اداس بیٹھا رہتا ہوں اور حیرت میں ہوں کہ اس طرح کی زندگی کیوں کر اور کب تک بسر ہوگی۔ خدا کے لیے میرے اس حال پر رحم کرو، یعنی جس غرض سے میں نے اس مصیبت کو اپنے اوپر گوارا کیا ہے، اس مطلب کو فوت مت کرو؛ پڑھو اور محنت کرو اور دنیا میں نام و نمود پیدا کرو۔

۱۱ - جنوری، ۱۸۷۶ء، سہ شنبہ

۵

تھیکر سپنک[2] اینڈ کو کی چٹھی جو میں نے تمھارے پاس بھیج دی تھی، اس کو نکال کر دیکھو اور محاورات کو یاد رکھو۔ مجھ کو جیسی کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی آتی ہے اسی تدبیر سے آئی ہے۔ اخبار اور چٹھی اور کتاب میں جو مضمون دیکھتا، اس کے محاورات اور

۱- شہ زادۂ ولی عہد بہادر انگلستان۔

۲- کلکتے کی تھیکر کمپنی جس کی کتابوں کی ایک عالی شان کوٹھی ہے۔ انگریزی، فارسی، عربی، ہندی، بنگالی یعنی تعلیمی غیر تعلیمی سب طرح کی کتابیں رہتی ہیں۔

طرز ادا کو خیال کر لیتا اور یہی عمدہ تدبیر زبان دانی کی ہے ۔ زبان کا جاننا اس پر موقوف ہے کہ اھل زبان کی تحریر و تقریر کی تقلید کی جائے ۔ یہی حال ہر زبان کا ہے ،کچھ انگریزی پر موقوف نہیں ، لیکن انگریزی کے واسطے اس قدر سہولت ہے کہ اُس کے اھل زبان ، یعنی انگریز ہم کلامی کے لیے مل سکتے ہیں ، بہ خلاف عرب و عجم کے ۔

تم مجھ کو انگریزی میں خط لکھا کرو ، مگر بالالتزام اُس میں کسی سے اصلاح لے کر بھیجا کرو ، کوئی خاص بات راز کی ہو تو اس کو البتہ عبارت اصلاحی سے خارج رکھو ۔ میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ عربی عبارت کی شرح بھی کبھی کبھی لکھ بھیجا کرو تاکہ مجھ کو معلوم ہو کہ تم کچھ کرتے ہو ۔ مجھ کو امید ہے کہ تم نے منطق کے لیے انتظام مناسب کر لیا ہو گا ۔

بشیر ! یہ بات میں تمہارے ذہن نشین کرنا چاھتا ہوں کہ جس مشغلے میں تم ہو، یعنی طلبِ علم، وہ ایک بہت بڑا مشکل کام ہے اور یوماً فیوماً[1] مشکل ہوتا جاتا ہے ۔ اس مشغلے میں کامیابی حاصل کرنے کی یہی ایک تدبیر ہے کہ آدمی صبر و استقلال کے ساتھ متوکّلا علی اللہ[2] محنت کا سلسلہ جاری رکھے ۔ یادداشت ایک شرط ضروری ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جس سے تم گرامر پڑھا کرتے تھے ، فیل[3] ہو گیا ۔ تم کو معلوم ہے کہ وہ کیسی اچھی استعداد کا آدمی اور کتنا محنتی اور جفاکش اور کس قدر شوق رکھتا تھا ۔ جب ایسے آدمی کا یہ حال ہو تو وائے بر حال اُن کے جو بے پروائی سے پڑھیں اور جو پڑھیں اُس کو بھلا دیں ۔ میں نے سنا ہے کہ اُس پر ناکامی

۱- روز بروز ۔ ۲- خدا پر بھروسہ کرکے ۔
۳- امتحان میں گر گیا ، ناکام رہا ۔

کا اس قدر سخت صدمہ ہوا کہ وہ بہت بیار ہے - اس سے ثابت ہے کہ وہ بڑا غیور[1] ہے اور ایک مرتبہ پھر اپیئر[2] ہو گا - بشیر! اگر تم کو مدرسے کے آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہو ، صاف کہہ دو ، میں تمھارے واسطے سواری کا انتظام کر دوں - بشیر ! قسم ہے خدا کی ! مجھ کو تمھاری آسائش جائز میں روپیہ خرچ کرنا ہرگز بار نہیں - تم مجھ پر جیسی سخت آزمائش چاہو کر دیکھو ، ان شاء اللہ میں اس کو فی‌الفور بجا لاؤں گا ؛ اس کے عوض تم میری صرف ایک فرمائش پوری کرو؛ وہ یہ کہ پڑھو اور لیاقت پیدا کرو - خدا تم پر دین و دنیا کی برکات[3] متکاثرات نازل کرے - میں تم کو بار بار لکھ چکا ہوں کہ ہر زبان کی صرف و نحو بڑی ضروری اور مفید چیز ہے ، اس پر زیادہ توجہ کرو؛ حساب کی کتاب جو تم پڑھتے ہو ، اُس کی عبارت بھی سبقاً سبقاً پڑھنی چاہیے - تم صرف اعمال مشق کرتے ہو اور مطالب کتاب سے مطلق بے خبر -

۱۷ - فروری ، ۱۸۷٦ء

٦

ہر چند انگریزی تلفّظ کی تصحیح پر تم کو خود توجہ ہو گی ، اور اس میں شک نہیں کہ جس قدر تم نے مجھ سے پڑھا ہے ، وہ قابلِ اطمینان نہیں ، لیکن تم ہی نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ تلفّظ میں چنداں اختلافات نہیں نکلتے؛ تاہم جب تک سبق ہو یا جب تک تمھارے ماسٹر گفت گو کریں ، اُن کے الفاظ کو کامل غور کے ساتھ سنتے رہو اور خوب خیال رکھو کہ کس لفظ کو کیوں کر ادا کیا -

---

۱- غیرت مند - ۲- مجلس امتحان میں حاضر ہوگا -
۳- بہت زیادہ برکتیں -

انگریزی میں ایکسنٹ[۱] بھی ایک بڑی ضروری چیز ہے جس کی طرف تم نے ابھی تک مطلق توجہ نہیں کی ۔ اس کے معنی ہیں ۔ ''زور دینا ، دباؤ ڈالنا''؛ مثلاً لبریلٹی[۲] ایک لفظ ہے، اس میں آر (R) پر زور ہے ۔ اسی کو پکار کر اور مخاطب کو سنا کر اور زور دے کر بولنا ہوتا ہے ؛ اسی طرح کل الفاظ مرکب میں کسی نہ کسی حرف پر ایکسنٹ ضرور ہوتا ہے ۔

مخارج حروف میں شاید چنداں دشواری نہیں ۔ صرف سی (C) ٹی (T) ایس (S) آر (R) چار حروف قابل لحاظ ہیں ۔ سی (C) جب کاف کی آواز دیتی ہے تو اس میں ہائے ہوز کا اشمام کرتے ہیں ، یعنی اس طرح بولتے ہیں کہ 'ہ' کی بو پائی جائے ۔ کنٹری[۳] کو کہتے ہیں کھنٹری لیکن وہ 'ہ' محض خفیف ہوتی ہے ؛ اگر صاف 'ہ' لگائی جائے تو غلط ۔ یاد رکھو کہ کے (K) اور سی (C) میں فقط اسی اشمام کا فرق ہے ۔ کے (K) میں 'ہ' کا اشمام ناروا ہے ۔ ٹی (T) کا حال اشمام ہائے ہوز میں سی (C) کا سا ہے ۔ ٹائم[۴] کو ٹھائم بولیں گے مگر وہی ہائے خفیفہ لگا کر ۔ ایس (S) یا تو کبھی کھلی 'ز' کی طرح بولا جاتا ہے جیسے بوائز[۵] اور کبھی 'س'، لیکن انگریز 'س' کو اس طرح نکالتے ہیں کہ 'ش' کی بو پائی جائے ، بلکہ وہ ایس (S) جو 'ز' بولا جاتا ہے ، وہ بھی اس اشمام 'ش' سے خالی نہیں ہوتا ۔ افسوس کہ اس بات کو تحریر میں ادا نہیں کر سکتا لیکن میں نے انگریزوں کو سنا ہے کہ 'سم[۶]' کو صاف 'س' سے نہیں بولتے بلکہ 'ش' سے ملا

۱- شیخ عبدالرحیم دہری نے فرہنگ دبستان میں اس کو ضرب سے تعبیر کیا ہے ۔
۲- جود و سخا ۔ ۳- ملک ۔
۴- وقت ۔ ۵- لڑکے ۔ ۶- بعض ۔

دیتے ہیں - تم بہ طور خود اس پر لحاظ کرلو ؛ آر (R) کا عجب حال ہے ؛ وہ شروع میں ڈبلیو (W) کے قریب ہے - ایک مرتبہ انگریزی اخبار میں پرنس آف ویلز کی نسبت لکھا تھا کہ لفظ رائل[1] ان کی زبان سے وائل نکلتا ہے - جو آر (R) بیچ میں یا اخیر میں ہو تو صرف ایک حرکت ظاہر کی جاتی ہے اور بس - مثلاً فرسٹ[2] کو انگریز فرسٹ نہیں کہتے بلکہ پولے منہ سے فسٹ - ہاں اشام ہائے ہوز میں پی (P) اور کیو (Q) کو بھی شامل کرنا چاہیے - پرنس[3] کو انگریز بھرنس کہیں گے اور کوارٹل[4] کو کھوارل - ڈی (D) کو فصیح انگریز سختی کے ساتھ ادا نہیں کرتے بلکہ 'د' کے قریب قریب رکھتے ہیں اور شاید اس میں بھی ہائے ہوز کا اشام کرتے ہوں ؛ اس وجہ سے دال کے قریب معلوم ہوتی ہے - ٹی ایچ (TH) ایک عجیب حرف ہے ؛ وہ دال اور ز کے بین بین ہے - وی (V) میں جو غلطہ ہے اس پر لحاظ رکھو ؛ اس کو ہونٹ اور دانت کی مدد سے ادا کرتے ہیں - ہندوستانی ڈبلیو (W) اور وی (V) میں فرق نہیں کرتے ، یہ فاحش غلطی ہے - اس کو خوب توجہ سے پڑھ کر سمجھنا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم چاہو تو مجھ سے بہ ذریعۂ تحریر کسی قدر فائدہ حاصل کر سکتے ہو ؛ تمہارے خطوط جن میں علمی مطالب ہوں میں بہت خوشی سے پڑھوں گا -

آج مجھ سے پھر کوئی - - - - کا تذکرہ کرتا تھا - مشن[5] اسکول اعظم گڑھ سے شاید کُلّہم دو لڑکے امتحان انٹرنس دینے گئے تھے - لٹریچر میں سب اچھے تھے ، اس واسطے کہ پادری صاحب نے اس پر

۱- شاہانہ - ۲- اول -
۳- شہ زادہ - ۴- جھگڑا -
۵- پادریوں کا مدرسہ -

بڑا زور دیا تھا مگر سائنس یعنی علوم ریاضی ہندوستانی ماسٹروں کو سپرد تھے ؛ اسی میں - - - - وغیرہ برے نکلے اور ناکام رہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگرچہ انسان کی طبیعت خاص فن سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے لیکن امتحان پاس[1] کرنے کو ضرور ہے کہ جس قدر چیزیں مشروط ھیں، سب میں جواب شافی دیا جائے۔ بشیر! تم ابھی سے ہر چیز پر توجہ رکھو ؛ اگرچہ کوئی خاص چیز خلافِ طبیعت ہو لیکن امتحان کی ضرورت سے چار و ناچار سب چیزوں کو دیکھنا چاھیے ، اس واسطے کہ جب نمبر ہرسبجکٹ[2] میں ایک حدِ معین تک پہنچتا ہے ، تب آدمی پاس ہوتا ہے ، والدعاء۔

۱۸ - فروری ، ۱۸۷٦ء

۷

تلفّظ کے اعتبار سے تو تمھاری انگریزی اسی وقت صحیح و مستند ھوتی کہ تم کو چھ برس کی عمر سے مدرسے میں انگریزی شروع کرائی گئی ھوتی۔ مشھور بات ہے اور ٹھیک بھی ہے کہ بڑے ھو کر زبان موٹی پڑ جاتی ہے اور آسانی کے ساتھ مخارجِ حروف پر نہیں ٹوٹتی۔ غرض تصحیح تلفّظ انگریزی متقاضی تھی کہ تم کو شروع سے مدرسے میں داخل کیا جاتا مگر وہ وقت تھا تمھارے کیرکٹر (چال چلن) کے فارمیشن (بننے) کا ، یعنی تمھارے دل میں آئندہ کے چال چلن کی بنیاد دھری جا رھی تھی اور بچوں کی زندگی میں یہی وقت زیادہ نگرانی چاھتا ہے اور یہی ضروری نہایت ضروری چیز ہے جس سے مدارس میں بالکل غفلت کی جاتی ہے۔ پس

۱- امتحان میں کامل عیار نکلنا۔
۲- مضمون -

میں نے تم کو اپنے پاس رکھ کر تمھاری انگریزی کو بگڑنے دیا مگر فی زعمی[1] تمھارے کیرکٹر کو سنبھالا - اگر مجھ کو اپنی انگریزی پر وثوق[2] ہوتا تو میں تم کو تمام عمر کسی مدرسے کی صورت تک بھی نہ دیکھنے دیتا ؛ ہر کیا کروں ، میں انگریزی کا کلانوت[3] نہیں ہوں عطائی ہوں - از بس کہ ہنوز نوعمری ہے اور کیرکٹر راسخ[4] نہیں ہیں ، تمھارے چال چلن کی طرف سے ہمیشہ خائف ہوں - اگر تم نے اس کو بگڑنے دیا جس کے محامل[5] اور مظاّن[6] مدرسے میں بہ‌کثرت ہیں تو یاد رکھو انگریزی سیکھنا کیا اگر خدا نہ خواستہ انگریز بھی ہو جاؤ تو دنیا میں کامیابی نہیں ہوگی ، نہیں ہوگی -

۸

تمھارے خط نے جو بعد الاصلاح ملفوف ہے ، مجھ کو سخت رنج پہنچایا - میں نے تم کو انگریزی کی طمع سے جدا کیا ، سو میں دیکھتا ہوں کہ انگریزی و عربی دونوں جانا چاھتی ہیں - عربی تو یقیناً جا چکی ، رہی انگریزی سو میں پاتا ہوں کہ ایسی مکروہ غلطیاں تمھاری چٹھی میں ہیں کہ تنزّل استعداد اُس سے ظاہر ہے - تمھاری انگریزی اب ایسی ہونی چاہیے کہ میں اس میں کوئی غلطی گرفت نہ کر سکوں ؛ اس واسطے کہ میں انگریزی دان نہیں ہوں ،

۱- اپنے پندار میں - ۲- اعتماد -

۳- جو لوگ علم موسیقی کو اصول کے مطابق سیکھتے ہیں کلانوت کہلاتے ہیں ، یعنی پکا مستند باقاعدہ راگ گانے والے- اور عطائی ، نقال، لے بھگو منی سنائی کوئی لے اڑائی اور الاپنے لگے -

۴- ٹھیرا ہوا ، جا ہوا ، مستحکم - ۵- محل احتمال -

۶- محل ظن -

نہ مجھ کو انگریزی کا شوق ، نہ خدا کے فضل سے انگریزی کی ضرورت ، لیکن جب ایسی فاش غلطیاں دیکھوں تو کیوں کر صبر کروں ۔ تمھارا یہی حال رہا تو میری برسوں کی محنت دھلی میں ضائع کر دو گے ۔ میں نے تم سے بار بار کہا کہ خطوط کی اصلاح ضرور ہے ؛ کسی کو دکھا لیا کرو اور جو اصلاح دے آس کو خیال رکھو ۔ تم نے ایسی خود رائی اختیار کی ہے کہ تم کو میرے کہنے کی مطلق پروا نہیں ہوتی ۔ اگر یہی انگریزی ہے جو تم نے لکھی تو لعنت بر ہیچ[1]۔ میں نے صرف موٹی موٹی غلطیاں گرفت کیں ؛ اگر عبارت کی عمدگی اور محاورات پر نظر کرتا تو ایک حرف باقی نہ رہتا ۔ بے شک تمھارے ایسے خطوط سے مجھ کو اندازہ ملا کرے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ تم کو دھلی میں منطقی نہیں ملتے تو کیا اب اتنے بڑے شہر میں کوئی اتنا نہیں کہ تم کو انگریزی میں اصلاح دے دیا کرے مگر تم سمجھتے ہو کہ دھلی اعظم گڑھ ہے اور تمھارا باپ وھاں کا بھی حاکم ہے ۔ گر تمھارا یہی حال ہے تو دھلی میں رہنا تمھارے حق میں زبوں ہے ، میں اس کالج سے باز آیا؛ بلا سے انگریزی میرے یہاں عمدہ نہیں عربی تو ہے ۔ خط اصلاحی کو حسب عادت عجلت سے مت پڑھو بلکہ بہ غور ۔ غالب ہے کہ سوالات عربی کا جواب تم خوب سمجھ لو گے ۔

۲۰ - فروری ۱۸۸۶ء تحصیل نگر

سوالاتِ[2] عربی کا جواب

قالت ما علمت ان الارواح جنود مجندة ما

۱- ایسی بے ہودہ انگریزی پر خدا کی پھٹکار ۔

۲- ایک خط تو یہ اور دوسرا خط ۴۸ دونوں میں مولوی نذیر احمد صاحب کی تعلیم کا نمونہ موجود ہے کہ کیسی تحقیقات سے بیٹے کو پڑھانے اور آس کا پڑھنا چاھتے تھے۔ حقیقت میں اگر اس کاوش کے ساتھ ایک کتاب بھی پوری نکل جانے ، کافی ہے ۔

(موصولة ای الارواح التی) تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف ۔

یہ حدیث کی عبارت ہے ۔ یاد پڑتا ہے کہ شاید ''صحیح بخاری'' شریف میں نظر پڑی ۔ معنی یہ ہیں ''کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ روحیں فوجیں ہیں جمع کی گئی ، یعنی عالم ارواح میں روحوں کے گروہ کے گروہ اکٹھے ہیں ۔ آن میں سے جو متعارف یک دگر ہیں یعنی جن روحوں میں آس عالم ارواح کا تعارف ہے اور ایک دوسرے کی شناسا ہیں ، وہ اس دنیا میں بھی ایک دوسری سے آنس، آلفت کرتی ہیں اور جو روحیں بے گانہ اور اجنبی اور ناشناسا ہیں ، وہ یہاں بھی باخودھا اختلاف رکھتی ہیں اور ان میں برابر بگاڑ رہتا ہے'' حاصل مطلب یہ کہ دنیا میں جو ملاپ اور بگاڑ اور موافقت و مخالفت ہے وہ اثر و نتیجہ ہے روحی انس و نفرت کا ۔ ما تقصّر تریدان تاخذ مثّنی مثّرتین ۔ ما تقصّر صیغۂ واحد مذکر حاضر، مصدر تقصیر، بہ معنی 'کوتاہی کردن'۔ مصدر مجرد قصور ، یعنی تو آس میں کمی اور کوتاہی نہیں کرتا ۔ تیرا ارادہ یہ ہے کہ مجھ سے دو مرتبہ یعنی دوبارہ لے ۔

الیاب ، جمع ناب بہ معنی دندان نشتر، یعنی کُچلی ۔ عربی میں دانتوں کے چار نام ہے ؛ اوپر اور تلے کے اگلے دو دانت 'ثنایا'۔ اس کا مفرد ''ثنیّۃ''۔ ثنایا کے پہلو میں دونوں طرف اوپر تلے کے چار 'رباعیات' ؛ پھر ان کے پہلو میں 'الیاب' پھر 'اضراس' جمع ضرس، یعنی ڈاڑھ ۔ حقن دماً مهدورا ۔ حقن مصدر مجرد کے معنی ہیں باز داشتن از ریختن خون اور هدر کے معنی ہیں خون ریختن ۔ پس لفظی معنی ''حقن و ما مهدورا'' کے یہ ہیں کہ بچایا خون کو جو بیٹا گیا تھا ، اور مرادی معنی یہ ہیں کہ جاتی ہوئی جان بچائی ، یعنی اگر وہ نہ بچاتا تو وہ جان تلف ہو جاتی اور ضائع جاتی اور خون گرایا جا چکتا ۔

۹

یہ چٹھی تمھاری پہلی چٹھی سے بہتر ہے ۔ اس میں بھی تم نے اصلاح نہیں لی اور لکھنے کے بعد نظر ثانی بھی نہیں کی ۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ جملوں کے یاد کرنے پر متوجہ ہوے ؛ پس زبان دانی کی یہی تدبیر ہے ۔ تم صلوں اور روابط میں اکثر غلطی کرتے ہو ۔ اُردو میں کہتے ہیں 'میں نے اُس سے کہا' ۔ عربی میں ۔ 'قلتُ لہٗ' انگریزی میں 'آئی ٹولڈ ہم' یا 'آئی سیڈ ٹو ہم' ۔ دیکھو کتنے اختلافات ہیں ۔ روابط پر بہت خیال رکھو کہ کس فعل کے ساتھ ٹو[1] یا آوف یا فرام یا فار یا کیا صلہ لاتے ہیں ۔ یاد کرنے کو واقع میں نظم عمدہ چیز ہے لیکن یاد بھی ایسی کہ جب کسی نے کسی لفظ پر ٹوکا ، جھٹ سند پڑھ دی ۔ روابط تھوڑے ہیں مگر ورب[2] بہت ، لیکن خیال رکھو گے تو رفتہ رفتہ ذہن پر چڑھ جائیں گے ۔ گرامر تمھاری بہت خام ہے ۔ چاہے مدرسے میں تاکید ہو یا نہ ہو اُس کو درست کرو ورنہ بےگرامر زبان کا آنا معلوم ۔ اپنے تئیں میرے اوپر قیاس مت کرو ۔ برخوردارِ من! میں نے اتنا بھی بےمدد استاد[3] کیا

۱۔ تک ۔ کا ۔ سے ۔ لیے ۔ ۲۔ فعل

۳۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مولوی نذیر احمد نے کسی استاد سے انگریزی نہیں پڑھی اور ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی میں بی اے تک کی ان کی نظر میں وقعت نہیں؛ تو یہ واقعہ مولوی نذیر احمد صاحب کی کمال ذہانت کی دلیل ہے ۔ مولوی بشیر الدین احمد بیان کرتے تھے کہ دھلی کالج کے پرنسپل نے بہتیرا چاھا کہ مولوی نذیر احمد انگریزی پڑھیں مگر مولوی نذیر احمد کے والد نے اجازت نہ دی یہاں تک کہ غدر ۵۷ء کے بعد جب مولوی نذیراحمد الہ آباد میں مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر ہوئے تو عبداللہ خاں مرحوم امین عدالت کے مکان پر ٹھیرے ۔ وہ بڑے جید انگریزی دان تھے ۔ انہوں نے مولوی نذیراحمد

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۱)

تو بہت کیا اور سو بات کی ایک بات تو حاجت ہے - مجھ کو اب کیا ضرورت ہے کہ اپنا سر خالی کروں ، لیکن اگر آج کوئی مجھ کو یقین کرا دے کہ بی اے کا درجہ حاصل کرنے سے میری تنخواہ چھ سو ہو جائے گی تو خیر اب بھی امتحان دینے کو موجود ہو جاؤں -

دھلی میں تمہارے لکھنے کا سامان درست نہیں - ہندوستانی روشنائی سے انگریزی کو ٹرخاتے ہو ، خط بگڑتا ہے - خوش خطی بھی عجب ہنر ہے ، خواہ مخواہ اچھا خط دل کو بھلا لگتا ہے - اگر کالج میں خط کو درست نہ کرو تو خیر بگڑنے دینا بھی عقل کی بات نہیں - چندے بنا کر ہاتھ روک کر لکھو ، پھر تو گھسیٹ بھی اچھی ہوگی -

بشیر! افسوس اگر تم نے عربی نہ پڑھی ، عجیب چیز ہے - نرے[۲] انگریزی دان جہاں دیکھے بے تمیز اور مبہوت ، نہ اپنی کہہ سکیں اور نہ دوسرے کی سمجھیں -

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

سے عربی شروع کی اور اس کے معاوضے میں مولوی صاحب کو انگریزی کی ترغیب دی - مولوی صاحب اکثر دورے میں رہتے ، جب صدر مقام الہ آباد کو آتے تو خان صاحب سے تصحیح الفاظ کر لیتے اور رومن ڈکشنری کی مدد سے خود استنباط مطلب کر لیا کرتے - دو برس میں انگریزی اخبار سمجھنے لگے -

۲- مولوی نذیر احمد صاحب بیٹے کا نرا انگریزی دان ہونا پسند نہیں کرتے ان کی یہ رائے ہے ''نرے انگریزی دان بے تمیز اور مبہوت ہوتے ہیں'' اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو فی الواقع ہندوستانی نرا انگریزی دان ہندوستانی سوسائٹی میں بے تمیز اور مبہوت دونوں ہوتا ہے ، کیوں کہ اس نے نہ تو اپنی سوسائٹی کا ادب قاعدہ سیکھا ، نہ اپنی سوسائٹی کے قاعدے کی آس کے نزدیک کچھ قدر و وقعت ہے - وہ اپنی سوسائٹی کی چیز کو حقارت کی آنکھ

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۲)

میں تم کو انگریزی کی اصلاح کے لیے تاکید کرتا ہوں کہ تمھاری استعداد کو جلد ترقی ہوگی اور خط لکھنے کے بہانے ایک بڑا کام نکل جائے گا ۔ تم مجھے خط لکھنے کا ایک معمول باندھو ۔ ہفتے میں دو خط ؛ ایک انگریزی مگر اصلاحی خوش خط ، نظر ثانی کیا ہوا ، اور دوسرا عربی ۔

بشیر ! تمھاری کیا رائے ہے ۔ تم کو کالج میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے یا یہاں میرے پاس زیادہ تھا ؟

۱۰

یہ چٹھی بھی اچھی ہے مگر میں نے پھر بھی اصلاح دی ۔ مسٹر 'لو' میرے ایک بڑے مہربان حال تھے اور اوائل میں میری چٹھیوں میں اصلاح دیا کرتے تھے ۔ اب تک آن کی بعض اصلاحی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ے دیکھتا ہے ، حتٰی کہ اپنی مادری زبان کی تکمیل اور تہذیب کی طرف بھی اس نے مطلق توجہ نہیں کی ۔ اس کو اپنی زبان میں استدلال و مناظرہ کی قدرت نہیں ، وہ ایک خیال کو بھی اپنی خالص بولی میں ادا نہیں کرسکتا ۔ وہ اپنی زبان کو اس طرح اٹک اٹک کر اور رک رک کر ادا کرتا ہے کہ جس طرح مکتب کا سٹی بھولا ہوا لڑکا سبق سناتا ہے ۔ زور اور فصاحت کا کیا مذکور ہے ، اس کی گفتگو میں نہ روانی ہے ، نہ سلاست ، نہ برجستگی ، نہ شگفتگی ۔ اس کے سر میں شاید معلومات مفید کے جواہر بھرے ہیں مگر اس کے منہ پر مہر لگی ہے کہ وہی ایک رستہ ان موتیوں کے باہر نکالنے کا ہے ۔ کیا مشکل ہے کہ انگریزی نہ پڑھیں تو ٹکڑوں کو محتاج پڑے پھریں ، اپنے علوم نہ سیکھیں تو بے تمیز ، مبہوت سمجھے جائیں اور دونوں کا حوصلہ کریں تو اتنا وقت نہیں ۔

ذکر خدا و عشق بتاں ، یاد رفتگاں
دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

غرض انگریزی عمل‌داری میں ہندوستانی بھلے‌آدمیوں کی مٹی ہی پلید ہے؟ یہ اونٹ کبھی ایک کروٹ بیٹھ بھی چکے ۔

چٹھیاں میرے پاس ہیں - 'لو' صاحب بورڈ کے سکرٹری اور میور صاحب کے داماد تھے - اُن کی نصیحت تھی کہ چھوٹے چھوٹے جملے لکھا کرو، جن میں کوئی لفظ فضول نہ ہو اور جو لفظ ہو مانوس اور کثیر الاستعمال - دیکھو تمھاری چٹھی میں جو لفظ میں نے قلم زد کیے، فضول ہیں کہ بے اُن کے بھی کام چل سکتا ہے - اصلاح کے لیے - - - کے پاس چٹھی کا بھیج دینا کیا معنی؟ اصلاح رُو در رُو ہونی چاہیے کہ جو لفظ بنایا جائے اس کی وجہ زبانی پوچھ لو، بوسہ بہ پیام[1] - اصلاحِ چٹھی کے لیے تم اپنا کوئی ماسٹر کیوں نہیں تجویز کرتے؟ مجھ کو - - - کی انگریزی میں تامّل ہے؛ شاید میری رائے بر سر غلط ہو ''خاک[2] از تودۂ کلاں بردار'' -

بشیر! بہت کچھ اپنے واسطے پڑھو لیکن خدا کے لیے عربی میری خاطر سے - اگر تم کو زیادہ فرصت نہ ہو تو اتنا تو کرو کہ مناسبتِ عربی باقی رہے - تھوڑا تھوڑا بھی کرتے رہو گے تو چند روز میں ایک ذخیرہ ہو جائے گا؛ ورق اور صفحہ نہیں تو دو سطر، ایک سطر؛ دن اور گھنٹہ نہیں تو منٹ[3] یا سکنڈ - ''مفتاح الادب[4]'' کو خوب سمجھ کر ابھی سے یاد کر چلو ورنہ وہ تمھارے بس میں آنے والی نہیں -

---

۱- فارسی کا یہ ایک محاورہ ہے یعنی جس طرح 'بوسہ بہ پیام' امکان وقوع نہیں رکھتا اسی طرح اصلاح بہ دون مواجہ و مشافہ کے نہیں دی جا سکتی - غرض یہ ہے کہ اصلاح غائبانہ مبتدی کے حق میں مفید نہیں -

۲- مٹی اٹھاؤ تو بڑے ڈھیر سے - مراد یہ ہے کہ علم حاصل کرو تو استاد کامل سے -

۳- گھنٹے کا ساٹھواں حصہ منٹ اور منٹ کا ساٹھواں حصہ سکنڈ -

۴- عربی قواعد صرف و نحو کی ایک کتاب مدارس کے مصرف کی -

۱۱

میاں سبحان بخش[۱]

و علیکم السلام ۔ الحمد اللہ علی العافیہ[۲]۔ مجھ کو امید ہے کہ تم خوش دلی کے ساتھ رہو گے اور اگر تمھاری مدد سے میاں بشیر علم حاصل کریں تو یہ ایک ایسا احسان مجھ پر کرو گے جس کی تلافی سوائے شکرگزاری میرے پاس کچھ نہیں ''علم شے بہہ از جہل شے'' اگر بھلا بھلا کر بشیر کو فارسی پڑھاؤ تو وہ بھی خالی از منفعت نہیں ۔ بشیر کے عادات و اخلاق کی زیادہ نگرانی رکھو کیوں کہ دنیا اور دین دونوں کی درستی عادات کی درستی پر موقوف ہے ۔ والسلام

۱۲

بیوی[۳] صاحب کو سلام کے بعد معلوم ہو، اس خط میں ایک

۱- مولوی نذیر احمد صاحب جب ضلع کانپور میں تحصیل دار تھے تو اس شخص کو بشیرالدین احمد کے کھلانے کے لیے نوکر رکھ لیا تھا ، جب کہ وہ شیرخوار تھے اور یہ شخص بھی سات آٹھ برس کا ہوگا ؛ پھر یہ شخص برابر بشیرالدین کی رفاقت میں رہا ۔ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے :

سگ اصحاب کہف روزے چند ۔ پئے نیکاں گرفت مردم شد

یہ شخص پڑھ لکھ کر مولوی ہوا اور اب وعظ گوئی سے اپنی معاش پیدا کرتا ہے ۔ اس کے ساتھ کا ایک لڑکا جو اوونی (شہر کا نام ہے) میں رکھا گیا، وہ حیدر آباد کے علاقے میں تیس چالیس کا منشی ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ مولوی نذیر احمد صاحب کے یہاں نوکروں سے صرف خدمت ہی نہیں لی جاتی بلکہ ان کی تعلیم اور اصلاح حالت پر بھی نظر رہتی ہے ۔ ان کا یہ نمونہ واجب التقلید ہے ۔

۲- عافیت پر خدا کی ستائش ہے ۔

۳- والدہ بشیرالدین احمد کو نوکر چاکر اندر باہر ''بیوی صاحب'' کہا کرتے تھے۔ ہوتے ہوتے 'بیوی صاحب' ان کا علم ہو گیا ، اب خاندان کے چھوٹے بڑے سب ان کا یہی نام لیتے ہیں ۔

پرچہ ۔۔۔۔ صاحب کے خط کا ملفوف ہے ۔ جس قدر متعلقِ مطلب نہ تھا اس کو میں نے سرخی سے قلم زد کر دیا ہے ۔ خط عبارت فارسی میں ہے لیکن وہ فارسی ایسی ہے کہ تم اس کو بہ آسانی سمجھو گی ۔۔۔۔ صاحب اور بیگم صاحب دونوں کو اب تک منظور ہے ، تم نے بات[1] کو کھٹائی میں ڈال رکھا ہے ! اگر تم کو دلّی میں اچھی جگہ ملتی ہے ، دیر کیوں کر رہی ہو ، ورنہ باہر تو ۔۔۔۔ کی بات صاحب مجھ کو بہت پسند ہے ۔ اب تم سے کوئی امر مخفی نہیں ۔ صورت ، ہنر ، عادت وغیرہ جتنے امور قابل لحاظ ہیں سب تم کو معلوم ہیں ۔ پس صلاح و مشورہ کر کے رائے کو یک سُو کر چکو ، مگر یہ بھی سمجھ لو کہ یوں تو رہنا جانا بہ اختیار خدا ہے لیکن بہ نظر ظاہر کوئی امید اس ضلع میں میرے رہنے کی نہیں معلوم دیتی ، بہت رہا تو گرمی بھر ۔

آخر صاحب زادۂ بلند اقبال نے عربی کو بالائے طاق رکھ دیا ۔ میری دو برس کی محنت پر پانی پھرنا چاہتا ہے ۔ کیا اگر آدھ گھنٹہ یا پاؤ گھنٹہ ہر روز یا ہفتے میں دوبار یا تعطیل کے دن بشیر عربی پر صرف کرے تو کچھ مشکل ہے ؟ مگر نہ کرنا منظور ہو تو سو حیلے اور ہزار بہانے ۔ میں بھی کالج میں پڑھتا تھا اور یہ سب آفتیں تھیں مگر باہر کا سبق ناغہ نہ ہونے دیا ۔ بہ ہر کیف ایسا انتظام کرو کہ میاں بشیر پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنے پائیں ۔
یکم مارچ ، ۱۸۷۶ء

۱۳

بشیر ! میں تمہارا عربی خط دیکھ کر بہت خوش ہوا ۔ شاباش ! شاباش ! اس تحقیق سے اگر پچاس سبق ہو جائیں تو کیا

۱۔ مولوی بشیرالدین احمد کی منگنی کی بات چیت مراد ہے ۔

کہنا ہے ، بس اکسیر سمجھو ۔ میں نے دو گھنٹے کی محنت میں تمھارے خط کو درست کیا ۔ مہربانی کر کے اُس کا کوئی نقطہ چھوڑ مت دینا ۔ جس لفظ کی تم سند نہ پاؤ یا تسکین نہ ہو ، اس کو مولوی ۔۔۔۔ یا ۔۔۔۔ صاحب سے حل کر لو ۔ بات بات میں حجت مگر معقول ، شرطِ طالب العلمی ہے ۔ یہی تحقیق ہر زبان اور ہر فن میں پیش نظر رہے تو بشیرا اس طرح پر ایک یا دو برس کا پڑھنا کافی ہے ۔ بشیر ! صاف لکھو کہ تم اپنی جماعت میں اول نمبر کے لڑکے گنے جاتے ہو یا کسی مضمون میں کوئی لڑکا تم سے بھی اول ہے ؟ تو محنت کر کے اُس کے برابر ہو جاؤ ۔ کھیلتے کھیلتے سبحان بخش سے ذرا سی فارسی بھی کبھی[1] دیکھ لیا کرو ، آخر ایک چیز ہے ۔ ۳- مارچ ، ۱۸۷٦ء

۱۴

ایک ہفتے سے تمھارا خط بند ہے ۔ جو شخص تمھاری طرح ایسے مکان میں رہتا ہو کہ وہاں سارے سارے دن کان پڑی آواز نہ سن پڑے ، اُس کو اس بات کا یقین کرانا سخت مشکل ہے کہ دنیا میں لوگ خط کے منتظر بھی رہا کرتے ہیں ۔

بشیر ! گو تم کو اس قدر تحصیل علم کا شوق نہ ہو جس قدر اقتضائے حالات زمانہ ہونا چاہیے ، یا جس قدر میں چاہتا ہوں کہ ہوتا ؛ ہم میں کیا ، جو تم کو جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم سمجھ دار ہو اور اسی سمجھ کے بھروسے پر میں تم کو یہ خط لکھتا ہوں ۔ شرم و حیا شرطِ ادب و جوہر شرافت ہے لیکن شرم تین قسم کی ہے : شرعی ، عقلی ، عرفی ۔ شادی بیاہ کے بارے میں جو شرم لوگ کیا کرتے ہیں ، وہ نہ شرعی ہے ، نہ عقلی بلکہ محض عرف یعنی راہ و رسمِ دنیا کی پابندی ہے ۔ تم کپڑا اور کتاب اور کھانا ، یہاں تک

۱- فارسی کی طرف سے کیا بے رخی اور بے مبالاتی ہے ۔

کہ ٹوپی اور جوتی ، یعنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں میں ہمیشہ اپنی ذاتی رائے کامل آزادی اور بے باکی کے ساتھ ظاہر کیا کرتے ہو ۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ایسے امر اہم کی نسبت جس پر تمہارے دین و دنیا کا بنا و بگاڑ منحصر ہے ، تم سے رائے نہ طلب کی جائے۔ تم شاید یہ حیلہ کروگے کہ یہ معاملہ مشکل ہے اور مجھ میں ایسے امور عظیمہ کی نسبت رائے دینے کی قابلیت نہیں ؛ سچ ہے رائے طلب کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تمہاری رائے پر عمل بھی کیا جائے بلکہ صرف اتنی غرض ہے کہ تمہاری طبیعت کا رجحان اور میلان دریافت ہو ۔ میں تمہارے بیاہ کی نسبت مستعجل ہوں ۔

- - - - کے یہاں جو تذکرہ ہوا تھا ، تم کو معلوم ہے ؛ ان کو بھی انکار نہیں اور جب اصل سخن میں اتفاق ہے تو چھوٹے اختلافات مہر وغیرہ کے رفع ہو جائیں گے ۔ دہلی میں جہاں اس کی گفت و شنود ہو ، وہاں کے حالات تم کو بہ آسانی معلوم ہو سکتے ہیں ۔ پس تم اپنی رائے بھی ظاہر کرو کہ تم کو کیا منظور ہے اور کس جگہ تعلق پیدا کرنا پسند ہے ۔ برخوردار ! یہ شرم کی بات نہیں ہے ؛ انسان کی خلقت اسی طرح کی ہے کہ مرد اور عورت میں مخالطت ہو اور اُن کی نسل چلے ۔ تم خیال کرو کہ اگر بے شرمی کی بات ہوتی تو میں کیوں پوچھتا ۔ میرا بہ اصرار پوچھنا اس کی دلیل ہے کہ تم کو اپنی رائے ظاہر کرنے میں مضائقہ نہیں کرنا چاہیے ۔ اگر تم کو لوگوں کا خیال ہے تو اپنی رائے کو اعلان کے ساتھ مت ظاہر کرو ۔ اپنی ماں کے کان میں کہہ دو یا اپنی بہنوں سے بیان کرو یا مجھ کو لکھ بھیجو یا لکھوا بھیجو ۔

- - - - صاحب کے خطوط برابر چلے آتے ہیں ۔ ایک پرچہ جس میں اُن کا معمولی لفظ ''ماہیٔ بے آب'' ہے ، تمہارے ہنسنے کو بھیجتا ہوں ۔ اس پرچے سے بھی اُن کی گرویدگی ظاہر ہوگی ۔

بیٹی والا اس سے زیادہ کیا کرے گا ۔ تم لوگوں نے بے چارے کو دبدھے میں ڈال رکھا ھے ، بات کو یک سُو کر چکو ۔ بھئی سنو! دُوری پر جو کچھ اعتراض کرو، تم کو دھلی میں ایسا گھر نہیں ملے گا اور اس منت و زاری کے ساتھ اور اگر ملے تو چشمِ ما¹ روشن و دلِ ما شاد ۔

۔۔۔۔ صاحب مجھ کو ھر خط میں ملامت لکھتے ھیں کہ تو نے میاں بشیر کو ناحق چھوڑا ، تجھ سے بہتر آن کو پڑھانے والا نہیں ملے گا ۔ میں ھمیشہ آن کو سمجھاتا ھوں کہ انگریزی میں میاں بشیر بڑا فائدہ اٹھا رھے ھیں ۔ سو بشیر ! مجھ کو شرمندہ مت کرنا ۔۔۔ اور ۔۔۔ کے لیے ۔۔۔ صاحب نے بڑی سرگرمی کے ساتھ اہتمام کیا ھے ۔۔۔ اور ۔۔۔ دونوں کو نوکر رکھ لیا ھے ۔ حق یہ ھے کہ بے چارہ بڑی ھمت کرتا ھے اور اس وقت تک تعلیم بھی عمدہ ھو رھی ھے ۔ سچ کہا ھے ''بدیا کرتے کی'' یعنی علم آس کا جو محنت کرے ۔ انگریزی بولنے کا کیا حال ھے ؟ تم کو خود بھی تو حال و سابق میں تفرقہ محسوس ھوتا ھوگا ۔۔۔ تھرڈ کلاس ² میں ھے ۔۔۔ مشن اسکول میں پڑھتا ھے ؛ غرض ھر طرف اور ھر جگہ لوگ کچھ کر رھے ھیں ۔ ع

فکر ھر کس بہ قدر ھمت اوست

اس ضلع سے علی گڑھ میں بھی بہت سے لڑکے گئے ھیں اور چلے جاتے ھیں ۔ علی گڑھ کی کیا تخصیص ھے ، شوق ھو تو دیہاتی مکتب آکسفورڈ³ اور کیمبرج کی یونیورسٹی کا حکم رکھتے ھیں ۔

۸ ۔ مارچ ، ۱۸۷۶ء

۱۔ آنکھ ھاری روشن اور دل ھارا خوش ، یعنی ازیں چہ بہتر ۔
۲۔ تیسری جاعت ۔
۳۔ آکسفورڈ اور کیمبرج انگلستان کے دو بڑے دارالعلوم ھیں ۔

۱۵

خط فارسی تمھارا پہنچا ۔ میں تم کو خود چند بار فارسی کی طرف متوجہ کر چکا ہوں ۔ اس میں کیا شک ہے کہ اُردو سے فارسی بہ مدارج بہتر ہے ۔ اتنی بات سمجھ لو کہ انگریزی ، عربی ، فارسی یہ سب دوسرے ملکوں کی زبانیں ہیں ۔ ہم کو من حیث المعاشرۃ[۱] اپنی اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان درکار نہیں ، لیکن اُردو ابھی حالت طفلی میں ہے، یعنی کُلّھا ڈھائی تین سو برس اس کو پیدا ہوئے گزرے ہوں گے ۔ میر تقی اور سودا کے اشعار میں بھی بہت سے الفاظ عجیب پائے جاتے ہیں جو اب متروک و مہجور[۲] ہیں جیسے 'جاگھہ' بجائے 'جگہ' ۔ 'ستی' بجائے 'سے' ۔ 'آئیاں' بجائے 'آئیں' وغیرہ ۔ شروع میں بھاکا کے الفاظ اُردو میں اس قدر کثرت سے تھے کہ ابتدائی اُردو کا ایک جملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا ۔ سب سے پہلا اُردو یعنی ریختہ گو ولی تھا ، اس کے اشعار سنو تو ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ لیکن یوماً فیوماً اُردو کی تہذیب ہوتی گئی ، یہاں تک کہ میر تقی نے ایسا ریختہ کہا کہ فارسی کو مات کیا ، سودا آن کا ہم عصر تھا ؛ زاں بعد ناسخ و آتش کا زمانہ ہوا تو ان کی بولی اور بھی صاف ہے ۔ اب آخر میں شیخ ابراہیم ذوق ، حکیم مومن ، میرزا غالب اور دبیر و انیس لکھنوی نے تو اُردو کو خوب ہی رونق دی ۔ انگریز کبھی کبھی کچھ توجہ کرتے ہیں کہ اُردو کو رونق ہو مگر یہ سیکڑوں برس کے کام ہیں ۔ غرض اُردو میں افسوس ہے کہ علم نہیں اور بولی ٹھولی کا بھی وہ لطف نہیں جو عربی فارسی میں ہے ۔ بشیر ! عربی کا جب تم کو مزا ملے گا تو

۱۔ بہ لحاظ معاشرت ۔

۲۔ متروک و مہجور مترادف ہیں ۔

یقین و باور کرو آدمی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم کو میں نے دیکھا کہ بہ ایں وقار مجمع امتحان میں انگریزوں کے رو برو گانے لگتے تھے ۔ علم اور لطف زبان کی جُستجو میں ہم دوسری زبانوں کے حاجت مند ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نری اُردو سے کام نہیں چلتا اور چارو ناچار دوسری زبان سیکھنی پڑتی ہے ۔ اب دوسری زبان کون سی اختیار کی جائے جس کے ذریعے سے علم حاصل ہو اور بولی کا مزا ملے، سو برخوردار ! وہ زبان انگریزی ہے ''کلام الملک ملک الکلام [1]'' انگریزوں کی جست و جو، انگریزوں کی تلاش و محنت اس درجے کی ہے کہ کسی قوم نے اس صفت میں ان کی ہمسری نہیں کی ۔ اب انگریزی کا یہ حال ہے کہ گنجینۂ علوم ہے ۔ یونانی اور عربی اور عبرانی اور سنسکرت اور لیٹن [2] وغیرہ میں جو ذخیرے تھے، انگریزوں نے سب اپنی زبان میں جمع کر لیے ۔ اب یہ عجیب بات دیکھی جاتی ہے کہ اصلی زبان میں ان علوم کا پتا نہیں ۔ مثلاً جبر و مقابلہ فی‌الاصل عربی میں تھا ۔ اس کا نام الجبرا [3] اس کا گواہ ہے ۔ انگریزوں میں کوڑیوں [4] جبرو مقابلے ہیں ۔ عربی میں مجھ کو تو آج تک کوئی رسالہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اور غالب ہے کہ مصر و روم میں بھی ہوں گے تو اب انگریزی کتابوں کے ترجمے ہوں گے، اصلی کتابیں معدوم اور مفقود ۔ اس سے قطع نظر انگریزی زبانِ حکّام وقت ہے ۔ اگر اس میں

۱۔ بادشاہ کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے ۔
۲۔ زبان لاطینی ۔
۳۔ ناموں پر الف لام کا داخل ہونا اس کی شناخت ہے کہ یہ لفظ عربی‌الاصل ہے ۔
۴۔ جس طرح ۱۲ کی درجن اسی طرح ۲۰ کی کوڑی ۔

علوم نہ بھی ہوتے تو اس کا زبانِ حکامِ وقت ہونا کافی تھا کیوں کہ اس صورت میں وہ ذریعۂ رسائی ہے ۔ غرض جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہے ، سب سے مقدم انگریزی ، اس کے بعد عربی ، اس لیے کہ وہ کلاسکل ہے ۔ فصاحت اور بلاغت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عربی شعار اسلام ہے ۔ میرے نزدیک جو مسلمان[1] عربی نہیں جانتا وہ نام کا مسلمان ہے ۔ سب کے

۱- سچ تو ہے ؛ قرآن عربی ، حدیث عربی نماز اور آخرکار ان شاء اللہ جنت میں بھی عربی ہی بولتی ہوگی ۔ تو جو عربی نہیں جانتا وہ مسلمان کاہے کا ۔ اس میں ذرا سا بھی شک نہیں کہ بے عربی جانے آدمی قرآن سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتا ۔ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ نظم قرآن معجز ہے ۔ اس معجزے کی تصدیق بہ دون عربی کے کیوں کر ہوسکتی ہے ۔ عربی بے شبہ دوسرے ملک کی زبان ہے اور اس کا سیکھنا بھی اشکال سے خالی نہیں مگر فی الواقع وہ اتنی مشکل نہیں جس قدر لوگوں کی بے تدبیروں نے اس کو مشکل بنا رکھا ہے ؛ اوسط درجے کے ذہن کا آدمی اوسط درجے کی محنت کرے تو دو برس میں اچھی خاصی طرح عربی عبارت کے پڑھ لینے پر قادر ہو سکتا ہے ، بہ شرطے کہ صرف و نحو کے سیدھے سیدھے مسئلے سیکھنا چاہے اور مولویوں کی منطقانہ کٹھ حجتی سے قطع نظر کرے ۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے خطوط میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ انہوں نے بیٹے کو اردو زبان میں عربی کی صرف و نحو پڑھائی اور دو برس میں مولوی بشیرالدین احمد عبارت عربی کے پڑھ لینے پر قادر ہو گئے اور قرآن کے معنی سمجھنے لگے، لیکن یہ ایک سخت مصیبت ہے کہ لوگ پرانی طرز تعلیم کو بدلنا نہیں چاہتے ، نتیجہ یہ ہے کہ صرف و نحو کی مشکلات دیکھ کر لوگ عربی کے سیکھنے کا حوصلہ نہیں کرتے اور زبان عربی ہے کہ خود مسلمانوں میں سے مٹی چلی جاتی ہے ۔ اگر چندے یہی حال رہا تو عن قریب وہ وقت آ جائے گا کہ لوگ الحمد کی جگہ الجمد اور المخمد پڑھنے لگیں گے اور اس پر لڑیں گے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۲)

بعد فارسی ، وہ بھی اس وجه سے که ھماری آردو میں فارسی کی ترکیبیں بہت ھیں اور فارسی کے به دون تکمیل آردو ممکن نہیں ۔ حاصل کلام فارسی کو اتنا دیکھو که اصل مطلب فوت نه ھو ۔ یه کون کہے که فارسی کچھ نہیں ”علمِ شے بہ از جہلِ شے“ اگر کسی کو موقع ملے تو اس کو سنسکرت اور ترکی اور پشتو اور چینی زبانوں کا سیکھنا تضیع اوقات سے بہتر ہے ۔ تم تکمیلِ انگریزی پر اپنی تمام همت صرف کرو ، فارسی کو لہو و لعب کے عوض رکھو لیکن فارسی میں ھزاروں الفاظ عربی کے ھیں ، آن کو نظر انداز مت کرو ؛ تحقیق عجب چیز ہے ، جو کرو تحقیق کے ساتھ کرو ۔

(بقیه حاشیه صفحه گزشته)
عربی کو هندو یا عیسائی یا پارسی تو سنبھالنے سے رہے ، هندوستان کی ملکی زبان یه نہیں ۔ دنیا کا کوئی کام اس پر بند نہیں ۔ پس هندوستان میں عربی کے سنبھلنے کی صرف ایک ھی صورت ہے که مسلمان به تقاضائے مذھب اس کی حمایت اور رعایت کریں۔ اب مسلمان اتنی بات خود سوچ سکتے ھیں ۔ ان کی موجودہ بے توجہی پر عربی ٹھہر بھی سکتی ہے یا نہیں ۔ ھمارے سمجھنے میں تو عربی گئی اور ایسی گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ ۔ مسلمان درگور، مسلمانی درکتاب ، انا لله و ان الیه راجعون ۔ اول تو ھمارے نزدیک عربی کچھ ایسی مشکل نہیں اور فرض کیا مشکل ہے بھی تو اے بندگان خدا ! دنیا کے لیے کیسی کیسی زحمتیں آٹھاتے ھو ۔ انگریزی پڑھتے ھو ، قانون یاد کرتے ھو اور ھزاروں طرح کے ناچ ناچتے ھو ۔ یارو عربی کو دین کے لیے ، خدا رسول کے لیے ، اپنی عاقبت کے لیے سنبھالے رھو ۔ عربی گئی (اور اب اس کے جانے میں کسر ھی کیا رہ گئی ہے) تو سمجھو که دین گیا اور دین و ایمان کے ساتھ دنیاوی فخر و امتیاز بھی گیا ۔کس منه سے کہو گے ”ھمارا قرآن ، ھماری کلاسکل لینگویج ، ھماری فصاحت ، ھماری بلاغت ، ھمارا ادب“ ۔ و فی ذالک فلیتنافس المتنافسون ۔

اصلاح کے متعلق یہ بات ہے کہ مبتدی مثل اُس لڑکے کے ہے جو چلنا سیکھتا ہے اور اصلاح دھندہ اس کو چلنا سکھاتا ہے۔ ہم لوگ بچوں کو انگلی پکڑا دیتے ہیں لیکن چلنے کا سارا بوجھ لڑکے پر ڈالتے ہیں، مگر فرض کرو کہ بہ جائے انگلی پکڑا دینے کے ہم لڑکے کو بٹھا دیں اور خود دوڑے دوڑے پھریں تو اس سے لڑکے کو کیا فائدہ ہوگا۔ اصلاح دھندہ اگر خود ساری عبارت لکھ دے تو اس سے مبتدی کو کچھ نفع نہیں۔ بڑی اصلاح شوق ہے، جی کو لگی ہوتی ہے تو آدمی وہ نکالتا ہے جو استاد کو نہ سوجھے۔

---- کہاں ہیں اور چوری الہ آباد میں ہوئی یا پھول پور میں؟ میں نے اس غرض سے پوچھا کہ شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔ اگرچہ اصل مدد خدا کی چاہیے لیکن قرابت مندی اسی دن کے لیے ہوتی ہے۔ سالی اور بہن لفظ دو ہیں اور معنی واحد ---- کے مجھ پر بھی حقوق ہیں اور مجھ کو اُن کی مصیبت سے رنج ہوتا ہے۔

یہ تو طے ہوگیا کہ بندوبست میں واں صاحب رہیں اور مجھ کو ضلع ملے۔ علی گڑھ کا نام سن کر بورڈ نے کہا کہ نذیر احمد بڑا ہی خوش نصیب ہے، اُس کو بے نمبر ترقی ملی؛ اب کیا ضرور ہے کہ ضلع بھی اُس کو اسی کی تعین سے ملے۔ غرض جواب صاف۔ ع

یہ راحت ملی ایسی محنت کے بعد

میں علی گڑھ کو لے کر کیا بھاڑ میں ڈالتا۔ بہ خدا صرف تمہارے لیے کہ تم کسی طرح پڑھو۔ بشیر! اگر تم چار پانچ برس لگ لپٹ کر محنت کر ڈالو تو کچھ بات نہیں؛ پھر

ان شاء اللہ ساری عمر اس محنت کا فائدہ اٹھایا کرو گے ۔ میں نے جس بے سر و سامانی سے پڑھا ، تمھاری ماں اس کی گواہ ہیں ؛ انھی سے پوچھو کہ مجھ کو اطمینان سے سونا حرام تھا ۔ یہ محنت ایک حیلہ ہو گئی اور خدا نے مجھ کو افلاس اور بے توقیری کے عذاب سے نجات دی ۔ تم بھی تو کبھی اپنی حالت کو میری اُس حالت سے مقابلہ کیا کرو ۔ اب جو میں سست اور کاہل ہوگیا ہوں تو اس وجہ سے کہ کوئی اختیاری تدبیر باقی نہیں ورنہ اس پیری میں بھی میری کتاب بینی جوان ہے ۔ بار بار امتحانِ وکالت کو جی للچاتا ہے لیکن بیس برس کی خدمت اور تعزّز پر نظر کر کے ہمت قصور کرتی ہے ۔ اب جو مجھ سے رہ گیا ہے تم کرو ۔ ع

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

انگریزی کا انتظام ابھی خاطر خواہ تم نے نہیں کیا ، گرامر کے قواعد مستحفظ ہوں اور جو پڑھو سو ازبر ۔ اصلاح دینے والا کوئی آدمی با استعداد ہو اور ہر وقت ایک دھن لگی رہے ؛ تب جانو کہ انگریزی آئی اور انگریزی کی کیا تخصیص ہے ، ہر علم کا یہی حال ہے ۔

لفظ 'اُس' اور 'اِس' کی بابت میں تم کو لکھنے والا تھا ۔ حرکات بالحروف اُردو میں نہیں تو 'اُوس' بالواو کیوں ہو اور 'اُوس' ہو تو اس کی جگہ 'ایس' کیوں نہ ہو، اسی طرح 'اُٹھانا' وغیرہ ، لیکن ایک غلط دستور واؤ لکھنے کا رواج پا گیا ہے ؛ تم چاہو دستور غلط کی تقلید کرو یا پابند صحت ہو کر ترکِ واؤ کا التزام رکھو ۔

۲۱- مارچ ، ۱۸۷۶ء

۱۶

تمھارے[1] خط کو جس میں تم نے ---- صاحب کے خاندان کی نسبت اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے، میں نے بہت خوشی سے پڑھا۔ شاباش! آزادی اور معقول پسندی اسی کا نام ہے۔ مجھ کو بھی تمھاری رائے سے اتفاق ہے اور بات ابھی لگا رکھی ہے اور چوں کہ یقیناً ---- صاحب کو تم سا آدمی مل نہیں سکتا، ہم کو عجلت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب تک ہماری طرف سے جواب صاف نہ ہو، وہ لڑکی کہیں جا نہیں سکتی، لیکن ایسے معاملات میں جملہ اطراف و جوانب پر نظر کرنی ہوتی ہے ---- صاحب کے گھر کا دستور کچھ عجب طرح کا ہے۔ نو برس ہوئے کہ زن و شو میں

۱۔ مولوی نذیر احمد صاحب کا طریق عمل دانش مندانہ اور اس قابل ہے کہ ہمارے ملک کا ہر ایک باپ اس کو اختیار کرے۔ مذہب اسلام میں تو سبھی کچھ ہے، ایجاب و قبول بھی ہے، پسند و انتخاب بھی ہے، رضامندی بھی ہے مگر وہی مثل ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ یہ ساری باتیں کتابوں میں لکھنے کے لیے ہیں، دخل درآمد میں کہیں ان کا سان گمان بھی نہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے با اصرار بیٹے کو اظہار رائے پر مجبور کیا (دیکھو خط ۱۴) نوجوان بیٹا بہ قول سعدی۔

در ایام جوانی چناں کہ افتد و دانی

حسن صورت پر ریجھا تو مولوی نذیر احمد صاحب نے سمجھا کر بیٹے کی شورش کو فرو کیا کہ یہ تعلق مرنے بھرنے کا ہے۔ حسن صورت کے علاوہ دین داری، ہنر مندی، نیک دلی، اطاعت شعاری بہت سی باتیں جمع ہوں تو راحت کی توقع کی جائے۔ آخرکار مولوی نذیر احمد صاحب نے بڑی چھان بین کے بعد بیٹے کو مولوی حاجی نواب قطب الدین خاں مرحوم کے یہاں بیاہا اور جس طرح بیٹے کی تعلیم میں اہتمام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اسی طرح ان کے لیے بہتر دلہن کے بہم پہنچانے میں حق سعی ادا کیا۔

کچھ تعلق نہیں ۔ اس کا اثر آن کی اولاد پر بہت ہی زبون ہو رہا ہے ۔ آن کو نہیں دکھایا جاتا کہ تعلق زن شوئی کیا ہے اور اس تعلق سے کیسے کیسے حقوق ایک کے دوسرے پر ثابت ہوتے ہیں ۔ آن کی طرز ماند و بود ہماری طرز ماند و بود سے اس قدر مختلف ہے کہ جو آن کے یہاں ہنر ہے ، آس کو ہم لوگ عیب سمجھتے ہیں ۔ ع

آں چہ فخر تست در گفتار آں ننگ من ست

یہی بے تعلقی اگر خدا نہ خواستہ ہمارے یہاں ہو تو گھر ایک دم نہ چلے ۔ ضرور ہے کہ مفارقت ہو جائے ؛ پھر صورتوں کا سوچ بچار غضب ہے ۔ آن کو نہ صرف اپنی صورتوں پر ناز ہے بلکہ دنیا کو بد صورت سمجھتے اور بد صورتوں سے نفرت قلبی رکھتے ہیں ۔ جب مزاج کی یہ کیفیت ہو تو واقع میں ایک دن کا نباہ نظر نہیں آتا ۔ مہر وہ ایک کوڑی نہیں گھٹائیں گے ۔ سمسن[1] صاحب بے چارے تو تخفیف مصارف شادی کی فکر میں تھے ، وہ بھی پیش رفت نہ گئی ۔ مہر سے آن کو بحث نہ تھی اور سچ یہ ہے کہ ہمارے انتظام خانہ داری بے ہماری آمادگی کے درست ہو نہیں سکتے ، گورنمنٹ کو کیا مدخل ۔ ناچ ، آتش بازی اور دنیا بھر کی تفضیح ممکن نہیں کہ نہ ہو ۔ جس طرح مولوی[2] ۔۔۔۔ کا خاندان حقیقت مرگ سے واقف نہیں ۔۔۔

۱- آن دنوں جب کا یہ خط ہے ، اعظم گڑھ میں کلکٹر تھے ۔

۲- اس سے ایک مولوی صاحب مراد ہیں جن کے خاندان میں بڑی بڑی عمروں کے لوگ موجود تھے اور اتفاق سے ان کے یہاں موت بہت کم ہوتی تھی ، ان کی عورتیں کسی کے یہاں پرسے کو جائیں تو بہ تکلف بھی رو نہ سکتیں ۔ مجھ کو ان کا نام معلوم ہے مگر ظاہر کرنا کیا ضرور ہے ۔ اب سنا کہ اس خاندان میں بھی دوسرے خاندانوں کی طرح لوگ مرنے لگے ہیں ۔

صاحب کا خاندان نہیں جانتا کہ پردیس کیا چیز ہے اور جہاں تک مجھ کو بیگم صاحبہ کا حال معلوم ہے ، وہ بیٹی کو جدا نہیں کریں گی ؛ گو اس وقت منہ سے کہیں لیکن جب پالکی ڈیوڑھی پر آن کھڑی ہوگی تب حقیقت کھلے گی ۔ بے شک زن و شوہر میں اتحاد ہو تو ماں باپ کا کچھ زور نہیں لیکن تخالُفِ صورت ، تخالُفِ مزاج ، تخالُفِ عادات کے ہوتے اس اتحاد کا ہونا موہوم ۔ پھر حُسن کی مثال ایسی ہے جیسے عمدہ کھانا ؛ جس نے نہیں کھایا ، اس کا جی للچاتا ہے اور جو روز کھاتے ہیں وہ آس کی مطلق قدر نہیں کرتے ۔ میں نے ۔۔۔۔کو نہیں دیکھا مگر سنا ہے کہ اب بھی وہ شہر میں اپنا جواب نہیں رکھتیں لیکن ۔۔۔۔ صاحب کا برتاؤ آن کے ساتھ کیسا ہے ؟ دهلی میں بے شک اکثر جگہ فساد ہے لیکن خدا کی قسم ایک ہمارے گھر کی عورتیں ہیں کہ ہر طرح کی عُمدگی آن میں ہے ۔ پاک دامنی، دین داری، هنر خانہ داری، شوهروں کی اطاعت و فرماں برداری ، نیک دلی ، کفایت شعاری اور ان باتوں کے ساتھ آس قدر پڑھنا لکھنا جو ہماری سوسائٹی کی حالتِ موجودہ کے لحاظ سے عورتوں کو ضرور ہے ؛ کیا ہے جو ان میں نہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ دهلی میں بھی جُستجو کی جائے ، شاید کوئی اچھی لڑکی مل جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ تم کو زیادہ آسائش پہنچائے گی ۔ بعض عورتوں کے حالات پر نظر کر کے مت ڈرو ۔ دهلی میں ہزاروں خاندان ہیں ۔ اگر زن و شُو میں موافقت نہ ہو تو دنیا کا انتظام کیوں کر چلے ۔ مجھ کو صرف تمھارا منشاے خاطر معلوم کرنا تھا ، سو ہوا ۔ تم اس بات کو اپنے ذہن میں مت رکھو ، مجھ کو اور اپنی ماں کو اس کا فکر و انتظام کرنے دو ۔

۱۷

اجی حضرت! انگریزی میرے نزدیک گرتی جاتی ہے، کچھ تم کو اس کی پروا ہے یا نہیں؟ فارسی ہو چکی، عربی لری الف لیلہ سے کیا ہوتا ہے۔

---- نے ایسی بالیاں کس لیے بنوائیں جن کو کان برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا یہ کہاوت ان کے کان تک نہیں پہنچی "بھٹ پڑے (بھاڑ میں جائے) وہ سونا جس سے ٹوٹے کان،" عورتوں کے زیوروں میں ہاتھ، پاؤں، گلے کے زیور سب پسندیدہ ہیں۔ زینت بے زحمت اور کان ناک میں سوراخ کرنا زمانِ جاہلیت کی ایک رسم ہے کہ چلی جاتی ہے۔

میاں بشیر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امسال گرمی زیادہ سخت پڑے گی۔ کوئی ہلکی سی تبرید پیا کرو، پانی میں تھوڑا کیوڑا بڑی تفریح کا باعث ہے، بہ افراط محرک نزلہ۔ ان اطراف میں آب و ہوا اچھی نہیں۔ چیچک، تپ بلکہ ہیضہ بھی ہے۔ غازی پور، فیض آباد میں زیادہ شورش سنی جاتی ہے۔ اعتدال کے ساتھ آسائش جسمانی کا حاصل کرنا ضروریات سے ہے، خصوصاً گرمی اور برسات کے دو موسم ردّی ہوتے ہیں، احتیاط رکھنی چاہیے۔

۱۳- اپریل، ۱۸۷۶ء

۱۸

خط جس میں اطلاعِ ولادت مندرج ہے، پہنچا۔ مجھ کو لڑکیوں کے بارے میں کیا سمجھاتے ہو۔ مجھ کو تو مطلق اولاد سے افسردہ دلی ہے۔ تم جیو اور خدا تم کو صالح و نام ور و با اقبال کرے! پھولو پھلو! مجھ کو دوسرا بیٹا درکار نہیں ---- اور ---- اپنے گھروں میں آباد ہوں! آن کو خوشی ہو! مجھ کو بیٹیوں کی تمنا نہیں۔ تمہارے آنکھوں دیکھتے ظہیر، نصیر، حسینہ، وہ دو توام

لڑکے اور اسکلے ڈھمکے کتنے ہوئے اور مر مر گئے - ع
کس کس کا رنج کیجیے کس کس کو روئیے

فرقۂ نسواں عموماً اور ہندوستانیوں کی عورتیں خصوصاً کیسی تباہ حالت میں ہیں - کیا تم -------کی مصیبت پر نظر نہیں کرتے ، پھر بھلا کوئی عاقل لڑکیوں کے ہونے پر خوش ہو سکتا ہے ؟ وہ جو وعید قرآنی ہے : ''اذا بشّر احد ھم بالانثیٰ ظل وجہہ مسودّا وھو کظیم ، یتواریٰ من القوم من سوء ما بشّربہ ایمسکہ علی ھون ام یدسّہ فی التراب[1] ''- یہ سب انسداد دختر کشی کے لیے تھا جس کا عرب میں بہت رواج تھا-کما قال اللہ تعالی '' واذا الموؤدۃ سئلت بایّ ذنب قتلت[2] '' جب مجھ کو اور تم سب کو اُس کی حیات و ممات کی طرف سے اطمینان نہیں تو ایسے مہمان چند روزہ کی نسبت خوشی و نا خوشی کا کیا محل ہے -

لھا ملک ینادی کل یوم
لدوا للموت وابنو للخراب[3]

خداوند کریم نے اپنے فضل سے مجھ پر بسط رزق بہت کچھ کیا ہے اور بہت بہت اُس کی نعمت کا شکر گزار ہوں - اگر دس لڑکیاں ہوں تو مجھ پر ذرا بار نہیں مگر ہوں اور صاحبِ نصیب ہوں ، نہ یہ کہ جب

۱- جب اُن میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری پہنچے تو منہ اُس کا رنج و غیظ کے مارے سیاہ پڑ جائے - اپنے لوگوں سے بیٹی کی برائی کی شرم سے چھپتا پھرے - آیا اُس کو زندہ چھوڑے اور ذات قبول کرے یا مٹی میں داب آئے -

۲- اور جب کہ زندہ گاڑ دی بیٹی پوچھی جائے کہ تو کس گناہ پر ماری گئی -

۳- دنیا کا ایک فرشتہ ہے جو روز یہ منادی کرتا ہے کہ لوگو ! موت کے لیے پیدا ہو اور ویرانی کے لیے تعمیر کرو -

قوت تکلم پیدا کریں اور دلوں کو فریفتہ کرنے لگیں تو کنارِ مادر چھوڑ کر آغوش لحد میں جا کر سوئیں ، یا جئیں تو ---- کی سی ''اسْتَوٗء الحیوٗاۃ جئیں ''انما اشکو بثّی وحزنی الی اللہ''[۱] بڑی مبارک باد یہ ہے کہ تمہاری والدہ نے جاں بری حاصل کی - اب آں پر تاکید کرو کہ یہ کم بخت دولت کیا ہوگی - کچھ تو اپنے تن بدن کو لگائیں - نام تجویز کرتے مجھ کو تامل ہوتا ہے ، یہ کم نصیب جلد جلد مرتے اور میرا نام بھی خراب کرتے - مجھ کو ابوالمحامد[۲] اور محمودہ کا سخت قلق ہے ، کیسے پیارے نام تھے ؛ اس لڑکی کی کیا تخصیص تھی ، خدا کے فضل سے میرے یہاں سب روحیں مبارک قدم تھیں - اس لڑکی کی آمد کے ساتھ مجھ کو علم ہیئت کی کتاب پر پانچ سو روپیہ انعام ملا جس کی مطلق توقع نہ تھی - اول تو میں اس کتاب پر چار سو پا چکا تھا ، پھر یہ مال تھا و ن صاحب کا کہ آن کی وفات کی وجہ سے لا وارث ہوگیا اور بڑا خدشہ یہ تھا کہ ہمارے بالفعل کے لفٹیننٹ گورنر بہادر انعام کے مخالف ہیں اور جب سے زمام حکومت ان کے ہاتھ میں ہے ، شاید یہی ایک انعام دیا ہے ؛ وہ بھی انعام کے نام سے نہیں بلکہ کاپی رائٹ یعنی ، حق تصنیف خرید کیا ہے ، لیکن مجھ کو روپے سے مطلب ہے ، چاہے انعام ہو یا حق الترجمہ کے دام - جی چاہتا ہے کہ یہ انعام مقارن ولادت واقع ہوا ہے ، بھیج دوں مگر روپیہ اعظم گڑھ میں ملے گا لہٰذا اوائل مئی میں بھیجوں گا - اسی

۱- اپنے غم و رنج آشکارا و نہاں کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں - اقتباس ہے ،کلام مجید سے -

۲- مولوی بشیر الدین احمد کے ماموں مولوی عبدالحامد ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے اور بیٹی کے نام ہیں جو شیر خوارگی میں مر ے -

پان سو میں ہاتھ پاؤں کا زیور پورا کیا جائے اور غالب ہے کہ کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہو ۔

بشیر ! میں تمھارے امتحان کے نتیجے کا منتظر ہوں ، نہ صرف نتیجے کا بلکہ اس کا بھی کہ تم سے جواب دینے میں کیسی کیسی غلطیاں سر زد ہوئیں ؛ اکثر فہم سوال میں غلطی ہوتی ہے ۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ عبارت سوال کو بہ غور دیکھ کر سمجھا جائے کہ مستفسر کیا پوچھتا ہے ؛ پھر بسا اوقات لوگ اظہار علمیت کی نظر سے فضول باتیں لکھتے چلے جاتے ہیں ''اینڈ' دی مور یو ٹاک دی مور یو آر'' تمھارا یہ پہلا امتحان ہے ؛ ابھی سے اپنے تئیں سنبھالو۔ تم مجھ کو بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف متوجہ کرتے ہو اور مجھ کو ہر دم و ہرلحظہ تمھارے خیال سے فرصت نہیں ۔ تم ماشاء اللہ نقد ہو اور یہ نسیہ یعنی قرض ، اورکیا تم نے نہیں سنا کہ ''نقد را بہ نسیہ گزاشتن کار خرد منداں نیست'' لڑکیاں آخور کی بھرتی ہیں جن سے سوائے تکلیف کے کچھ توقع نہیں ۔ مجھ کو خوف ہے کہ یہ روح جدیدۃ العہد کچھ نہ کچھ تمھارا وقت ضرور صرف کرائے گی ۔ تم اس کے ساتھ کھیلو مگر بہت تھوڑی دیر ۔ گرامر انگریزی و عربی سے تم نے قطع نظر کر رکھا ہے اور میں ہمیشہ آس کی ضرورت تم پر ثابت کرتا رہا ہوں ۔ کوئی استاد انگریزی داں صاحب استعداد اصلاح انگریزی کے واسطے اب تک تجویز نہیں ہوا ؛ یہ تمھاری ملن ساری کا حال ہے : والدعاء ۔

۱۸- اپریل ، ۱۸۷۶ء ، روز سہ شنبہ

۱- And the more you talk, the more you are.

۲- نقد کو آدھار پر چھوڑنا عقل مندوں کا کام نہیں ۔

19

میں تمھارے اس خط کے پڑھنے سے مطلق خوش نہیں ہوا ۔ میں شروع سے کہتا تھا کہ بشیر! محصِّل کا یہ کام ہے کہ جو یوماً فیوماً پڑھے اُس کو ضبط کرتا جائے اور ہر وقت امتحان کے لیے آمادہ رہے ، نہ یہ کہ جو پڑھا[1] بلی کے ۔۔۔۔کی طرح توپ دیا ۔ اب یہ عذر کہ مجھ کو امتحان کی خبر صرف دو دن پہلے ہوئی ، عذر[2] بد تر از گناہ ہے ۔ تم کو اس کا بھی استحقاق نہیں کہ تم کو دو منٹ پہلے خبر ہو ، یومسٹ[3] بی ریڈی ایٹ اے مومنٹس نوٹس ۔ تم دو دن کو غنیمت نہیں سمجھتے ۔ پھر جواب جو میں دیکھتا ہوں ہرگز پورے نمبر کے لائق نہیں ۔ تمھاری یادداشت ایسی ہے جیسے کوئی بھولا ہوا خواب بیان کرے ؛ مثلاً ممتحن پوچھتا ہے لَمْ کیا عمل کرتا ہے ؟ " تم جواب دیتے ہو ۔ " آخر سے حرف علت ساقط کر دیتا ہے اور آخر میں ساکن کرتا ہے"۔ یہ نرا مہمل جواب ہے ۔ لَمْ کا اصلی عمل ہے اِسکان الاٰخر ، اس کا ظہور تین طور سے ہوتا ہے ۔ اگر آخر میں 'ن' اعرابی ہے تو حذفِ نون یہی اسکان الاٰخر ہوگا ۔ کہاں یہ جواب اور کہاں تمھاری بکواس ۔ "تمھارا گھر" کا ترجمہ " دارکم یا بیتکم یا دارکُنّ یا بیتکُنّ" ہونا چاہیے۔ لفظ 'تمھارا' سے کیوں کر جانا کہ مخاطب مذکّر ہے اور جب مفرد کو بہ تعظیم خطاب نہ کریں تو دارکَ یا دارکِ بھی ترجمہ

۱- بلی کا قاعدہ ہے کہ اپنی نجاست کو دبا دیا کرتی ہے ۔

۲- یعنی گناہ تو خیر گناہ تھا ہی، اُس پر عذر نا معقول کرنا گناہ سے بھی بڑھ کر ہے ۔

۳- You must be ready at a moment's notice.
تم کو دم کے دم تیار ہو جانا چاہیے ، یعنی ہر لحظہ آمادہ رہنا چاہیے ۔

هو سکتا ہے - تم ضمائر اُردو سے مذکّر و مؤنّث کا امتیاز کر نہیں سکتے- 'اَن کے بیٹے'کا ترجمہ 'ابنــهـم' غلط - 'ابناؤهـم' صحیح - بیٹے اور بیٹا میں کچھ فرق ہے یا نہیں - '' قُلْنَ '' تم لکھتے ہو دو جگہ اور وہ ہے تین جگہ (۱) جمع مؤنث غائب ماضی معروف (۲) جمع مؤنث غائب ماضی مجہول (۳) جمع مؤنث حاضر امر معروف - اصل ان کا قَوَ لْنَ ، قُوِ لْنَ ، اُقْوُ لْنَ ہے -

اگرچہ امر کا قاعدہ تم نے نہیں لکھا مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ تمھارا جواب ضرور غلط اور ناتمام ہو گا - مستفسر نے امر میں حاضر کی تخصیص نہیں کی تو جواب میں امر حاضر و غائب دونوں کا قاعدہ لکھنا ضرور ہوا کہ امر دو طرح کے ہیں : حاضر و غائب - حاضر میں (۱) واحد مذکر حاضر (۲) تثنیہ مذکر حاضر (۳) جمع مذکر حاضر (۴) واحد مؤنث حاضر (۵) تثنیہ مؤنث حاضر (۶) جمع مؤنث حاضر- چھ صیغے ہیں جن کے بنانے کا ایک قاعدہ ہے اور غائب میں چھ غائب کے، اور دو متکلم کے اور از بس کہ امر متکلم کے صیغے امر غائب کے صیغوں کی طرح بنتے ہیں، امر متکلم کے صیغوں کو تغلیباً امر غائب میں داخل کر دیا - کیا امر حاضر اور کیا امر غائب، آخر صیغہ میں دونوں کا حال یکساں ہے کہ (۱) تثنیہ مذکر غائب (۲) تثنیہ مؤنث غائب (۳) تثنیہ مذکر حاضر (۴) تثنیہ مؤنث حاضر (۵) جمع مذکر غائب (۶) جمع مذکر حاضر (۷) واحد مؤنث حاضر - سات صیغوں سے نون اعرابی ساقط اور اگر نون اعرابی آخر میں نہیں تو حذفِ حرکتِ حرفِ آخر یعنی اسکان، بہ شرطیکہ آخر میں حرف علت نہ ہو ورنہ حذف حرف علت - اول صیغہ میں جو تصرّف کرنا ہوتا ہے ، وہ امر حاضر و غائب میں مختلف ہے - امر غائب میں لام مکسورہ اول میں لگانا ہوتا ہے اور امر حاضر میں پہلے حذفِ علامتِ مضارع یعنی 'ت' پھر بعد حذف التاء اگر متحرک ہے

تو آخر میں عمل لَمٓ اور اگر بعد حذف التاء ساکن ہے تو ابتداء بالسکون زبان عرب پر دشوار ہے ، اُس کے رفع کرنے کو ہمزۂ وصل کہ وہ ملانے کی حالت میں تلفظاً گر جاتا ہے اور کتابۃً باقی رہتا ہے ، شروع میں لاتے ہیں اور حرکتِ ہمزہ تابع حرکتِ عین کلمہ ہوتی ہے لیکن عینِ مفتوح و مکسور دونوں کے لیے ہمزۂ وصل مکسور ہوتا ہے ۔ یہ ہے پورا پورا قاعدہ امر کا ؛ اب غور کروکہ یہی تم نے لکھا ؟ ہرگز نہیں ۔

تمہارے انگریزی کے جوابوں سے بھی بدحواسی اور عجلت ظاہر ہے ۔ یہ نہیں کہ مستفسر کی بات پر غور کر کے اور اطراف و جوانب پر اچھی طرح نظر ڈال کر ایک تُلا ہوا جواب دیا جائے ۔ مجھ کو تم نے سمجھ لیا ہے کہ اس کی عادت بکنے کی ہے ۔ خدا خود تمہارے دل میں ڈالے کہ اگر ایک امتحان بگڑا تو خیر اگلے امتحانوں کے لیے ایسی آمادگی کروکہ ہرسوال کا نمبر کامل حاصل ہو ۔ تمہارے سوالات آخر کسی ممتحن نے دیکھ کر اُن پر نمبر لگائے ہوں گے ۔ انھی سے پوچھو کہ کیوں جناب ! میرے جواب میں کیا نقص تھا اور اپنے اس استفسار کی غرض اُن پر ظاہر کر دو کہ میں صرف اس مطلب سے پوچھتا ہوں کہ امتحان آیندہ میں غلطی نہ کروں ۔

کیوں جی ! کانپور میں کہاں کالج ہے؟ البتہ وہ ملتقیٰ[1] ہے دو ریلوں کا اور غدر میں جو انگریز مارے گئے ، اُن کا میموریل[2] گارڈن وہاں بنا ہے ۔ بٹھور ایک قصبہ ضلع کانپور میں ہے ، وہ بڑا تیرتھ ہے ۔ راجا رام چندر نے وہیں علم حاصل کیا اور وہاں ہر سال بڑا میلا ہوتا ہے ۔ الہ آباد میں گنگا جمنا کا سنجوگ ہے ۔ اکبر کا قلعہ وہاں اور آگرے میں مشہور ہے ۔

۱۔ ملنے کی جگہ ، سنجوگ ۔ ۲۔ یادگار کا باغ ۔

خلاصہ یہ کہ میں نے تمھارے جواب پسند نہیں کیے ۔ اب جو نمبر تم کو وہاں کے ممتحن دیں آن سے مجھ کو ضرور اطلاع دو اور لکھو کہ تم اپنی کلاس میں کیسے رہے ۔ بڑا گُر یہ ہے کہ جو پڑھو تحقیق سے پڑھو اور یاد رکھو ۔ خصوصاً گرامر کہ یہ جس قدر ضروری ہے آسی قدر تم اس سے بے پروائی رکھتے ہو ۔ ایک بڑا خوف یہ ہے کہ لکھ کر نظر ثانی کرنے کی تمھاری عادت نہیں ۔ ہم لوگ تو اپنے جوابوں کے مسودے لے آتے تھے اور آن کو کتابوں سے لا کر ملا لیتے تھے ۔ بھلا خیر اگر ضیق وقت کی وجہ سے مسودہ نہ کر سکو تاہم جواب کو مکرر بہ غور دیکھنا ضروری ہے ۔ میں تم کو کسی قدر معذور بھی سمجھتا ہوں کیوں کہ یہ تمھارا پہلا امتحان تھا ؛ یقین ہے کہ ان شاء اللہ تمھارے آئندہ امتحان عمدہ ہوں گے ، بہ شرطیکہ امتحان کا برا ہونا یا کسی ہم جماعت سے گھٹ کر رہنا تمھارے نزدیک موجب بے غیرتی ہو ۔ بھئی میرا تو یہ حال تھا کہ امتحان بگڑا تو مدتوں مجھ کو ملال رہتا تھا ''نحن رجال و هم رجال[۱]''، سبب کیا کہ کوئی ہم سے اچھا ہو ، ضرور ہمارا قصور ہمت ہے اور اگر ایک دفعہ کوئی بازی لے گیا تو دوبارہ کیوں لے جائے ''لا یلدغ المومن من جُحر واحد مرتین[۲]'' سچ کہا ہے ''عند الامتحان یکرم الرجل او یہان[۳]'' ۔ ۔ ۔ معزز وہ ہیں جن کو امتحان میں کامیابی نصیب ہے ۔ دہلی میں تمھاری تضییع وقت کے بہت سامان ہیں مگر پڑھنے لکھنے میں تمھاری مدد کچھ نہیں اور جو ہے آس سے مستفید ہونے کا تم کو سلیقہ نہیں ۔ ''مُتَنَبّی'' کے

۱۔ ہم بھی مرد ہیں اور وہ بھی ، مرد مرد برابر ۔
۲۔ مومن ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ۔
۳۔ امتحان کے وقت کھلتا ہے کہ یہ آدمی قابل عزت ہے یا ذلت ۔

چند شعر لکھتا ہوں ، سہل ہیں ؛ جب تم کو امتحان سے پوری فرصت ہو تو ان کا حل لکھو مگر بے مدد غیرے ۔

صحب[1] الناس قبلنا اذا الزمانا
و عنا هم فی شانه ما عنانا

فتولوا بغصةٍ کلّهم منه
و ان سرّ بعضهم احیانا

ربما تحسن الصنیع لیالیه
ولکن تکدّر الاحسانا

و مراد النفوس اصغر من ان
نتعادیٰ فیه و ان نتعانا

غیر انّ فتیٰ یلاق المنایا
کالحات ولا یلاقی الهوانا

ولو انّ الحیٰوة تبقیٰ لحیّ
لعددنا اذلنا الشّجعانا

۱۔ ہم سے قبل بھی لوگوں نے اس زمانے کی رفاقت کی ہے اور اس کی بابت اُن کو بھی وہی رنج پہنچا ہے جو ہم کو؛ پس سب کے سب اُس سے ناخوش ہی پھرے ۔ اگرچہ لوگوں کو گاہ گاہ خوش بھی کیا ۔ کبھی کبھی اُس کی راتیں حسن سلوک کرتی ہیں لیکن یہ امکان بھی تکدر سے خالی نہیں ۔ دلوں کی مراد اتنی نہیں کہ ہم اس کے لیے آپس میں عداوت و رنج کریں ؛ سوا اس کے کہ جوان مرد کالی کالی موتوں کا مقابلہ کر لیتا ہے اور ذلت و توہین برداشت نہیں کر سکتا اور اگر زندگی کسی صاحب حیات کی قائم رہتی تو ہم میں سے جو بہت ذلیل ہوتا اُسی کو ہم شجاع گنتے ۔

و اذا[1] لم یکن من الموت بُدٌّ
فمن العجز ان تکون جبانا
کل مالم یکن من الصعب فی الانفس
سہل فیہا اذا ھو کانا

فقط ۲- مئی ، ۱۸۷۶ء

۲۰

مجھ کو ابھی تک تمھارے اُسی خط کا جھگڑ لگا ھے - جس میں تم نے امتحان کا حال لکھا تھا اور جھگڑ کیوں نہ لگے ، میں زمانے کے حال پر نظر کرتا ھوں ، پھر اپنی طرف دیکھتا ھوں کہ اربعین[2] سے متجاوز ھوا ، ضعف قوی مجھ کو محسوس ھونے لگا - تمھاری بدشوقی اور بد استعدادی کا یہ حال کہ پہلی سطر میں مرجع واحد اور 'ظلکم' میں 'کم' اور 'ایامک' میں اور 'ک' 'لیالیہ' میں 'ہ' تین طرح کی ضمیریں - شاید میں نے تم سے کبھی خط لکھوایا ھے اور اُس میں '' زادت معالیہ و بورک فی ایامہ و لیالیہ[3]'' آیا تھا - تم نے ضمیروں میں وہ خلط مبحث کیا کہ خیال کرنے سے ایذا ھوتی ھے - ھنوز دلی دور - عربی دانی کا کیا مذکور ، ابجد تک درست نہیں - اب دوسری سطر پر چلو تو 'آداے' میں الف ممدودہ

۱- اور جب کہ موت سے کوئی چارہ ھی نہیں تو ڈرپوک اور بزدل ھونا داخل عاجزی و ناتوانی ھے - نفس کے لیے جتنی دشوار باتیں ھیں ، وہ جب تک نہیں ھوئیں ، جبھی تک دشوار ھیں اور جب ھوگئیں تو پھر محض آسان ھیں -

۲- چالیس -

۳- اُس کے رتبے بلند ھوں اور روز و شب میں برکت آئے !

کیا معنی ۔ 'اداء' ایک وزن مصدر مجرد ہے ۔ جیسے بقاء ، ثناء ، اداء الفریضۃ ، اداء الدین ، اداء الیہ باحسان ، فعال کا فاعال کیوں ہونے لگا ۔ عربی آتی ہو اور قواعد مستحفظ ہوں تو معلوم ہو کہ لوگ کیسی کیسی غلطیاں کرتے ہیں ۔ اداء آداب کو آداے ادب ۔ آداب میں البتہ الف ممدودہ ہے ؛ وہ جمع ہے ادب کی جیسے اقوال افعال ۔ اء داب کا آداب ہوا ؛ گویا ادب کا فرض ادا کرنے کے بعد ۔ ''خدمت'' بھی بہ قاعدۂ رسم الخط غلط ۔ جتنی تاء زائدہ ہیں ، سب گول ۃ یا چھوٹی لکھنی چاہییں ؛ پس خدمۃ ہوا ۔ لوگوں کی سند مت پکڑو، یہاں قاعدے کا مذکور ہے ۔ پھر خدمۃ کے مؤنث ہونے میں کیا شک ہے ۔ علامت تانیث ۃ موجود ۔ اس کی صفت مقدسۃ یا مقدسہ ہونی چاہیے ، نہ مقدس کہ وہ صیغۂ مذکر ہے ۔ سنو صاحب ! تم ہو محصّل ، تمھاری نظر چھوٹے چھوٹے قاعدوں کا حفظ نہ کرے گی تو تم کو قاعدہ یاد کیوں کر رہے گا ۔

تم کو میری اس عیب گیری سے تکلیف ہوتی ہوگی مگر معاف کرو، میرا فرض ہے کہ تم کو تمھارے عیوب پر مطلع کروں ۔ تم نے عربی کا امتحان تو کچھ بھی نہیں دیا اور یہی حال ضرور انگریزی کا ہوا ہوگا کیوں کہ جس کی عادت احتیاط کی ہوتی ہے وہ سب چیزوں میں احتیاط کرتا ہے ۔ انگریزی سے میں خود عاجز ہوں ، اس واسطے کہ مجھ کو نہیں آتی اور اگر میری تقدیر میں کچھ آنا ہے تو خدا کرنے وہ علم دین ہو ، بڑھاپے میں انگریزی سیکھ کر کیا کروں گا ، مگر تم اس کے سخت حاجت مند ہو ۔ تم مجھ پر نظر مت کرو کہ میں ایک سگ دنیا ہوں لیکن مجھ کو چھوڑ کر علم تمھاری ددھیال اور ننھیال کے لیے تمغاے شرف رہا ہے ۔ کیا افسوس کی بات نہیں کہ تم خاندان علما میں ہوکر عربی میں خام رہو ۔ بہ خدا مجھ کو ۔ ۔ ۔ ۔ وغیرہ کی حالت پر نظر کر کے افسوس ہوتا ہے ۔ ہم لوگ ایسے نا اہل پیدا

ہوئے کہ علم سے مناسبت نہیں ، سو بشیر تم سنبھالو۔ ع

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

اگر صرف قرآن کا ایک رکوع بہ نظر تحقیق دیکھتے رہو ، یا حدیث کی کوئی کتاب شروع کر دو تو بھی خالی از منفعت نہیں مگر جو کچھ پڑھو تحقیق اور تدقیق کے ساتھ ۔ خدا تم کو توفیق دے اور میں اپنے جیتے جی عالم اور فیمس[1] میں دیکھوں ۔

تم نے چھوٹی لڑکی کا نام بشریٰ خوب تجویز کیا ، مجھ کو پسند ہے ، میں نے اپنے خط میں فُعلیٰ مؤنث افعل التفضیل لکھا تھا ، وہ بھی ہے مگر ایک فعلیٰ صفتی کہلاتا ہے "تلک اذا قسمة ضیزیٰ" یہ تو ایک نا منصفانہ بانٹ ہے ۔ ضِیزیٰ اصل میں ضُیزیٰ تھا ، ی کی رعایت سے ض کو کسرہ دیا گیا ہے ، لغت میں ضیزیٰ کے معنی لکھے ہوں گے "جائرة من الجور" یہ قرآن کی آیت ہے وردت علی مشرکی العرب کانوا یعتقدون ان اللہ تعالیٰ اتخذمن الملئکته بنات فاجابهم بانّهم یحبون لانفسهم البنین ویجعلون للہ بنات فحینئذ قسمتهم قسمة جائرة لا یقتضیها العدل والانصاف فان اللہ کان متخذاً ولداً لاستحق البنین[2] "۔

۱۔ نام آور آدمی ۔

۲۔ عرب کے مشرکوں کے ردّ میں نازل ہوئی ہے جن کا اعتقاد یہ تھا کہ خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو بیٹی بنایا ہے ۔ اُن کے اس اعتقاد کے جواب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں ؛ پس ایسی حالت میں ان کی بانٹ نامنصفانہ بانٹ ہے جس کو عدل و انصاف قبول نہیں کرتا کیوں کہ اللہ اگر کسی کو اولاد ہی بناتا تو بیٹوں کا مستحق تھا ۔

کبھی کبھی مرد خدا دو ایک سطر عربی بھی لکھا کرو ۔
۳ ، مئی - ۱۸۷۳ء

۲۱

مجھ کو اس کی خوشی ہے کہ تم اتنے برے نہیں رہے کہ فیل ہو جاؤ لیکن تا وقتے کہ تم نصف سے زیادہ نمبر حاصل نہ کرو ۔ '' پاسڈ[۱] وتھ کرڈٹ '' یا '' اکویٹڈ ھم سلف وتھ سکس[۲] '' کے مستحق نہیں ہو سکتے ۔ کیوں صاحب ! تم قاعدہ پڑھتے ہو تو تم کو کرٹسائز[۳] کا کیا خوف ۔ کوئی کیسی ہی نکتہ چینی کرے ، تم کو جواب اطراف و جوانب کو بچا کر دینا چاہیے ۔ تم کو مدرّسوں نے پاس کیا ، یعنی انھوں نے تمھارا پاس خاطر کیا ۔ بشیر زباں‌دانی مقدم ہے ۔ صرف و نحو ، لغت ، انشا ، محاورات ، امثال و حکایات پر زیادہ زور دو ؛ زبان دانی کے نمبروں پر بڑا لحاظ ہوتا ہے اور سائینس گو فی نفسہ افضل ہے لیکن عام پسند نہیں ۔ غرض ایسا قصد کرو کہ امتحان آئندہ میں یہ نقص باقی نہ رہیں ۔ بے شک کلاس میں ۸۰ طلبہ ہیں اور سب پر سبقت لے جانا مشکل ہے لیکن آخر کوئی اول ہوگا ۔ کیا وجہ کہ وہ 'کوئی' تم نہ ہو اور دوسرا ہو ۔ ابھی چالیس دیکھ کر ڈرے ؛ اجی حضرت ! یونیورسٹی کے امتحان میں ہزاروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے ۔

مرد باید کہ ہراساں نہ شود   مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

کامیابی کی تدبیر یقینی یہ ہے کہ جو پڑھا بہ تحقیق اور جتنا

۱- تعریف کے ساتھ پاس کیا (Passed with Credit) ۔
۲- کامیابی کے ساتھ نکل آئے (Acquitted himself with success) ۔
۳- نکتہ چینی (Criticise) ۔

نظر سے گزرا یاد ۔ اگر کوئی قاعدہ یا محاورہ یا کوئی مضمون قابل یاد داشت آ گیا ، ایک نشان خاص حاشیۂ کتاب پرکر دیا یا بہ طور یاد داشت ایک کتاب میں لکھ لیا اور اوقات فرصت میں غور کرتے رہے ۔ محنت پائداری کے ساتھ جاری رکھو ، نہ یہ کہ سارا وقت غفلت میں ضائع کرو، امتحان قریب ہو تو گھبرا جاؤ ، اور ہر مہینے خود اپنا امتحان لے لیا کرو ؛ خود سوال بنا لیے یا دوسرے سے بنوا لیے اور بہ طور مشق آن کے جواب لکھے ۔ عربی میں اگر کہو میں سوالات بھیج دیا کروں ۔ کہاں فن میں عجیب قدرت اور قوت ہے ۔ ایک زبان میں عمدہ معلومات ہوں تو دوسری زبانوں کے حاصل کرنے میں ضرور مدد ملتی ہے ۔ جس قدر لوگ مجھ سے تعارف رکھتے ہیں سب تمھارا حال اکثر پوچھا کرتے ہیں '' فکر ہرکس بہ قدر ہمت اوست'' کوئی کہتا ہے خوب کیا ، کوئی کہتا ہے بُرا ۔ یہ تمھاری کوشش اور محنت پر منحصر ہے کہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک احمق بناؤ یا دانش مند ۔ خدا کرے کہ تم کو امتحانوں میں کامیابی ہو اور زور استعداد تم کو نصیب ہو ۔ ریڈ صاحب بہادر تمھارے حالات کے مستفسر تھے ، اگر مناسب سمجھو تو کبھی کبھی ان کو چٹھی لکھا کرو ۔ گرمی کا دن پہاڑ ہوتا ہے ، دن کا سونا خلاف انتظام الٰہی ہے '' جعلنا اللیل لباسا و جعلنا النہار معاشا'' ۱ اور ایک نقصان عاجل یہ ہے کہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں ، رات آن پر دوبھر ہو جاتی ہے ۔ امید ہے کہ تم نے دن کے سونے کی عادت نہیں کی تو دن بھر کیا کرتے ہو ۔

۱۔ رات کو ہم نے پردہ بنایا کہ لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر آرام اور چین سے بسر کریں اور دن کو روزگار (کہ لوگ تلاش وجہ معاش میں سرگرم پھریں) ۔

تم نے ایک خط میں ''جنابمن'' لکھا ۔ جناب اور من دو کلمے جداگانہ ھیں ، آن کا ملانا خلاف قاعدہ ۔ عوام کو عائشہ میں بڑی غلطی ھے ۔ عائشہ اور آسیہ دو نام ھیں ؛ عائشہ کے معنی ''جیونی'' یا جینے والی ؛ عیش سے نکلا جس کے معنی زیستین اور پیغمبر صاحب کی ازواج طاھرات میں آن بیوی کا نام ھے جو حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں ۔ آسیہ عَلَم ھے فرعون کی عورت کا جس کے لغوی معنی غم خوار کے ھیں ۔ ''اسٰی'' غم و غم خوارگی ۔ پس آشیہ یا عاشیہ یا عاسیہ سب غلط ۔ یاد رکھو ! ۔

لوگوں کی ضرورتوں میں کام آنا اچھی بات ھے لیکن اول خویش بعد درویش ؛ اپنی ضرورت سب پر مقدم ھے ۔ ایسا مت کرو کہ تمھارا کام کا وقت لوگوں کے خطوط لکھنے یا بچوں اور مبتدیوں کی تعلیم میں صرف ھو ۔ تمھارا خط لکھنا اگر بہ کار آمد ھے تو صرف اسی قدر کہ مجھ کو لکھو ۔

نحو میں ''توضیح المرام'' نہایت عمدہ کتاب ھے بہ شرطیکہ جی لگا کر غور سے آس کو بالا ستیعاب دیکھو اور یاد رکھو ۔ ''ما یغنیک فی الصرف'' بھی صرف میں اچھی ھے ۔ ''مشارق الانوار'' جس کا ترجمہ مولوی خُرم علی صاحب نے کیا ، تمھارے لیے نافع ھے ۔ ھر روز دو حدیث کا سمجھ کر دیکھنا بڑا فائدہ دے گا لیکن اپنے مطالعے سے استفادہ کرنا تم سے امید نہیں ؛ اس نظر سے میں بھی صلاح دوں گا کہ عربی میں کوئی نہ کوئی چیز باھر ضرور پڑھو ۔ تم نے منطق کا نام سن کر ھمت ھار دی ورنہ اب تک دو تین چھوٹے چھوٹے رسالے ختم ھوئے ھوتے اور ایک طرح کی مناسبت پیدا ھو گئی ھوتی ۔

اکثر سرکاری مدارس میں یہ دستور ھے کہ مئی ، جون کے مہینوں میں مہینے ، سوا مہینے کی تعطیل ھوتی ھے ۔ اپنے کالج کی

نسبت کیا تحقیق کیا اور اگر بالفرض تعطیل ہوگی تو کب اور کتنے دن کی ؟ اور تم نے دی بیٹر یوس[1] آف اٹ کیا تجویز کیا ۔ شاید تمہارا میرے پاس چلا آنا زیادہ مفید ہوگا اس سے کہ دہلی میں تمہارا وقت گراں بہا ضائع ہو ۔

۱۲ ، مئی - ۱۸۷۶ء

۲۲

بشیر ! اضافت یا حروف جارہ یا ظروف کی وجہ سے 'کے' آتا ہے اور جب جملہ صفت یا صلہ آتا ہے تو 'کہ'۔ برخواست غلط ، برخاست صحیح ۔ خواستن چاہنا ، خاستن اٹھنا ۔

تمہارے آنے کی بابت بہت غور کیا ۔ بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تم کو بلا لوں مگر حرارت موسم سے جی بہت ڈرتا ہے ۔ اگر دھوپ میں ریل پڑ گئی تو تکان سفر اور گرمی سے شاید تم علیل ہو جاؤ ؛ ہمت نہیں پڑتی کہ بلاؤں ۔

بشیر ! انگریزی کی زبان دانی پر پوری توجہ کرو ۔ لٹریچر بڑی ضروری چیز ہے ؛ اس کا علاج ہے یاد داشت کہ صفحے کے صفحے اور ورق کے ورق یاد ۔ کوئی خیال نہ ہو کہ جس کا طرز ادا تم کو سنداً یاد نہ ہو اور گراس ۔

مجھ کو نئی روح کے حالات لکھتے رہو ؛ خدا کرتا کہ بچ جاتی ! اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرے !

۲۳

بشیر ! تمہارا خط پہنچا ۔ اشعار مشکل تھے مگر اشکال صرف

۱- اُس کا عمدہ استعمال (The better use of it) -

لغات عربیہ کا ہے ، عبارت مغلق نہیں ۔ میں نے محنت سے جواب لکھا ہے ؛ مہربانی فرما کر غور سے پڑھو ، بے مصرف سمجھ کر پھینک مت دینا ۔

میں 'طیار' اور 'طوطا' کو رو بہ راہ سمجھتا ہوں ؛ ہندی لفظ ہیں جن کا ماخذ عربی میں نہیں ۔ فارسی میں 'طوطی' دوسرا جانور ہے ، لیکن اگر کوئی 'توتا' اور 'تیار' لکھ دے تو غلط نہیں کہا جا سکتا ۔

تم بشریٰ کے لیے دل چھوٹا مت کرو ، یہ انتظام الٰہی ہے اور ضرور اس میں کوئی مصلحت مضمر ہے "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"۔ میں اب اچھا ہوں مگر تنہائی بجائے خود علالت ، جی خوش نہیں رہتا ۔ خدا تم میں تلافی کرے آں صدمات متواترہ کی جو ضیاع اولاد سے مجھ کو اور تمھاری والدہ بے چاری کو پہنچے ہیں !

بشیر! گرمی ہے اور موسم ردّی ، احتیاط اور حفظ صحت کرو ۔ اللہ تمھارا حافظ و نگہ بان ہے ! والدعا ۔

۱۸ - مئی ، ۱۸۷۶ء

۲۴

بیوی صاحب کو سلام کے بعد معلوم ہو ۔ یہ بھی ایک دنیا کا دستور قرار پا گیا ہے کہ جب کسی کا کوئی عزیز قریب مر جاتا ہے ، لوگ اس کی ماتم پرسی کیا کرتے ہیں ۔ میں تم کو یہ خط اس دستور کے مطابق نہیں لکھتا ہوں کہ مصیبت تنہا تم پر ھی نہیں ، مجھ پر بھی ہے ۔ میاں بیوی کا عجیب رشتہ ہے کہ مرد و عورت نکاح کے ہو جانے سے دنیا کی سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں ؛ یہ بات کسی اور رشتے میں نہیں پائی جاتی ۔ میرا تمھارا مال مشترک ، کھانا پینا مشترک ، اولاد مشترک ، آبرو مشترک ، خوشی مشترک ، رنج و غم مشترک ۔ اگر وہ لڑکی جیتی تو کیا تمھاری

اکیلی کی بیٹی ہوتی ؟ نہیں ، میری تمھاری دونوں کی ۔ پس اب اگر مرگئی تو کیا تمھاری اکیلی کی بیٹی مری ؟ نہیں ، میری تمھاری دونوں کی ، پھر بھی میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اس سے بڑا قوی تعلق تھا ، لیکن روحانی تعلق کی وجہ سے شاید جس دن وہ مری ہے ، میرا دل خود بہ خود بے قرار تھا اور میں نے آسی گھبراہٹ میں میاں بشیر کو خط بھی لکھا ۔ تاریخ ملا کر دیکھو ، غالب ہے کہ خط کی تاریخ اور اس کے مرنے کی تاریخ ایک ہوگی ۔

''انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون[1]''

ظہیر ، نصیر وغیرہ کے مرنے سے یہ تو بہ خوبی تجربہ کر چکے کہ موت پر انسان کا کچھ اختیار نہیں چلتا ؛ رہا رنج وہ بھی رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے ۔ میں تم پر الزام نہیں لگاتا ، اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ نصیر کو کس قدر پیار کرتا تھا ۔ آس کی قبر میری آنکھوں کے سامنے ہے اور میں سوتا بھی ہوں ، ہنستا بولتا بھی ہوں ، دنیا کا کوئی کام مجھ سے نہیں چھوٹا ؛ تو جب ظہیر نصیر کے رنج کو ہم نے چند سال میں بھلا دیا تو یہ لڑکی بے چاری کے دن کی تھی ؛ آخر پھر دنیا اور دلیا کے کام ۔ کتابوں میں بہت ٹھیک لکھا ہے کہ دانا اور احمق ، صبر دونوں کرتے ہیں مگر فرق اتنا ہوتا ہے کہ احمق رو دھوکر چپ کرتا ہے اور دانا شروع سے خدا پر نظر کر کے چپ ہو رہتا ہے ۔ غرض صبر تو آخر کرنا پڑے گا ، پس کیا فائدہ کہ اپنا ثواب ضائع کریں ۔ دل کو مضبوط کر ، آنسو پونچھ ، سنبھل بیٹھو ، خدا ہمارا مالک ہے ؛ آس نے دیا ، آس نے لیا ۔ خدا کو ہم سے عداوت نہیں ، بیر نہیں ۔ جو کچھ کرتا

۱۔ ''ہم خدا کے ہیں اور آسی کی طرف پھر جانے والے ہیں'' یہ آیت ہے ۔ نزول مصیبت کے وقت مفید صبر و تسکین ۔

ہے ، ہمارے نفع کے لیے کرتا ہے لیکن اپنی کم فہمی کی وجہ سے ہم اُن مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ دنیا کے انتظام پر نظر کرو تو تندرستی ، مال ، اولاد ، حکومت ، شرافت ، دین داری ، ہزاروں طرح کی نعمتیں ہیں اور یہ نعمتیں خداوندکریم نے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کی ہیں '' فضلنا بعضکم علیٰ بعض[۱] '' ہم کو بھی اس نے اپنی رحمتوں میں سے بہت بڑا حصہ عطا فرمایا ہے ؛ تو کیا ہم ٹھیکے دار ہیں کہ خدا کی سب نعمتیں اپنے گھر میں گھسیٹ کر بھر لیں اور پھر اولاد سے بھی خدا کا لاکھ شکر ہے ، ہم محروم نہیں ۔ اُن کی عمروں میں خدا برکت دے ! ان کو دین و دنیا کی فلاح ہو! کافی ہیں ، اب زیادہ اولاد لے کر کیا کرو گی ۔ انھی پر اپنی محبت صرف کرو ، ان کے حق میں خدا سے دعائیں مانگو اور مصیبت پر صبر کرو کہ خدا کی مرضی ۔ شاید عاقبت میں انھی مصیبتوں کے طفیل سے ہم پر رحم ہو ۔ کسی استاد کا کیا اچھا قطعہ ہے ۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

اے خدا ! ہم کو صبر جمیل کی توفیق دے ، آمین ! آدمی کو چاہیے کہ جب اُس پر کوئی مصیبت نازل ہو ، دوسرے بندگان خدا کے حال پر نظر کرے اور وہ پائے گا کہ ہزاروں آدمی اُس سے بدتر حالت میں مبتلا ہیں ۔ تم گھر کے گھر میں بے چاری ۔ ۔ ۔ ۔ کو دیکھو ۔ بڑی ناشکری کی بات ہے کہ ہم ٹوکروں احسان اور

۱۔ ایک کو ایک سے بڑھ کر بنایا ہے ۔

چھکڑوں سلوک بھول جائیں اور تنکے بھر رنج کی برداشت نہ کریں ۔ بشیر بچہ ہے ، تم کو روتے دیکھ کر سہما جاتا ہوگا ۔ اُس کے حال پر رحم کرو ۔ اپنے حال پر رحم کرو کہ کیا تمھاری حالت ہو گئی ہے ؛ آخر یہ کالبدِ خاکی سدِّ سکندر تو نہیں ہے ، اسی طرح رنجوں کے مارے اس کو تحلیل کر ڈالوگی تو کیا انجام ہوگا ۔

۳- جون ، ۱۸۷٦ء

۲۵

بشیر ! لاؤ اُس مختصر اور گول 'ۃ' کے قاعدے کو زیادہ صاف کر ڈالیں ۔ واضح ہو کہ سوائے الفاظ عربی کے گول 'ۃ' لکھنی روا نہیں کیوں کہ یہ رسم الخط عربی کی ہے اور بس ۔ عجمی الفاظ میں ہمیشہ لمبی 'ت' لکھنی ہوگی ۔ جیسے بت ، دست ، آتش پرست ، مست ، ہمالیہ پربت ، سورت ، مورت ۔ عربی میں صرف چار قسم کی لمبی ت لکھی جاتی ہے ۔ (۱) وہ ت جو ماضی کے صیغوں میں علامت فعل یا ضمیر فاعل یا مفعول سالم یُسَمّ فاعلہ ہوتی ہے جیسے ضَرَبَتْ ، ضربتُ ، ضربتَ ، ضربتِ ، وغیرہا (۲) تاء جمع مؤنث سالم جیسے مسلمات صالحات ، واہیات ، بنات (۳) تاء اصلی جیسے وقت ، سبت ، التفات ، قوت ، موت ، (۴) جب لام کلمہ حذف ہو کر کلمہ ثنائی رہ گیا تو اُس کے آخر میں جو تاء تانیث لاحق ہوگی ، طولانی لکھنی ہوگی جیسے :- بنت ، اُخت ؛ اصلی مادہ بنو ، اخو ہے ۔ ان چار قسموں کے علاوہ جتنی تیئیں ہیں ، سب کو مختصر یا گول لکھنا ہوگا ۔ ھذا فاحفظہ ۔

تمھارے خط کے ایک لفظ 'لوالی' میں بحث تھی 'لُؤْلُؤٌ' بر وزن فُعْلُلٌ ایک وزن رباعی مجرد کا ہے ۔ اُس کی جمع بر وزن فَعَالِلُ کہ ایک وزن منتہی الجموع کا ہے 'لآلیٔ' ہونی چاہیے لیکن عدول کسرے سے طرف ضمے کی درست نہیں تو 'لآلی' رہ جائے گا ۔

بشیر! تم بھائی بہن مل کر ماں کو تسلی دو اور سمجھاؤ ۔ غموں کے مارے آن کا بدن بہت تحلیل ہو گیا ہے ۔ "تاللہ تفتؤ تذکر یوسف حتی تکون حرضاً او تکون من الہالکین[۱]"۔

بشیر! چند روز کے لیے ایسا التزام کرو کہ اکثر اپنی ماں کے پاس بیٹھا کرو تاکہ آن کو ایذا دہ تصورات کا موقع نہ ملے ۔

۶۔ جون ، ۱۸۷۶ء

۲۶

کیوں جی! خیریت کیا لفظ ہے؟ ضرور عربی ہے ۔ خیر و شر ایک دوسرے کی ضد ہیں ؛ پس 'ی' اور 'ت' مصدری ہوگی جیسے قابلیت ، جاہلیت ۔ 'ی' اور 'ت' لگا کر صرف صفت کے صیغوں کو مصدر بناتے ہیں یعنی اسم فاعل، اسم مفعول ، صفت مشبہ ؛ چنانچہ لفظ خیر اسم اور صفت دونوں ہے ۔ 'بھلائی' اور 'بھلا' تو خیریت ٹھیرا لیکن در حالےکہ لفظ خیر خود مصدر ہے تو اس کو 'ی' 'ت' لگا کر مصدر بنانے کی کیا ضرورت ہے ، چنانچہ خیر و عافیت کہتے ہیں ؛ پس آیندہ سے صرف خیر یا خیر و عافیت لکھا کرو ۔

تم نے غلط سنا کہ میں ۔۔۔۔ کو پڑھاتا ہوں ۔ صرف ایک دن مولوی صاحب کی آنکھوں میں درد شدید تھا ، میں نے پڑھا دیا ۔ میں آن کو پڑھاتا نہیں بلکہ آن کے پڑھنے پر رشک (حسد نہیں) البتہ کرتا ہوں ۔ ما شاء اللہ ایسا کھرا اور ٹکسالی پڑھنا میں نے تو

۱۔ "بہ خدا تو تو یوسف[ؑ] کی یاد سے باز نہ آئے گا یہاں تک کہ تیرے ہوش و ہواس جاتے رہیں یا ہلاک ہو جائے" یہ اخوان یوسف[ؑ] کا قول ہے ، یہاں اقتباساً نقل ہوا ہے ، مرجع مؤنث ہے اور یوسف سے مجازاً اولاد مراد ۔

امیرزادوں میں نہیں دیکھا اور سبب اصلی اس کا یہ ہے کہ اول تو مولوی - - - کا طرز تعلیم ایسا ہے کہ بے یاد اور بے مطالعہ آن سے کوئی پڑھ نہیں سکتا - آن کو نئے مطالب کے بتانے میں تامل ہوتا ہے ، نہ کہ پڑھا ہوا ؛ دوسرے یہ کہ لڑکوں سے محنت بہت لی جاتی ہے - یہ بلا کی گرمی ہے اور ہر روز بلا ناغہ صبح سے نصف شب تک ؛ اس میں کہاں تک شاگرد بے دلی کرے گا - اب تم اپنی حالت سے مقابلہ کرو - یاد اور مطالعہ دو لفظ ہیں جو تمھاری ڈکشنری[1] میں داخل نہیں ؛ رہی محنت ، وہ اگر ہے بھی تو برائے نام - میاں بشیر! علم کسی کی میراث نہیں - ''کرتے کی بد یا'' مشہور بات ہے - تم ان سب سے بہتر ہو؛ بہ شرطیکہ جی لگاؤ اور کامل توجہ صرف کرو - تمھارا پڑھنا دنیا کی کل ضرورتوں پر مقدم ہے - خدا کے لیے تم اس سے غفلت مت کرو - تم فارسی کو زیادہ نہیں تو اس قدر درست کر لو کہ مراسلت کر سکو - اگر غور کرو تو ایک پہاڑ کاٹنے کو ہے - فارسی ، انگریزی ، عربی ، علوم ، ایک دفتر ہے لیکن ہمت قوی رکھو ، خدا تمھارا مدد گار ہے ، محنت کیے جاؤ -

۱۲- جون ، ۱۸۷٦ء

۴۷

تمھارا دھلی سے نفرت کرنا تمھارے حق میں ایک فال نیک اور جس کو خدا نے عقل و غیرت و حمیت دی ہوگی ، ضرور ہے کہ وہ اھل دھلی کے اوضاع و عادات کو نا پسند کرے - تم اپنے تئیں ایسا سمجھو کہ بہ ضرورت تحصیل علم پردیس میں ہو - تم ان

۱- لغات کی کتاب -

جھگڑوں میں مت پڑو ''دع فئة اضلّھا اللہ کیف ترشدھا[۱]''
میں جانتا ہوں کہ ان کو دینا اکارت ہے لیکن کیا کروں دینا ہی پڑھتا ہے ۔ تم اگر وہاں نہ ہوتے تو شاید برسوں بھی میں دھلی کی خبر نہ لیتا اور تم کو معلوم ہے کہ میں نے ان لوگوں کو نا قابلِ خطاب سمجھ کر مطلقاً ترک مراسلت کیا ۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے ان لوگوں کو گزند کیا پہنچتا ہے ۔ میں کسی طرح ان کا بار خاطر نہیں ۔ خدا نے تمام عمر مجھ کو ان کا شرمندۂ احسان نہیں کیا اور جہاں تک ہو سکتا ہے ، سلوک کر دیتا ہوں ۔ اگر شیوۂ انصاف سے دیکھو تو مرد اور عورت بڑے اور چھوٹے ہر ہر متنفس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایصال نفع ضرور کیا ہے ۔ احسان فراموشی کا علاج نہیں ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو ان کی مدح و ذم دونوں سے مستغنی کیا ہے ۔ اگر یہ لوگ میری مدح کریں تو مجھ کو کیا بخش دیں گے ۔ سوائے اس کے کہ مجھ کو خوش کر کے دو چار روپے مجھ سے لیں ، مجھ کو کون سا نفع پہنچا سکتے ہیں اور اگر ساری دلّی میں مجھ کو برا کہتے پھریں تو میرا کیا نقصان ہے ۔ ''قل موتوا بغیظکم[۲]'' اب ذرا بجنور والوں کی غیرت کو دیکھو کہ مولوی ـــ صاحب کا مجھ پر کتنا بڑا حق ہے اور اگر آ کھڑے ہوں تو میں اُن کو ٹال نہیں سکتا ۔ اُن کے ہاتھوں سے مجھے کبھی کسی قسم کی ایذا نہیں پہنچی اور اُن کے مدّ مقابل حضرات دھلی

۱۔ ''چھوڑ اُس گروہ کو جس کو خدا نے گم راہ کیا ہے ، کیوں کر تو اُس کو راہ پر لائے گا'' متنبی کے شعر کا ٹکڑا ہے ، پورا شعر یوں تھا :

یا عاذل العاشقین دع فئة
اضلھا اللہ کیف ترشدھا

۲۔ '' کہہ دے کہ اپنے غصے میں جل مرو'' ۔ اقتباس ہے ۔

ھیں کہ عمر بھر دیتا رہا اور پھر بھی آن کے مزاج درست نہ ہوئے ۔ حقیقت میں یہ مادۂ حسد ہے ؛ ان کو جلن اس بات کی ہے کہ خدا نے ان میں سے کسی کو یہ نعمت نہیں دی ۔ ''و اللہ یختص برحمۃ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم[1] '' ۔ بشیر ! خدا کے لیے تم اپنے خیالات آونچے ، حوصلہ فراخ ، ھمت بلند ، نظر سیر رکھو ۔

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بہ پائے مردیؑ ھم سایہ در بھشت

تُف ہے اس آسائش پر جو دوسرے کے طفیل حاصل کی جائے ۔ خدا تم کو کسی کا دست نگر نہ کرے اور ھمیشہ تمھارے ھاتھ سے لوگوں کو دلواتا رہے ۔ برخوردار ! تم ان سب باتوں سے قطع نظر کرو اور پڑھنے میں جی لگاؤ جس کی بڑی ضرورت ہے ۔ تم اپنی کوئی حاجت ـ ـ ـ ـ سے متعلق مت رکھو اور تم کو میرے برتاؤ سے خود معلوم ھو جائے گا کہ میں کہاں تک تمھارے مقابلے میں روپے کو عزیز رکھتا ھوں ۔ اے دشمنانِ عقل! اگر روپیہ تمھارے خلافِ خواھش کچھ پس انداز ھوگیا ہے تو تم کو اس کا حسد کیوں ہے ۔ میں تو اس کو اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا ۔ یہ لوگ کبھی خوش ھو نہیں سکتے تا وقتیکہ اپنے حسد کے مطابق مجھ کو تنگ حال نہ دیکھیں ''و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولوکرہ[2] ـ ـ ـ ـ '' بشیر! کہاں تک تم سے دکھڑا روؤں ۔ معاملے کی صفائی کا یہ حال کہ گھر کے گھر

۱- ''خدا جس کو چاھتا ہے اپنی رحمۃ سے اختصاص بخشتا ہے اور خدا بڑا ھی فضل والا ہے''۔

۲- ''خدا نہیں چاھتا مگر یہ کہ اپنی روشنی کو پورا کرے اگرچہ ـ ـ ـ کو برا لگے'' اقتباس ہے ۔

میں نصف روپیہ غائب ۔ تم ان جھگڑوں میں اپنا وقت ضائع مت کرو ۔

عجبت من شیخی و من زھدہ
و ذکرہ النار و اھوالھا
یکرہ ان یشرب فی فضۃ
و یسرق الفضۃ ان نالھا[1]

اگر کہیں یہ خط نظر پڑ گیا تو نارِ فساد مشتعل ہو گی اور تم پر سب مل کر نرغہ کریں گے ؛ اس خط کو پڑھ کر چاک کر دینا ۔ میں نے صرف تمھاری اطلاع کے لیے یہ حال لکھا ہے ورنہ میں نے تو سمجھ لیا ہے : ع

شاد باید زیستن نا شاد باید زیستن

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے باب میں یہاں بیٹھا ہوا کیا رائے دوں ؛ مُصالحہ اچھا ہے ، بشرطیکہ صمیم قلب سے اس کی خواہش ہو اور طرفین سے اس کی تمنا کی جائے ''فاصطلحا و الصلح خیر[2]''۔

بشیر ! ذرا کھانے پینے میں احتیاط رکھا کرو ؛ وہ احتیاط یہ ہے کہ اوقات منضبط ؛ خلاف وقت مت کھایا کرو اور اقسامِ اطعمہ بھی مضر ہیں ۔ ایک غذا سے جو جی کو بھائے ، پیٹ بھر لینا ضامن تندرستی ہے ۔

۱۵- جون ، ۱۸۷۶ء

۲۸

تمھارے کان بھی ضرور اس مصرع سے آشنا ہوں گے : ع

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

۱- مجھ کو شیخ اور اس کی پرہیزگاری اور بیان آتش و شدائد دوزخ سے تعجب آیا ۔ چاندی میں کچھ پینے کو برا جانے اور ہاتھ آئے تو چرا لے ۔
۲- پس دونوں مل جاؤ اور ملنا اچھی بات ہے ۔

طول اور وضع اور تعداد انامل[۱] کے اختلاف سے انگلیوں کو اعانت اور استعانت کا عمدہ موقع دیا گیا ہے ، یعنی انگلیوں کے اختلاف حالت نے ہاتھ کو زیادہ قوی اور بہ کار آمد بنا رکھا ہے ، مگر اس اختلاف کی بھی ایک حد ہے معیّن ، جس میں افراط و تفریط کی گنجائش نہیں ؛ یہی حال ہے ایک خاندان کے لوگوں کا ۔ اگر آن کی حالتیں ایک اندازۂ مناسب تک متفاوت ہیں تو یہ اختلاف منفرداً آن کے اور مجتمعاً سارے خاندان کے حق میں مفید ہوگا ، لیکن فرض کرو کہ کسی کے ہاتھ کی ایک انگلی بے موقع بڑھ کر گز بھر کی ہو جائے تو وہ لمبوتری انگلی عذاب ہوگی اپنے حق میں اور دوسری انگلیوں کے حق میں اور سارے ہاتھ کے حق میں ۔ تموّل کے اعتبار سے اپنے خاندان کے ہاتھ میں وہ لمبوتری انگلی میں ہوں ؛ نہ آپ خوش رہ سکتا ہوں اور نہ دوسروں کو خوش رکھ سکتا ہوں ۔

۲۹

آج میں ---- صاحب کے یہاں بیٹھا تھا ، کیا دیکھا کہ ---- اور ---- مولوی صاحب سے سبق پڑھتے اور ہر وقت آن کو ---- صاحب اپنے رو برو بٹھا کر یاد کراتے ۔ داناں[۲] احمق نما اگر نہ دیکھا ہو تو ---- صاحب کو دیکھو کہ اس شخص کا قیافہ اور گفتگو خالی از سفاہت[۳] و سادہ لوحی نہیں ، لیکن اپنے معاملات کو یہ شخص بڑے انہماک[۴] اور اہتمام سے انجام دیتا ہے ۔ رعایا سے تعلقہ

۱۔ انامل جمع انمله ، انگلیوں کے بند یعنی پوریں ۔
۲۔ یعنی ظاہر میں دیکھو تو معلوم ہو کہ احمق ہے مگر حقیقت میں بڑا سیانا ۔
۳۔ حمق ، نادانی ۔
۴۔ ہر وقت ایک کام کے پیچھے پڑے رہنا ۔

کو حسن تدبیر سے ایسا سر کیا کہ آج وہ علاقہ مثل زد ہو رہا ہے۔ اب ان بچوں کی تعلیم میں اس بلا کی آمادگی اور تن دہی ہے کہ اگر اُس کی کیفیت واقعی لکھی جائے تو مبالغہ معلوم ہو۔ وہیں بیٹھے بیٹھے میرے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ یہ شخص تین بیٹے رکھتا ہے اور جائدادِ وافر و مستمر[۱] کا مالک ہے۔ اگر اس کے لڑکے نہ بھی پڑھیں تاہم کم سے کم ہر متنفس سو سو روپیہ ماہوار کی آمدنی رکھے گا۔ میرا کیا حال ہے کہ ایک بیٹا اور پیشہ نوکری اور علم میراث خاندانی۔ تو جب ـ ـ ـ ـ صاحب کو اپنے بچوں کی تعلیم میں یہ سرگرمی ہے، مجھ کو اُس سے ہزار چند ہونی چاہیے لیکن میں یہاں، تم وہاں، دور بیٹھے کیا کر سکتا ہوں؛ سوائے اس کے کہ خطوط کے ذریعے سے تاکید کیا کروں، لیکن پھر یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آدمی کے دل کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے۔ انسان کا بدن قید کیا جا سکتا ہے، اُس کی آنکھ پر پٹی باندھ سکتے ہیں، کان میں روڑ ٹھونس سکتے ہیں، منہ پر مہر لگا سکتے ہیں پر دل کو قابو میں نہیں لا سکتے۔

پس نہ میں تم پر جبر کرتا نہ تاکید بلکہ بہ عجز و الحاح تم سے عرض کرتا ہوں کہ بشیر! خدا کے لیے لیاقت پیدا کرو۔ میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ تم سے توقعات پیدا کر لوں۔ جب تک تم کو لیاقت حاصل ہو اور اس لیاقت پر کوئی فائدہ مترتب ہو، ضرور نہیں کہ میں جیتا رہوں۔ میرے باپ نے میرے پڑھانے میں بڑی جاں فشانی کی تھی لیکن افسوس کہ وہ مرحوم و مغفور تغمّدہ اللہ باحسانہ و اسکنہ بحبوحۃ جناتہ[۲]، دنیا سے ناکام

۱- جس کو ہمیشہ کے لیے قیام ہو۔
۲- خدا اُن کو اپنے احسان سے ڈھانپے اور اپنی جنتوں کے بیچوں بیچ بسائے!

گئے ۔ میرے ڈپٹی کلکٹر ہونے سے آن کو مطلق نفع نہیں پہنچا ؛ پس آن کی محنت کا نفع نہ ان کو ملا بلکہ مجھ کو اور تمھاری ماں بہنوں کو اور تم کو اور دوسرے اعزہ و اقارب کو ۔ جو معاملہ میرے والد اور میرے ساتھ ہوا ، کیا میرے اور تمھارے ساتھ ہونا ناممکن ہے ؟ اس سے قطع نظر خدا نے مجھ کو ایسی حالت میں رکھا ہے کہ اگر اس کو ثبات ہو تو شاید تا دم مرگ مجھ کو ضرورت نہ ہوگی کہ تم کو تکلیف دوں ۔ پس ایسی حالت میں میرا تم پر بار بار موکّد ہونا بہ خدا صرف تمھارے ذاتی نفع کے لیے ہے جس کو میں بہ اقتضائے شفقت پدری اپنے ذاتی نفع پر مقدم رکھتا ہوں ۔

نصحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را
نصیحتے کنمت بہ شنو و بہانہ مگیر
ہر آں چہ ناصح مشفق بہ گویدت بپزیر

میں یہ نہیں کہتا کہ تم کو سود و زیان کا تفرقہ ، نیک و بد کا امتیاز نہیں لیکن اتنا کہوں گا کہ تم کو بے قراری کا شوق نہیں؛ یہ اگر ہو تو پھر وہی تمھارا آستاد ہے ، وہی تمھارا ساز و سامان ۔ آدمی خود ایجاد کرتا ہے کہ کیا کروں ، کیوں کر کروں ۔ نیسسٹی از دی مدر آف انونشن[1] ۔ پس ' نیسسٹی[2] ' پیدا کرو اور وہ نہیں ہے مگر طلب صادق ، جیسے زور کی بھوک ، تڑاکے کی پیاس ۔ یہ تصور کہ شاید عربی میں تم کو بہتر پڑھاتا ، مجھ کو اکثر ایذا دیا کرتا ہے ۔

۱۔ حاجت ام الا یجاد ہے ، یعنی حاجت سے سب باتیں پیدا ہوتی ہیں ۔

۲۔ حاجت ، ضرورت ۔

لیکن وهی شوق هو تو هر استاد باپ سے بڑھ کر کام دے : ع
شوق در هر دل که باشد رهبرے درکار نیست
اس کہنے سے کیا فائدہ ہوگا کہ ''تم فلاں چیز فلاں شخص سے پڑھو'' ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھالو ۔ تم بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ فراغ جو تم کو ماشا اللہ اب میسر ہے کب تک رہے گا ؛ پس ان سرٹینٹی [1] کی صورت میں صرف اس قدر تعطّل [2] جائز ہے جو حفظ صحت کے لیے ضرور ہے ۔ میں کیا صرف تاکید کرنے پر قانع ہوں ، میرا دل کم بخت کب صبر کرتا ہے ۔ میں تمھارے فائدے کے لیے پس انداز بھی کرتا جاتا ہوں لیکن سمجھتا ہوں کہ علم سے بڑھ کر دولت نہیں اور اگر دولت علم پر میرا وہ اختیار ہوتا جو روپے پر ہے تو بشیر! خدا کی قسم میں تم کو زبان تک نہ ہلانے دیتا ؛ افسوس اسی کا ہے کہ دولت علم بے اپنی محنت کے جمع نہیں ہو سکتی ۔ خدا اس کا گواہ ہے ''وَکَفٰی بِاللہِ شَھِیداً [3]'' کہ میں تم سے روپے کو دریغ نہیں کرتا ۔ اگر تم فیس مدرسہ کے علاوہ روپیہ خرچ کرنے سے فائدۂ علمی حاصل کر سکو تو میں بہ طیب خاطر اس خرچ کو گوارا کروں گا ؛ چاہے وہ کتاب کے دام ہوں یا معلّم کی اجرت ۔ الغرض میں تمھاری تعلیم میں ہر طرح کی کوشش مالی و دماغی و جسمانی و روحانی کرنے کو موجود تھا اور ہوں اور رہوں گا ۔ گو تم نے اب تک کامل شوق نہیں کیا لیکن پھر بھی مجھ کو تم سے امید ہے اور میں باور کرتا ہوں کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور شوق کرو گے کیوں کہ خدا نے تم کو سمجھ اچھی دی

۱۔ تذبذب ، عدم تیقّن ۔
۲۔ بے کاری ۔ ۳۔ اور خدا کی گواہی کافی ہے ۔

ہے ۔ ''و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء[۱]'' اگر میں تم کو نامور اور کامیاب زندگانی میں چھوڑ کر دنیا سے اٹھ جاؤں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بڑے اطمینان سے جاؤں گا ۔ ''رب قدآ تیتنی من الملک و علمتنی من تاویل الا حادیث فاطر السمٰوات والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرة توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین[۲]'' ۔

۱۹ - جون ، ۱۸۷۶ء

۳۰

کل تمہارا خط مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے نام کا نظر پڑا ۔ تم اس کو دشمنی تجویز کرو یا دوستی ، مجھ کو ہر وقت تمہارے عیوب پر نظر رہتی ہے ۔ تمہارے خط میں کئی غلطیاں تھیں ۔ سلام و علیک تمہاری معمولی غلطی ہے ۔ تم نہیں سمجھتے کہ سلام علیک یا السّلام علیک صرف دو ہی عبارتیں سلام کے لیے موزوں ہیں ۔ '' سر روح'' کوئی رگ نہیں ، ''سر رو'' البتہ ایک رگ ہے جس کا خون نکالنے سے امراض وجہ[۳] کا ازالہ ہوتا ہے ۔ لوگوں کی غلطیوں کو کہاں تک گرفت کرو گے ۔ ہفت اندام کو ہفتمدام ۔ با سلیق کو بادسلیخ بولتے ہیں ۔ جُمادیٰ بروزن فُعالیٰ مؤنث کا صیغہ ہے ۔ الفِ مقصورہ علامتِ تانیث موجود ہے ؛ پس الثانیۃ اس کی صفت ہو سکتی ہے نہ الثانی یعنی جُمادیٰ الاولیٰ و جُمادیٰ الثانیہ کہنا چاہیے ، نہ جادی الاول اور

۱- اور یہ خدا کی دین ہے جس پر چاہے فضل کرے ۔

۲- خدایا! تو نے مجھ کو ملک دیا (یعنی حکومت) اور باتوں کی تاویل کا سلیقہ سکھایا ۔ اے زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے! تو دنیا اور آخرت میں میرا مددگار ہے ۔ اٹھا مجھ کو مسلمان اور ملا مجھ کو نیکو کاروں سے ۔

۳- چہرے کی بیماریوں کا دفعیہ ۔

جمادی الثانی - جُمادی کے معنی ہیں زمین شور کے ؛ چونکہ یہ مہینا عرب میں خشکی اور گرمی کا ہے ، جُمادیٰ کہلایا -

۲۱- جون ، ۱۸۷۶ء

۳۱

تمہارا بہت وقت مراسلت میں صرف ہوتا ہے - مطلق کھیلنے سے تو خط لکھنا بہ مدراج بہتر ہے لیکن سٹڈی (Study) میں خلل انداز ہو تو واجب الترک ہے اور جو شخص اس کثرت سے خط لکھے گا ، ممکن نہیں کہ وہ سٹڈی کے لیے زیادہ وقت بچا سکے گا - میں تم کو منع نہیں کرتا ، لکھو پڑھو مگر اپنا اصلی مطلب فوت مت ہونے دو - جتنی لگاوٹ تم ان کشامرہ[1] اور پورب والوں سے کرتے ہو ، ان نابکاروں میں اُس کا عشر عشیر بھی نہیں پاتا - دنأت[2] اس درجے کو پہنچی کہ ایک خط بے رنگ آجائے تو منہ بنائیں ، گالیاں دیں اور بے چارے ہرکارے سے ناحق دست و گریباں ہو پڑیں - یہ آلو کے پٹھے اشعار کیا سمجھیں مگر ان کو بُز اخفش[3] بنا کر مشق بہم پہنچانا اچھا ہے - اس کا لحاظ رہے کہ تمہارے الفاظ پر یہاں بڑی گرفت ہوتی ہے اور یہ اچھی بات ہے - تم نے کہیں السّلامی علیکم لکھا تو یہ صریحاً غلط تھا - سلامی مضاف مضاف الیہ میں اضافت معنوی ہے کیوں کہ جب صیغۂ صفت اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو اس کو اضافت معنوی کہتے ہیں اور اضافت

۱- کشمیری کی جمع - ۲- رخسّت -

۳- اخفش ایک بڑا عالم نحوی تھا - اس نے اپنا طریقہ یہ رکھا تھا کہ باریک مسائل نحو کو اپنے ایک بکرے کے آگے بیان کیا کرتا اور توضیح در توضیح کرتا جاتا ، یہاں تک کہ اتفاق طور پر جب بکرے کا سر ہل جاتا تو الگ ہو جاتا اور سمجھتا کہ بس اتنی توضیح کافی ہے -

معنوی تعریف پیدا کرتی ہے مضاف میں، اگر مضاف الیہ معرفہ ہو ورنہ تخصیص ۔ تو یہاں یائے متکلم اعراف المعارف مضاف الیہ ہے، تو سلامی معرفہ ہوا، اب اس پر الف لام آ نہیں سکتا ۔ اور بھی چند غلطیوں کا تذکرہ یہ لڑکے مجھ سے کرتے تھے ۔ اس میں برا مت مانو، یہ تو ایک فائدے کی بات ہے ۔

تمہاری عبارت پر ان کو سرقے کا احتمال ہے، یعنی یہ کہ تم کسی کی عبارت چراتے یا کسی دوسرے سے لکھواتے ہو ۔ ان میں شقِ دوم سخت مذموم ہے ۔ سرقہ ابتدا میں سب کرتے اور اس کا کوٹ[1] نام رکھتے ہیں لیکن جب کوٹ کرو، اساتذہ کا کلام؛ صرف نامی لوگوں کے کلام پر نظر پڑتی رہے ۔ لیکن بشیر! انگریزی کا درست کرنا مقدم ہے اور یہ تو فراغ خاطر کے مشغلے ہیں ۔ اگر ابھی سے طبیعت کو ادھر مصروف کروگے تو انگریزی سے محروم رہ جاؤ گے ۔ کجا اردو فارسی کجا انگریزی، شتّان بینہما[2]۔ بہ ہر کیف جو کچھ کسی کو لکھو معترضانہ مخاصانہ، اس کو مکرر دیکھ لیا کرو ۔ والسلام ۔

۲۷ - جون، ۱۸۷۶ء

۳۲

کل والا طولانی خط میں نے بھیجتے تو بھیج دیا لیکن تب سے خدشہ لگا ہے دیکھیے انجام کیا ہو ۔ عقلوں کی سلامت اور نفوس کی صلاح معلوم، کسی معقول بات کا اثر پیدا کر دینا متعذر ۔ تم کچھ عقل رکھتے ہو لیکن تمہاری وقعت کیا ہے اور پھر کوئی آدمی اپنے تئیں احمق کیوں سمجھنے لگا ۔ سعدی کا کیا اچھا قطعہ ہے اور سچ یہ ہے کہ اس کا سارا کلام نظم و نثر عمدہ اور یاد

۱- ایراد اقوال اساتذہ ۔

۲- دونوں میں بڑا بعد ہے ۔

وکھنے کے لائق ہے ۔ شعر

یکے جہود و مسلماں مناظرہ کردند
چناں کہ خندہ گرفت از نزاعِ ایشا نم
جہود گفت بہ توراۃ می خورم سوگند
وگر دروغ بود ہم چو تو مسلمانم
بہ طنز گفت مسلماں کہ گر قبالۂ من
صحیح نیست خدایا جہود می رانم
گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد
بہ خود گماں نہ برد ہیچ کس کہ نا دانم

بشیر ! اگر ہو سکے تو بہ نظر تحقیق اس شخص کا کلام پیش نظر رکھو ۔ میں کہاں سے کہاں جا نکلا ۔ غرض جتنے احمق ہیں وہ اپنے پندار میں احمق نہیں ، تو ایسی صورت میں کیا توقع کی جا سکتی ہے : خصوصاً جب کہ ادّعائی رنجش درمیان میں ہو ۔ اگر تم دیکھو کہ زیادہ بے لطفی کا احتمال ہے تو برخوردار ! اس خط کو پھاڑ ڈالو اور ۔۔۔۔ صاحب کو مت سناؤ اور مجھ کو میری حالت پر چھوڑ دو ۔

بشیر! خدا کے لیے جی لگا کر پڑھو اور پڑھنے پر محنت کرو ۔ چند روز کی تکلیف ہے اور ان شاء اللہ عمر بھر کی آسائش ۔ تم کو دھلی والوں کے جھگڑوں میں دخل دینا ضروری نہیں ۔ تم یہ سمجھو کہ تحصیل علوم کی ضرورت سے مسافرانہ دھلی میں ہو : کتاب سے سروکار رکھو اور تمھارا وطن یا گھر میرے دل میں ہے ۔ جس قدر تم ان لوگوں سے بے تعلق اور الگ تھلگ رہو گے ، آسائش میں رہو گے ۔ رہی یہ بات کہ فلاں شخص ہم سے کم محبت کرتا ہے ، اس کی کچھ شکایت نہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو اس نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کی محبتوں کا محتاج نہیں کیا ۔ خدا کی

محبت و مہربانی کافی ہے ۔ تمہارا مزاج میری طرح آنس پزیر ہے اور جب تم کو خلاف توقع لوگوں کی مدارات نظر آتی تو بہ اقتضائے بشریت رنج ہوتا ۔ استغنا کو اپنا اصول زندگی قرار دو ۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے : شعر

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

لگ لپٹ کر ضروری امتحانوں سے فراغت حاصل کرو ، پھر کہاں تم اور کہاں دھلی ، یہ بھی امور اتفاقیہ ہیں ۔

دمے با نیک خواہاں متفق باش
غنیمت داں امور اتّفاق

یاد آیا کہ تم نے کسی خط میں 'المسلم مرآۃ المسلم'[۱] کو 'مراءۃ المسلم' لکھا ہے ۔ 'مرآۃ' اصل میں مفْعلَۃٌ اوزان آلہ میں سے ہے ۔ مفعل ، مفعلۃ ، مفعال ۔ مادہ 'رأی' مصدر مجرد رؤیۃ ۔ مرأیۃ کی ی بہ وجہ تحرک و فتح ما قبل الف ہوگئی ۔ مرآۃٌ یعنی دیکھنے کا آلہ ، وہ کیا ہے ؟ آئینہ ۔ فارسی کی انشاؤں میں اکثر الفاظ عربی ملے جلے رہتے ہیں ۔ جب کوئی ترکیب دیکھو اس کی اصلیت تحقیق کرو ؛ مثلاً 'خاطر نیاز مآثر' اور 'تسلیمات کورنش سمات' اور اسی طرح کے ہزاروں لفظ ہیں کہ بے توجہی میں نظر سے گزر جاتے ہیں اور تحقیق کرنے بیٹھو تو ایک گھنٹے سے کم میں وہ لفظ ٹھکانے نہیں لگتا ۔

۲۸- جون ، ۱۸۷۶ء

۳۳

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ آدمی اپنی رائے کے

۱- مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے ۔

ظاہر کرنے میں مطلق باک نہ کرے ۔ جو لوگ ظاہر نہیں کرتے وہ رائے تو رکھتے ہیں مگر بزدلی یا نفاق کی وجہ سے اس کے اظہار پر قادر نہیں ۔ گو تم اپنے پندار میں اپنی رائے کو منصفانہ سمجھتے ہو اور عجب نہیں کہ ایسی ہی ہو بھی لیکن میں اس کے منصفانہ ہونے کا قائل نہیں ہوں ۔ تاہم میں تمھاری مدح کروں گا کہ تم نے ’ ویکرسکس ‘ ‘ کی جانب داری کی ، انسان جس سوسائٹی میں ہوتا ہے وہ اپنے تئیں اس سوسائٹی کے انفلوئنس سے بچا نہیں سکتا ۔ پس پہلی دلیل تمھاری پارشیلٹی کی تمھارا آس سوسائٹی میں ہونا ہے ’’ ان الا نسان خلق ضعیفاً ‘‘ کے ضعف میں ضعف رائے بھی داخل ہے ۔ میں ایسا ہٹ دھرم نہیں (یا نہیں ہونا چاہتا) کہ تم مجھ کو میرے فالٹس پر متنبہ کرو اور میں اعتراف کرنے پر عار کروں ۔ میں تمھاری نظر میں اپنے تئیں آس سے زیادہ نیک بنانا چاہتا ہوں اور اس سے زیادہ معقول پسندی کی صفت ظاہر کرنے کی فکر میں ہوں جتنی کہ مجھ میں ہے اور یہ آدمی کے نیچر کا اقتضاء ہے ۔

۳۴

تمھاری انگریزی نہ میرے پاس ہے ، اس واسطے کہ میں نے دیکھنے کا قصد بھی نہیں کیا اور دیکھتا تو کیا دیکھتا ۔ اگر تم سوچ کر لکھو اور پڑھنے میں طرز ادا اور محاورات کا لحاظ کر لیا کرو تو شاید میرے برابر لکھ سکو ۔ اور نہ وہ انگریزی ---- کے پاس ہے کیونکہ ان کو اتنا دماغ کہاں ؛ البتہ ---- بہ مدد گرامر آس میں اصلاح دے رہے ہیں ۔ کیا تم کو اس لڑکے کی افتاد مزاج معلوم نہیں ؛ ایک دو برس کے بعد وہ متقدمین پر بھی

۱- صنف ضعیف نسواں ۔

ضرور جرح[1] کرے گا ۔

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

مولوی - - - کوتو کنایۃً میاں جی بد استعداد کہنے لگا ۔ تم کو نہ وہ پہلے کچھ سمجھتا تھا ، نہ اب سمجھتا ہے اور اس کا سبب خود اسی کی جہالت اور نادانی ہے ۔ پس تم ایسے احمقوں سے کیا معارضہ کرتے ہو ۔ ''تکلموا الناس علی قدر عقولھم[2]'' ۔ تم کو خدا نے اس پر برتری دی ہے '' و الحمد للہ علی ذلک لا فخر[3]''۔ تم اپنی حالت کا موازنہ اپنے ابنائے جنس میں کرو - - - - اپنے فخر خاندان ہیں مگر اس خاندان کو علم و فضل سے کیا مناسبت ؛ فارسی کو تو اس نے مدت ہوئی طاق بلند پر رکھ دیا ، بدیں عبارت '' موت کر چھوڑا '' ۔ عربی میں ہر روز مولوی صاحب سے تو تو میں میں ہوا کرتی ہے ۔ انگریزی کا حال مجھ کو معلوم نہیں ۔ کسی سے کہتا تھا کہ '' گرامر انگریزی ڈپٹی صاحب نہیں جانتے ، لغت میں نے کئی پوچھے ، ان کو نہیں آئے ، پھر نہیں معلوم انگریزی کیا جانتے ہیں'' یہ اس کا کہنا حق تھا مگر وہ حق جس کو '' الحق مُرّ[4] '' کہا ہے - - - - - کے مزاج میں ابھی کچھ سلامت روی ہے مگر عارضی : ع

عصمت بی بی ست از بے چادری

تم کو کوئی ضرورت ان لوگوں سے بگاڑ کرنے کی نہیں ہے ۔ میں بھی ان لوگوں سے تفریحاً ملتا ہوں ، تم بھی ایسا ہی تعلق

۱- اعتراض ۔
۲- لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کیا کرو ۔
۳- اور اس پر خدا کی ستائش ہے ، نہ نازش ۔
۴- سچی بات کڑوی ہوتی ہے ۔

رکھو۔ دل خوش کن دو چار باتیں کہیں سنیں ، الگ ہوگئے۔ غلطیاں جو تم نے گرفت کیں ، سب درست ہیں اور بہت غلطیاں تم نے نظر انداز کیں۔

خط لکھا ایسا کہ سر تا پا غلط
خود غلط ، املا غلط ، انشا غلط

ایک جگہ تم نے 'زبان مقطوع البیان' کو 'مقطوع اللسان' سمجھ کر لتاڑ کی ہے۔ زبان مقطوع اللسان یا لسان مقطوع اللسان بے شک مہمل ہے۔ مقطوع البیان بھی عبارت اچھی نہیں ، قاصر البیان چاہیے۔ لیکن کیا ۔ ۔ ۔ ۔ نے یہ لفظ اپنی طبیعت سے ایجاد کیا۔ ضرور کسی انشا سے لیا ہوگا۔ عجمیوں نے عربی کی ایسی بہت سی مٹی پلید کی ہے۔ کاش اسی کاوش سے انگریزی پر نظر ہو اور اے کاش! یہی کاوش چندے عربی میں چلی جائے۔ ماشا اللہ ولاقوۃ الا باللہ ان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لمّا سمعوا الذکر ویقولون انہ المجنون[1]۔

ایک محقق کا مقولہ ہے کہ انگریزی دو قسم کی ہے۔ کتابی اور روزمرہ (کرنٹ انگلش)۔ کہتے ہیں کہ روزمرہ کے واسطے اور قوت تحریر زیادہ ہونے کے واسطے اور معلومات عامہ کے واسطے مطالعۂ اخبار انگریزی ضروری ہے۔ تم کسی سوسائٹی یا کلب میں جایا کرو یا خود کوئی عمدہ اخبار لیا کرو۔ بشیر! پڑھنے کے سامنے خرچ کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ اگر خدا برکت دے تو یہ خرچ ایسا ہے کہ چند روز میں اضعافاً مضاعفہ اس سے حاصل ہوگا؛

۱۔ "جو کچھ خدا نے چاہا ، اور قوت نہیں ہے مگر خدا کی مدد سے اور کافر قریب ہے کہ تجھ کو وعظ سنتے وقت اپنی نظروں سے ڈگاویں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہے" یہ آیت دفع نظر کے لیے پڑھتے ہیں۔

پس یہ خرچ تجارت رابحہ[1] ہے۔

تم نے خط میں ' ذرا ' لکھ کر ' زرا ' بنایا ۔ اصل میں ' ذرہ ' عربی ہے ، ذرات جمع ۔ تصرفات عجم سے مخفف ہو گیا تو کتابة ' ذرا ' درست ۔ فقط ۔

۳۵

مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب تمہارا اسباب لے گئے ہیں ۔ تم اپنی ضرورت کی چیزوں سے مطلع رکھو ۔ کتاب وغیرہ ، جو کچھ درکار ہو ، لکھ بھیجو ، میں روانہ کر دوں گا ۔ تم جو چاہو فرمائش کرو ، میری صرف یہی ایک فرمائش ہے کہ تم پڑھو ۔

ابر و باد و ماہ و خورشید و فلک درکار اند
تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

تم نے آخر اپنا فارسی خط تو درست کیا کہ ھاتھ سنبھال کر لکھتے ہو تو بھلا معلوم ہوتا ہے ۔ ذرا سا لحاظ قاعدوں کا کر لو کہ کس طرح حروف کو ترکیب دیں تو اور عمدگی پیدا ہو ، لیکن انگریزی خط کو تم نے پیٹ بھر کر بگڑنے دیا ۔ خوش خطی کوئی کمال نہیں مگر ہنر ہے اور شروع میں تھوڑا سا اہتمام کرنے سے آدمی خوش خط ہو جاتا ہے اور جب ھاتھ نے ایک روش اختیار کرلی تو گھسیٹ میں بھی وہی شان باقی رہتی ہے ۔ میں مانتا ہوں کہ مجھ میں ہنر خوش خطی نہیں ہے، توکیا ضرور ہے کہ تم میرے معائب و مناقص کی تقلید کرو ۔ ''خذ ما صفا دع ما کدر''[2] ۔ اگر مجھ میں کوئی صفت ہے ، خدا تم میں وہ صفت علیٰ وجہ الکمال پیدا کرے ۔ میرے عیوب سے خدا تم کو بچائے ، آمین ! ذرا انگریزی خط پر توجہ

۱- پُر منفعت تجارت ۔

۲- نتھرے ہوئے کو لے لو اور گدلے کو چھوڑ دو ۔

کرو ۔ اگر قلم ، دوات ، کاغذ علی وفق المراد نہیں ، یہ چند پیسوں کی چیز ہے اور ہنر اگر ہاتھ میں آ گیا تو دولت لازوال ۔

گو تم کو اپنی والدہ سے عارضی ناخوشی ہو لیکن بشیر! تم کو خدا نے عقل دی ہے ، تم ان کی پوری اطاعت کرو ۔ ماں میں نمونہ شفقت الٰہی کا ہے اور ماں باپ کے جوحقوق شارع نے قرار دیے ہیں ، وہ حقیقت میں تلافی ہے اُن احسانوں کی جو ماں باپ اپنی اولاد پر کرتے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری والدہ کبھی تم سے بےسبب ناخوش ہوں لیکن :

آن را کہ بہ جائے تست ہر دم کرمے
عذرش بنہ ار کند بہ عمرے ستمے

۲- جولائی ، ۱۸۷۶ء

۳۶

مجھ کو تمہاری تین باتیں پسند آئیں ۔ تم نے فارسی خط کچھ درست کیا ، قرآن مجید پر تمہاری نظر ہے کہ اس سے استشہاد کرتے ہو ، یہ بڑی مفید چیز ہے ؛ عبارت فارسی لکھنے پر قدرت پیدا کرتے جاتے ہو ۔ اگر زبان انگریزی ، گرامر ، کمپوزیشن اور علوم ریاضی میں بھی اسی نسبت کے ساتھ توجہ کرو تو بس کافی ہے ۔ اس کو سمجھ لو کہ عربی فارسی لوگوں یعنی ابنائے جنس میں سرخ روئی پیدا کرنے کی چیز ہے اور انگریزی تو بابا فی زماننا[1] ھذا رزق کی ڈوئی ہے ۔ اگر انگریزی کو شرط رزق کہا جائے تو بجا ۔

پس انگریزی کی طرف مزید توجہ لازم اور ظاہرا تم یہ نہیں کرتے اور برا کرتے ہو ۔ اجی حضرت! انگریزی مول[2] اور عربی فارسی روکھن ۔ جتنی عربی فارسی تم اب جانتے ہو ، دنیا کی کاروائی

۱- ان دنوں ۔ ۲- اصل ، راس المال ۔

کو بہت ہے لیکن انگریزی کیا ہے ''ہیچ بد تر از ہیچ'' - اس
کو خدا کے لیے سمجھو- مصیبت یہ ہے کہ مجھ کو انگریزی
نہیں آتی ورنہ تم غفلت نہ کرنے پاتے -

۳- جولائی، ۱۸۷٦ء

۳۷

بشیر! اب میں بھی سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملا ہوں - میں نے پادری صاحب سے بائبل[۱] پڑھنی شروع کی ہے - افسوس کہ ان کو ہفتے میں دو دن فرصت ہوتی ہے، وہ بھی صرف ایک گھنٹہ لیکن اتنا بھی خالی از منفعت نہ ہوگا - پہلے ہی سبق میں مجھ کو اپنی چند غلطیوں پر تنبہ ہوا -

۱۱- جولائی، ۱۸۷٦ء

۳۸

بشیر الدین احمد! بارک اللہ فیک[۲]!

خدا کی شان ہے، وہ شخص جو برسوں دہلی کو خط لکھنا نہ جانے، اب دہلی کے خط کو ترسے - میں تمہارے طرز مزاج سے خوب آگاہ ہوں اور مطمئن ہوں کہ تم نے خط کا لکھنا اپنے ارادے سے بند نہیں کیا - عجب نہیں کہ تم کو وہاں کے عقلاء نے مخبریا نمام[۳] کہا ہے اور تم نے اس تہمت کا انتظام یوں کیا ہے کہ مراسلت موقوف، لیکن ترک مراسلت میں تم اپنا بڑا نقصان کر رہے ہو - آخر میں تم کو یہاں دور بیٹھا ہوا تعلیم نہیں کرسکتا، تاہم نیک صلاح تو دے سکتا ہوں - مجھ کو امید ہے کہ عربی کے اصلاحی خطوط فائدہ دیتے ہوں گے - انگریزی میں اصلاح نہیں، نہ سہی، صلاح کیا کم ہے -

---

۱- کتاب مقدس - ۲- خدا تم میں برکت دے -
۳- چغل خور، سخن چین -

پس تم بہ قدرِ تعلقِ تعلم ترکِ مراسلت مت کرو۔ اگر علی[1] وفق العادات المعہودہ تمھارے اصلاح طلب خطوط کا سلسلہ جاری رہے، مجھ کو رضامند رکھنے کے لیے کافی ہے، میں انھی خطوط سے تمھاری ذاتی خیر و عافیت بھی مستنبط کر لیا کروں گا ۔ تمھارے امتحانی سوالات کل میں نے واپس کر دیے۔ سوالات کا واپس کر دینا ایک اچھا طریقہ ہے ۔ اس سے تم کو اپنی غلطیوں پر تنبہ ہو سکتا ہے ۔ میں نے سید احمد خاں کے کالج کے کاغذات بھی تم کو بھیجے ہیں ۔ اب سید احمد خاں نے پنشن لی اور بہ نفس نفیس مقیم علی گڑھ رہیں گے ۔ ضرور ہے کہ اب مدرسے کا انتظام یوماً فیوماً عمدہ ہوتا جائے ۔ سید احمد خاں کو سکالر شپ[2] بہت مل گئی ہیں اور یہ جلب رغبات[3] کا اچھا ذریعہ ہے ۔

''ما یغنیک فی الصرف'' کے پروف عن قریب آنے والے ہیں ، میں آن کو تمھارے پاس بھیجتا رہوں گا ۔ ''ما یغنیک'' اور ''توضیح المرام'' گو آردو ہیں لیکن غور سے سمجھ کر پڑھو اور یاد رکھو تو صرف و نحو میں کافی ہیں ۔

پہلے امتحان میں جس مضمون میں برے رہے ، آس پر زیادہ توجہ کرو ۔ مجھ کو اپنے لکھنے پڑھنے سے بے خبر مت رکھو کیوں کہ آس کا گزند تمھاری طرف عائد ہوتا ہے ۔

۳۔ اگست ، ۱۸۷۶ء

۳۹

میں نے ۔۔۔۔ کا خط بجنسہ بھیج دیا تھا اور پوچھا تھا کہ جو کہو سو کروں ؟ لیکن تم نے میرے استفسار کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا ، اس واسطے کہ مطلقاً مجھ کو خط لکھنا ہی

۱۔ معمولی عادت کے موافق ۔ ۲۔ وظیفہ ۔
۳۔ رغبتوں کی کشش ۔

غیر ضروری ہو رہا ہے ۔ اب ---- نے اپنے والد کو لکھا ہے کہ ---- سخت محتاج ہے اور ---- بیمار اور لڑکی کا نکاح در پیش۔ کچھ آپ دیجیے اور کچھ ڈپٹی صاحب سے دلوا دیجیے۔ میں نے تم کو لکھا تھا اور تم کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ ---- سے میں نے ایک طرح کا وعدہ ضرور کیا تھا مگر وعدہ ایسے عام الفاظ میں تھا کہ میں نے کسی مقدار خاص کی تعیین نہیں کی اور اس میں فی الحقیقت یہ شرط معہود فی الذھن[1] مضمر تھی کہ وہ انجاز وعد[2] تک تم لوگوں کو رضا مند رکھے ؛ سو اُس دشمن عقل نے شاید ایسا نہیں کیا ۔ اس میں بھی شک نہیں کہ من حیث القرابت[3] ---- کو کچھ استحقاق نہیں لیکن استحقاق تعارف ہے ۔ ''ان المعارف فی اھل النُہی ذمم[4]'' ۔ دھلی کے لوگوں سے اُس اطاعت اور وفا داری کی توقع رکھنا جو یہاں کے نوکر کرتے ہیں ، ایک توقع بے جا ہے ؛ خصوصاً ہر جائی اور ہر بابی جیسے ---- اور ---- کہ یہ لوگ اپنی چرب زبانی سے شکم پروری کرتے ہیں ، کسی کے پابند نہیں ؛ چاپلوسی اور خوشامد سے جہاں موقع ملا کام نکال لیا ۔ اگر ان کا یہ شیوہ پیش نظر رکھو تو پھر ان کی کوئی حرکت ناگوار طبع نہ گزرے ۔ تم اپنی غلط فہمی سے توقعات بے جا پیدا کر لیتے ہو اور جب خلاف توقع کوئی امر پیش آتا ہے تم کو برا لگتا ہے اور بے شک برا لگنا چاہیے ۔ مولوی ---- روپیہ بھیجتے ہیں ، میں نے بھی ---- روپیہ دینے کو کہہ دیا ہے ؛ سو بھائی اگر بہ طیب خاطر تمھارا اور تمھاری والدہ کا جی چاہے تو دو ورنہ خدا کے نام کا دینا ہے ، جس کو زیادہ مستحق سمجھو بہ تفاریق یا یک مشت اُس کو دو ---- وغیرہ گو یہ لوگ برے ہیں

۱- ذھن میں ٹھیری ہوئی ۔ ۲- ایفائے وعدہ ۔

۳- قرابت کے لحاظ سے ۔

۴- جان پہچان کی بھی عقل مندوں کے درمیان ذمہ داریاں ہیں۔

مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسی برائی کے ساتھ انھوں نے اپنی عمریں تمھارے گھر یا کنبے میں بسر کر دیں اور بہ وقت ضرورت خوش دلی یا بے دلی سے تمھارے شریک حال بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں روپیہ تم کو دیتا ہوں کہ اس کو راہ خدا میں صرف کرو اور مصرف اس کا متعین نہیں کرتا لیکن مجھ کو امید ہے کہ اس خط کے پہنچنے تک تم کو ۔ ۔ ۔ ۔ خوشنود کر لے گی ۔ و السلام ۔

۵ ۔ اگست ، ۱۸۷۶ء

۴۰

چھوٹی طلائی گھڑی[۱] آج روانہ کی جاتی ہے ۔ اگرچہ لوگ منع کرتے تھے کہ لڑکوں کو ایسی قیمتی چیز کا دینا مناسب نہیں لیکن میں نے مضائقہ نہیں کیا کیوں کہ تم لڑکے تو ہو مگر خدا کے فضل سے بے تمیز بچے نہیں ہو کہ گھڑی کی احتیاط یا حفاظت ضروری نہ کر سکو ؛ دوسرے تمھاری جائز خواہشوں کا پورا نہ ہونا مجھ کو پسند نہیں ۔ تم جانتے ہو کہ یہ گھڑی اگر بے قدر ہے تو صرف اس سبب سے ہے کہ مجھ کو مفت ملی ہے اور میں اس کا اہل نہیں ہوں ۔ جب یہ گھڑی نئی نئی مجھ کو ملی تو ہنڈرسن صاحب بہادر کلکٹر کانپور نے دیکھ کر کہا کہ ''کوک اینڈ کلوی[۲]'' کی دوکان سے لا اقل[۳] چھ سو روپے کو ملے گی، اور زنجیر پورے سو کی ؛ تو مجموع فی الحال لا اقل پانچ سو کا مال سمجھو ۔ چونکہ مجھ کو شوق نہ تھا ، میں نے نہ تو اس کے لیے کوئی عمدہ خانہ بنوایا ، نہ خوش نما غلاف سلوایا اور نہ نفیس آویزے لٹکائے بلکہ کنجیاں میلی ہوگئی

۱۔ یہ وہی گھڑی ہے جو ''انڈین پینل کوڈ'' کے ترجمے کے صلے میں مولوی نذیر احمد کو گورنمنٹ سے ملی تھی ۔ پس وہ قیمتی ہونے کے علاوہ فخر کی چیز ہے ۔

۲۔ کلکتے کی ایک بڑی گھڑیوں کی کمپنی ۔ ۳۔ کم سے کم ۔

تھیں ، اتنا بھی نہ ہو سکا کہ انھی کو اجلوا لیتا یا تجدید ملمع کراتا ۔ مگر اتنی احتیاط میں نے ضرور کی کہ اس کو بگڑنے نہیں دیا ۔ جدھر سے گھڑی کوکی جاتی ہے کھول کر دیکھو دو سوراخ ھیں ، ایک وسط دائرہ یا مرکز دائرہ میں ، اس کی راہ گھڑی کا وقت ملایا جاتا ہے لیکن ضرور ھے کہ سوئی الٹی نہ پھرائی جائے یعنی سوئیوں کی اصل رفتار نشان ۱۲ سے نشان ۱ ، ۲ وغیرہ کی طرف ھے ، تو گھڑی کے ملاتے وقت بھی سوئیاں اصلی رفتار کے خلاف نہ چلائی جائیں ورنہ گھڑی کے پرزوں میں فتور پیدا ہوتا ہے ۔ دوسرا سوراخ کوکنے کا ھے اور کوکنے میں سیدھی کنجی دی جاتی ہے جس طرح ھم لوگ معمولی قفلوں کو بند کرتے ھیں ، لیکن یاد رکھو کہ گھڑی کے ملانے میں ھمیشہ الٹی کنجی دینی ہوتی ہے تاکہ سوئیوں کی رفتار الٹی نہ ہو ، اس کو غور سے سمجھو ۔ لوگوں کی گھڑیاں دیکھو ، ان سوراخوں پر کنجی کے صدموں سے ایسے نشان پاؤ گے جیسے بیلوں کے پٹھوں پر آر کے نشان ہوتے ھیں ؛ پر میری احتیاط پر آفرین کہو کہ ایسی جانچ سنبھال کے ساتھ کنجی پھیرتا تھا کہ دونوں سوراخ خدشے و خراش سے محفوظ رھیں اور یہ حالت کامل پندرہ برس کے استعمال کے بعد ھے ۔

گھڑی کے متعلق چند باتیں یاد رکھنے کی ھیں : اول گھڑی کو حتی المقدور ھمیشہ ایک وقت معین پر کنجی دینا چاھیے ، یعنی جس وقت آج کوکی ہے دوسرے روز بھی اسی وقت کوکی جائے ؛ کنجی دینے کے لیے صبح کا وقت سب سے بہتر ھے ۔ کنجی دیتے وقت دیکھ لینا چاھیے کہ گرد سے پاک اور زنگ آلود نہیں ھے اور وہ مربع کیل جس میں کنجی دی جاتی ھے ، اس میں برابر بھرپور بٹھانے کے بعد آهسته آهسته پھیری جائے ، جب تک کہ خود رک نہ جائے ۔ دوم بےکار اور معطل رکھ دینے سے گھڑی کے

خراب ہونے کا احتمال ہے ؛ اگر استعمال نہ کرو تو یوں بھی دوسرے تیسرے کنجی دے کر رکھ دیا کرو ۔ سوم کنجی دیتے وقت گھڑی کو مضبوط ایک ہاتھ سے پکڑو اور صرف کنجی کو پھراؤ ، گھڑی کو پھیرنا یا چکر یا جھٹکے دینا ضروری نہیں ۔ چہارم گھڑی کی جیب کو ہمیشہ گرد سے پاک رکھو ۔ پنجم جب گھڑی کسی کھونٹی سے لٹکائی جائے تو خیال رہے کہ وہ ہلتی نہ رہے بلکہ جمی ہوئی رہے ۔ جب نیچے رکھی جائے تو خانے میں رکھو یا کسی نرم چیز پر؛ کتاب یا میز یا کسی اور سخت چیز پر رکھنے سے وائبریشن[۱] ہوتی ہے ۔ ششم جب کبھی گھڑی کسی وجہ سے بند ہو جائے یا اس کے صاف کرانے کی ضرورت ہو تو ضرور ہے کہ کسی معتبر واقف کار درست کرنے والے کو دی جائے ورنہ عموماً یہ جُھٹ بھیّے بہ سبب نا واقف ہونے کے تمام ورکنگ[۲] کو خراب کر کے گھڑی کا ستیاناس کر دیتے ہیں ۔

خانہ اورکنجیاں دو چیزیں خراب ہیں ، آن کو درست کرا لو ۔ گھڑی کو بازیچۂ طفلاں مت بناؤ بلکہ عاقلانہ طور پر کام لو ۔ سوائے تمہارے کوئی اُس کو نہ چھوئے ، کائناً مَن کان[۳] ۔ لوگوں میں مادۂ حسد ایسا عام ہے کہ شاذ و نادر کوئی نفس قدسی اس سے بری ہو تو ہو ؛ پس دفع العین کے لیے بے ضرورت حاسدین کو دکھانا لا حاصل ہے ۔ مجھ کو یہ خوف نہیں کہ تم گھڑی کو بگاڑ دو گے ، خوف یہ ہے کہ بہ اقتضائے شباب کہیں رکھ کر اُٹھ کھڑے ہو ، ایسا نہ ہو دہلی کا کوئی عیار لے کر چلتا ہو ۔ مدرسے

۱- تھرتھراہٹ - (Vibration)
۲- کَل پرزے - (Working)
۳- کسے باشد ، کوئی ہو ۔

کے لڑکے شاید اب بھلے مانس ہوں ، میرے زمانے میں " کان' اکثر هم فاسقین سارقین کاذبین" تمہارا مکان جیسا کچھ غیر محفوظ ہے مجھ کو معلوم - ایک دن پانچ وقت کی نماز پڑھ لینے سے تمہارے یہاں آدمی معصوم سمجھا جاتا ہے اور حال یہ ہے -

اے بسا ابلیس آدم روے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست

الغرض تاکہ کسی وقت آیندہ میں لوگ میری تحمیق نہ کریں ، اس متاع گراں مایہ کو ضائع مت کرو -

۴۱

بشیر! اگر تم نے عربی اور اقلیدس میں پاس کیا تو مدح نہیں - یہ چیزیں تم نے یہاں سمجھ کر پڑھی تھیں مگر تم تو جبر و مقابلہ اور حساب بھی یہاں سمجھنے لگے تھے - تم زور لگاؤ اُدھر جدھر خامی پاؤ -

یہ تم نے کس سے سنا کہ میری تنخواہ میں اضافہ ہوا ، اضافے کا نمبر نہیں - میور صاحب لفٹیننٹ گورنر نہیں ! تم کو فوراً تکذیب کرنی چاہیے تھی - اهل البیت ابصر بما فی البیت[۲] حق یہ ہے کہ اب وہ ولولہ مجھ میں باقی نہیں ورنہ دنیا دارالاسباب ہے ، چند در چند تدبیریں تھیں مگر مجھ سے اب کچھ ہو نہیں سکتا "جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا" اب تمہارا وقت ہے : ع

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

آدمی کی ظاہری نمود کچھ بکار آمد نہیں ، اصلی نمود ہنر اور لیاقت کی ہے - مجھ کو پوری امید ہے کہ تم پر کسب ہنر کی ضرورت ثابت ہو چکی ہے - پس کسر اتنی ہے کہ اپنے وقت کو ضائع نہ

۱- اکثر آں میں فاسق ، چور اور جھوٹے تھے -
۲- گھر والے گھر کے اسباب سے زیادہ واقف ہوتے ہیں -

ہونے دو اور اپنے اقران و امثال میں امتیاز پیدا کرو ۔ جب تم کو کسی مضمون میں فیل ہوتا سنتا ہوں ، میرا دل ٹوٹ جاتا ہے اور سوچتا ہوں کہ کیا تدبیر کروں کہ تم کو وہ مضمون آ جائے ۔

۲۰- اگست ، ۱۸۷۶ء

۴۲

تمہارے معاملات میں یہ بڑی مشکل ہے کہ اپنی ضرورتوں کی پیش بینی نہیں کرتے ۔ تم اپنی حوائجِ ضروری کا اندازہ کرکے ایک اوسط مقرر کرو کہ اسی حساب سے ایک مقدار کافی جمع کر دی جائے کہ وہ "بشیر فنڈ[1]" ہو اور تم وقتاً فوقتاً بہ اختیار خود اپنی تجویز سے اس کو صرف کیا کرو ۔ جو روپیہ تمہاری تعلیم و آسائش میں صرف ہو ، مجھ کو ہرگز دریغ نہیں ؛ میں صرف اسی قدر کہتا ہوں کہ اپنی عادتوں کو مت بگڑنے دو ۔ کوئی آدمی نہیں جان سکتا کہ اس کو آیندہ کیسے اتفاقات پیش آئیں گے ۔ اس سے قطع نظر ۔ بگڑی ہوئی عادتیں عُسر و یُسر دونوں حالتوں میں تکلیف دہ ہوتی ہیں ۔

میرے ساتھ وہی اگلے کورنمک[2] ہیں ۔ اب میری تکلیفیں انتہا کو پہنچیں ؛ تمتّعاتِ دنیوی میں بس ایک کھانا تھا ، اس کا یہ حال ہے کہ کوئی ہفتہ فاقے سے خالی نہیں جاتا : ع

بس جی چکے بہت ہم اب کیا کریں گے جی کر

گھڑی کے بارے مجھ کو چند باتیں اور لکھنی ہیں ؛ دو کنجیاں دو مصرف جداگانہ رکھتی ہیں ۔ ایک مرتبہ خوب پہچان لو کہ کون سی کس سوراخ کے لیے موضوع ہے تاکہ "وضع الشئی فی غیر محلہ[3]" نہ کر سکو ۔ جس طرف آئینہ ہے اسی طرف سے

۱- خزانہ بشیر ۔ تحویل بشیر ۔

۲- نمک حرام نوکر ۔ ۳- چیز کو بے محل رکھنا ۔

داخل گھڑی کھولا جاتا ہے ۔ آئینہ ایک حلقے میں جڑا ہوا ہے اور حلقے میں وہ جگہ باہر نکلی ہوئی ہے جس میں ناخن اٹکا کر آئینے کو اٹھا دیتے ہیں ۔ اس کے بعد دو فولادی نشان نیچے ہیں ۔ ایک میں ناخن لگا کر اندر کو دبا دینے سے گھڑی خود بہ خود کھل جاتی ہے ۔ کوئی ضرورت داخل گھڑی کے کھولنے کی نہیں ۔ ریگولیٹر کو کبھی تیز یا سست کرنا پڑتا ہے اور وہ ریگولیٹر داخل گھڑی میں ہے ۔ ریگولیٹر اس پرزے کو کہتے ہیں جس سے گھڑی کی رفتار ریگولیٹ کی جاتی ہے اور وہ ایک لوہے کی سوئی ہے جس کی دونوں طرف درجے بنے ہوئے ہیں اور ایک طرف اس (S) اور دوسری طرف ایف (F) لکھا ہوا ہے یعنی سلو اور فاسٹ ۔ جب گھڑی سست چلنے لگتی ہے یا تیز ہو جاتی ہے تو اس سے کام لیا جاتا ہے مگر عموماً عمدہ گھڑیاں ریگولیٹ کی ہوئی ہوتی ہیں ۔ تم داخل گھڑی کو بلا ضرورت شدید مت کھولو ورنہ احتمال ہے کہ گرد اور ذرات اس کے پرزوں میں گھس جائیں اور سیل اور ایٹماسفیر[1] کے اثر سے گھڑی خراب ہو جائے ۔ سب سے زیادہ خطرناک بات گھڑی کی مرمت ہے ۔ چونکہ گھڑی کے پرزے بہت نازک ہیں ، ضرور ہے کہ ہر سال آس میں واچ آئل دیا جائے ، یعنی صاف کرائی جائے تاکہ گرد وغیرہ سے پاک ہو جائے ، مگر جہاں عمدہ صاف کرنے والے نہ ملیں ، وہاں ایسے صاف کرانے سے ناصاف ہی رہنا بہتر ہے ۔ لوگ ایسے بد معاملہ ہوتے ہیں کہ گھڑی کے عمدہ ولایتی پرزے بدل لیتے ہیں ؛ اسی واسطے محتاط لوگ گھڑی کا مرمت کرانا پسند نہیں کرتے ۔ بعض وقت گھڑی ساز اپنی کم فہمی اور نا واقفیت سے بھی پرزے بے ترکیب جا دیتے اور گھڑی کو تباہ بلکہ ازکار رفتہ کر دیتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ تم ان سب باتوں کو پہلے سے جانتے ہو لیکن بہ نظر مزید احتیاط

۱- ہوائے جوّی ۔

مجھ کو لکھنا لازم تھا۔

۔۔۔۔ کو تم نے خط منظوم لکھا ، اُس میں کثرت سے زحافات اور سکتات تھے اور بہت سے شعر ساقط الوزن۔ افسوس ہے کہ تمھاری طبیعت نا موزوں واقع ہوئی ہے ، اس کی تدبیر کرو ، یہ عیب شاید متوارث ہے ؛ ننھیال میں تمھارے ۔۔۔۔ صاحب کو وزن کا مطلق امتیاز نہیں اور ۔۔۔۔ کا بھی یہی حال ہے۔ اساتذہ نے اوزان اشعار کو منضبط کر دیا ہے ، ہر خاص وزن بحر کہلاتا ہے۔ اس میں ف ۔ ع ۔ ل ۔ میں کلمات مقرر ہیں : مثلاً فعولن ۔ مفعول ۔ مستفعلن ۔ فاعلن ۔ متفاعلن ۔ فع ۔ فعلاتن ۔ فاعلاتن ۔ نسیم کا یہ مصرع :

هر شاخ میں ہے شگوفہ کاری

اس کی بحر ہے مفعول مفاعلن فعولن جس کی تقطیع یا توزین یوں ہے :۔ ہر شاخ = مفعول ۔ م ہے شگو = مفاعلن ۔ فہ کاری = فعولن ۔ اس طرح ہر ہر مصرع کو تقطیع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں وزن بگڑا اور جن کو خدا نے طبیعت کی مناسبت عطاء فرمائی ہے ، وہ ایک مرتبہ پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں سکتہ یا زحاف ہے ۔ شعر

می گویم به از آب حیات من نه دانم فاعلاتن فاعلات

شعر ایک شعبۂ موسیقی ہے جس میں تال اور سُر سب موجود ہیں۔ تم نے وزن پر خیال نہیں کیا ، اب سے اس کا خیال رکھو تو چند روز میں بحروں کی لَے ذہن نشین ہو جائے گی اور یاد رکھو کہ نا موزونی ایک بڑا سخت عیب ہے ۔

فارسی میں شاید یہ عمدہ تدبیر ہے کہ مولوی امام بخش صہبائی نے ''مینا بازار''۔''پنج رقعہ''۔'' نثر ظہوری '' کی شرحیں لکھی ہیں ۔ میں نے زمانۂ طالب علمی میں یہ کتابیں دیکھی تھیں ، فی الواقع بڑی

عمدہ ہیں ۔ اگر ان کتابوں پر ایک نظر محققانہ ہو جائے تو فارسی میں استعداد متعارف حاصل کرنے کو کافی ہے ۔ اگر تم کچھ فارسی دیکھنے کی فرصت پاتے ہو تو انھی کتابوں کو دیکھو اور جب مناسبت پیدا ہو گئی تو بے تخصیص کتاب آدمی اخذ مفہوم کرلیا کرتا ہے ۔

مشاغل متعدد اور وقت محدود ، پس وقت کے انتظام میں الا قدم فالا قدم م[1] '' کا قاعدہ برتنا چاہیے ، یعنی مشاغل میں تقدم و تاخر ٹھیرا لو ؛ مثلاً اول انگریزی ، آس میں بھی مقدم زبان ، پھر سائنس اور انگریزی کے بعد عربی اور سب سے آخر میں فارسی ۔

شاید تمھاری کلاس میں بھی سکالر شپ ہوں گی ۔ ہر چند من حیث المالیت آس کی طمع نہیں کرنی چاہیے لیکن اس اعتبار سے کہ سکالر شپ ایک علامت امتیاز ہے ، وہ ایک قدر کی چیز ہے اور آس کے حاصل کرنے میں جہاں تک ہو سکے سعی کرو ۔

اب کے بڑے دن کے واسطے بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں ۔ ملکۂ معظمہ نے خطاب '' قیصرۂ ہند '' لیا جس کی یادگار کے لیے دھلی میں عائد ہند کا اجتماع ہوگا ؛ ما لا عین رأت ولا اذن سمعت[2] ۔

بابو شیو پرشاد صاحب کی انگریزی '' ایساپس فیبلز '' شاید تمھارے ساتھ چلی گئی ہے ، تلاش کی ، نہیں ملی ۔ یہ وہ کتاب حکایات لقمان ہے جس میں سے حکایتوں کا ترجمہ حسب خواهش بابو شیو پرشاد صاحب میں نے کیا ۔ بابو صاحب اپنی انگریزی کتاب مانگتے ہیں ، اطلاع دو کہ تمھارے پاس ہے یا نہیں ۔

۲۷۔ اگست ، ۱۸۷۶ء

۱- پہلے وہ جو مقدم ہے ، پھر وہ جو اس سے کم و علیٰ ہذا القیاس ۔
۲- جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ، نہ کان نے سنا ۔

۴۳

گھڑی کی رسید میں جو خط تم نے لکھا اس میں یہ بھی پوچھا تھا کہ زنجیر طلائی ہے یا ملمع ؛ سو میرے علم و یقین میں وہ ضرور طلائی ہے ، اس واسطے کہ ایک معتبر آدمی نے ایک معتبر دکان سے مول لی ہے اور پورے دام دیے ہیں - یہ ایک مشہور بات ہے کہ انگریز طلائے خالص کا استعمال نہیں کرتے - لوگ جن کو انگریزوں کی نسبت بدگمانی ہے ، اس کو مکر و خدیعت پر محلول کرتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ خالص سونا اس قدر نرم ہوتا ہے کہ وہ زحمتِ نقش و نگار کا متحمل نہیں ہو سکتا ؛ اس مصلحت سے اور ٹانکے کی غرض سے اس میں آمیزش کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے - پس تمہاری زنجیر کا سونا بھی اس اعتبار سے کھوٹا ہے -

۱۷- ستمبر ، ۱۸۷۶ء

۴۴

اب تم کو ایک برس دہلی میں ہونے آیا - تم جانتے ہو کہ ایک برس میں کس قدر وسعت ہوتی ہے - مجھے خیال ہے کہ شاید تم نے " شرح ملّا " بالاستیعاب ایک برس میں پڑھ لی تھی - گو تم نے جیسا چاہیے ، نہیں پڑھا لیکن ورقاً ورقاً نظر کرنے کو بھی وقت درکار ہے ؛ اب تم سوچو کہ تم نے دو برس میں کیا کیا - عربی میں تم نے ایک انچ ترقی نہیں کی اور چوں کہ تم کو خود بےقرارانہ شوق نہ تھا ، چندے یہ حیلہ رہا کہ استاد نہیں - آخرکار مولوی ---- ملے تو اب تم کو ضیق وقت اور بُعد کا حیلہ ہے لیکن اگر صرف تعطیل ہی کے دنوں میں تم نے اکتساب کا شغل کیا ہوتا تو بھی ایک مناسبت ہو جاتی - دوری کے واسطے سواری کا انتظام کرو - تم کو تامل ہوتا ہے کہ میں اس خرچ کو پسند نہیں کروں گا حالانکہ میں ایسے مصارف کو آکل و شرب

کے مصارف پر بھی مقدم رکھتا ہوں ، اس واسطے کہ تحصیل علم میں جوکچھ خرچ کیا جائے گا ، آگے چل کر تم کو اضعافاً مضاعفہ ملنے والا ہے ۔ اگر تم اس برس یہاں ہوتے تو میں یقین کرتا ہوں کہ ''قطبی'' نکل جاتی ۔ اقلیدس ، حساب ، جبر و مقابلہ سب کا حال مثل عربی کے ہے ۔ رہی انگریزی ، میں نہیں جانتا کہ تم نے کتنا فائدہ جمع کیا ہے ؛ اس کا فیصلہ تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو ۔

بشیر ! جہاں تک میں غور کرتا ہوں ، دنیا میں اپنے رہنے کی ضرورت نہیں دیکھتا اور نہ دنیا میں کوئی کام مجھے کرنے کو ہے ۔ نہ اب کوئی نیا علم حاصل میں کر سکتا ہوں اور نہ اب وہ اگلے ولولے میری طبیعت میں باقی ہیں ۔ رہی خدا پرستی، اس سے تو میں کوسوں دور رہا ہوں ۔ پس دنیا کا کام اگر ہے تو یہ کہ تم میرے جیتے جی پڑھ کر لکھ کر فراغ حاصل کرو کہ میں تمھاری طرف سے حسرت لے کر نہ مروں اور مرتے وقت مجھ کو اس کی تسلی رہے کہ میرے بعد تم کو مطمئن زندگی کرنے کا سامان مہیا ہے ۔ میرے معدے میں ایسے فسادات ہو گئے ہیں کہ یوماً فیوماً زیادتی ہوتی جاتی ہے اور یہی حال ہے زندگی کا کہ خود بہ خود اس کَل میں کچھ بگاڑ پڑ جاتا ہے ، یہاں تک کہ ایک دن بند ہوجاتی ہے ۔ تم اگر اور کسی غرض اور مطلب سے پڑھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تو یہ مطلب کیا کم ہے کہ مجھ کو اپنے اخیر وقت میں اس تصور سے کہ تم نے پڑھا اور خوب پڑھا ، بڑی مسرت پہنچے گی ۔

تمھاری والدہ اگر نہیں آئیں تو اس میں کوئی مصلحت مضمر ہوگی ۔ عجب حالت ہے دنیا اور اہل دنیا کی کہ چند روزہ اجتماع میں بھی لوگ ایک دوسرے سے ملول ہو جاتے ہیں حال آں کہ افتراق ایک دن ضرور ہوتا ہے ۔ ''متنبّی'' نے کیا اچھا کہا ہے :

ولقد علمنا اننا سنطیعه
لما علمنا اننا لا نخلد

یعنی یہ تو ہم پہلے ہی سے سمجھے بیٹھے تھے کہ ایک نہ ایک دن مفارقت ہونی ہے کیوں کہ ہم کو دنیا میں قیام خلود[1] نہیں - بشیر! تم دلی والوں کے جھگڑوں میں اپنے تئیں مبتلا مت کرو - ایک موٹی بات تمہارے سمجھنے کو بس ہے کہ تم سے علم و عقل و تجربہ و عمر سب باتیں مجھ میں زیادہ ہیں لیکن میں ان کے معاملات کے سلجھانے پر قادر نہیں ہو سکا - اگر تسلی ہے تو اس میں ہے کہ بہت گزر گئی ، تھوڑی سی رہ گئی ہے ؛ خدا آس کو بھی آبرو کے ساتھ گزار دے اور خاتمہ بہ خیر کرے ! اس تنہائی میں بھی راحت ہے - اتنا سمجھ لیا ہے کہ نوکروں پر بے اعتادی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ان لوگوں سے خصوص و اختصاص کا متوقع ہونا مناسب ہے - روپیہ کچھ زیادہ خرچ ہو جاتا ہے لیکن یہ لوگ مجھ کو آرام دینا چاہتے ہیں - رہا وقت ، اس کو عمدہ طور پر صرف کرنا مشکل ہے - غرض انسان کے دل کو خدا نے کچھ ایسا بنایا ہے کہ جس حالت سے وہ خوگر کیا جاتا ہے ، اسی میں رضامند ہو جاتا ہے -

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

البتہ اس کی خبر رکھو کہ تم کو خرچ کی طرف سے تکلیف نہ ہو - جب خدا نے دیا ہے تو اس سے متمتّع نہ ہونا بھی ایک طرح کی ناشکری ہے - اب خدا کے فضل سے ایک مقدار معتدّبہ موجود ہے - تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں - بڑی دولت تو تم ہو ، خدا تم کو زندہ و سلامت رکھے اور توفیق نیک دے -

---

۱- ہمیشہ رہنا -

تمھارے ہم عمروں کا یہ حال ہے کہ - - - - نے آخر رو دھو کر باپ سے بنارس جانے کی اجازت لی - بلا مبالغہ ساری ساری رات اس لڑکے کو پڑھتے گزر جاتی ہے - یہ حاجی جی کی خوش قسمتی ہے اور جانے کی کیفیت یہ کہ تنہا ، اور جب پوچھا کہ میاں کیا کرو گے ؟ تو ہشاش بشاش جواب دیا کہ جب بھوک معلوم ہوگی بازار سے لے کر کچھ کھا لیا کروں گا - شوق اس درجے کو پہنچا ہے کہ کھانے کی ضرورت سے بھی اس کو قطع نظر ہے "وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" بھرے - - - - کا حال پڑھنے میں گو - - - کا سا نہیں مگر مناسب حالت اچھا ہے ، لتھبرجز[1] ہسٹری تک پہنچا اور اس کو سمجھ بھی لیتا ہے - اس کو خود پسندی اور خویشتن ستائی اچکاتی ہے ؛ اب بے باکی یہاں تک پہنچی کہ کرانی ، انگریز ، بابو جسے دیکھا بھڑ گیا - دوسرے کی سنتا نہیں اپنی ہانک چلتا ہے - بشیر ! اب کے سالانہ امتحان کے لیے ہر ایک سبجکٹ میں ایسی تیاری کرو کہ تمام کلاس میں سب سے بہتر رہو - جن چیزوں میں تم کم رہتے ہو ، انہیں پر زور لگاؤ : اگلے سال مع الخیر سکنڈ کلاس میں جانا چاہیے -

۳۰ - ستمبر ، ۱۸۷۶ء

۴۵

[2]سلام کعود الہند او کعبیر
علی الولد البّر الرشید البشیر

اما بعد فقد ابطاء علی کتابک فما جوابک
و امّا الاعتذار بالصوم فلا یعصمک من اللّوم ،

۱- لتھبرج صاحب کی تاریخ -

۲- صالح اور شایستہ لڑکے بشیر کو عود ہند اور عبیر کا سا سلام - اس کے بعد معلوم ہو کہ تمھارے خط کے آنے میں دیر ہوئی - اس دیر کا کیا جواب رکھتے ہو - اگر روزوں کا عذر ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ پر)

لانّه وان اختلّ به الاوقات لكن يزيد فى الفراغ ويطيل الساعات ، سيّما النهار فان له طولاً لا يكاد يزيل ولو وافقه التشتاء من بين الفصول فلا اقلّ من رقعةٍ مرفوعةٍ مرّةً او مرّتين فى كل اسبوعةٍ ، واما ارسال الحكايات اللقمانية الى راجه شيوبرشاد فلابدّ لى من الاطلاع عليه قبل ان ياتينى غريم الطلب من لديه ، ونحن ان شاء الله بعد شهرنا هذا لراحلون الى سكندربور ولله عاقبت الامور- والسنة كما تعلمون لم يبق منها الا شهران فاستعدّوا لامتحان ولنعم ماقيل وقد جرى به التمثيل "عندالامتحان يكرم الرّجل اويهان" فيا خيبة من نسى ما فى الكتاب ولم يحسن الجواب فضّل وذلّ وصغُر فى اعين الناس وقلّ وانا ارجور زيارتكم فى زمان التعطيل

(گزشته حاشیه صفحه ١٠١)
تو یه الزام سے بچانے کو کافی نہیں کیوں که اگرچه روزے اوقات میں خلل ڈالتے هیں لیکن فراغ خاطر بڑھاتے هیں اور اوقات میں وسعت پیدا کر دیتے هیں - خصوصاً دن که وه تو ایسا پہاڑ هو جاتا هے جیسے سے ٹلے هی گا نہیں- اگرچه موسم جاڑوں هی کا کیوں نه هو ، بس مناسب هے که کم از کم قلم برداشته ایک رقعه هفتے میں ایک بار یا دو بار لکھ کر بھیج دیا کرو - رها حکایات لقمانیه کا راجا شیو پرشاد صاحب کی خدمت میں بھیجنا ، اس کے متعلق یه هے که قبل اس کے که ان کے پاس سے پیادۂ طلب آئے ، مجھ کو اس کی روانگی کی اطلاع ضرور مل جائے- هم اس مہینے کے بعد سکندر پور جائیں گے اور انجام کار خدا کے هاتھ میں هے - سال کے صرف دو مہینے ره گئے هیں - جیسا که معلوم هے ؛ پس امتحان کے لیے ابھی تیاری کر چلو اور کیا خوب کسی نے کہا هے
(بقیه حاشیه صفحه ١٠٣ پر)

واللہ حسبی ونعم الوکیل۔ ھذا ونحن بفضل اللہ فی اطیب حال وعیش عن المکروھات خال ونظن بکم کذالک ھداکم اللہ اقوم المسالک۔ والسلام وعلیہ ختم الکلام۔

عادت یوں پڑگئی ہے کہ شب کو دو اور تین کے بیچ میں اکثر آنکھ کھل جاتی ہے اور کبھی نہیں بھی کھلتی تو طوعاً و کرھاً جاگنا پڑتا ہے اور پھر قصد بھی کرتا ہوں تو نیند نہیں آتی؛ پس سحر کے بعد کچھ کتاب بینی کرتا ہوں۔ آج شاید گھڑی غلط چلی کہ دیر سے بیٹھا ہوں مگر اسفار صبح[1] نہیں ہوا۔ جی میں آیا: کہ تمھیں کو خط لکھوں۔ عربی کی سطریں میں نے غور سے نہیں لکھیں، امید ہے کہ تم بہ آسانی سمجھو گے، شاید ایک دو جگہ لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔ بڑے دن کی تعطیل میں آنا ہوا تو ان شاء اللہ ایک امتحان تمھارا میں لوں گا اور اگر ثابت ہوگا کہ تم نے وقت سے استفادہ کیا تو تم کو انعام بھی ملے گا۔

۱۳ - اکتوبر، ۱۸۷۶ء

(گزشتہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲)
جو اب ضرب المثل کی طرح زبان زد ہے کہ "تعظیم و توہین وقت امتحان کی معتبر ہے" پس اس وقت کیا خرابی ہے اس کی جو کتاب کی باتیں بھول گیا اور اچھا جواب نہ دے سکا، پس بھکنے لگا اور رسوائی کھینچی اور لوگوں کی نظروں میں ہیٹا ہوا اور گھٹ گیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگوں سے تعطیل میں ملوں گا اور خدا میرے لیے کافی ہے اور وہ بھروسہ کرنے کے لیے کیا اچھا ہے۔ یہ تو ہوا، اور ہم لوگ خدا کے فضل سے بہت اچھے حال میں ہیں اور مکروہات سے پاک زندگی ہے اور گمان کرتے ہیں کہ تم لوگ بھی ایسے ہی ہو گے۔ خدا تمھیں راہ راست دکھائے۔ آگے سلام اور اسی پر ختم کلام۔

۱- پو پھٹنا، تڑکا۔

۴۶

اگر قدرتی گھڑی جس کے ذریعے سے ساری دنیا کے گھڑی گھنٹے ٹھیک کیے جاتے ہیں ، یعنی آفتاب اور اس کا سایہ تمھارے حفظ اوقات کو کافی نہیں اور ابر و باد کے دنوں میں وہ قدرتی گھڑی معطل رہ سکتی ہے تو چوک کا بڑا گھنٹا خبردار کرنے کو کافی نہیں ہے ، لیکن مشکل ہے کہ جہاں لڑکے اور لڑکیوں کے غل میں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی ، دور کا گھنٹا کیا سن پڑے گا ۔ تم کو معلوم کہ میرے پاس دو گھڑیاں ہیں اور دونوں بےکار ؛ نہ تمھاری طرح مجھ کو حفظ اوقات کی زیادہ ضرورت ہے اور نہ مردانہ زیور کی طرح مجھ کو ان چیزوں کے استعمال کا شوق ۔ میری بدسلیقگی نے ان چیزوں کو ویسا ہی خراب کر دیا ہو گا جیسا ارگن باجا ۔ ایک جیبی گھڑی تو تم کو روانہ کر دی گئی ، فرماؤ تو کیرج کلاک[۱] ، یعنی بڑی گھڑی بھی بھیج دی جائے ۔ ہر چند ڈاک میں بھیجنا خالی از خطر نہیں لیکن ہزاروں لاکھوں گھڑی گھنٹے آتے ہی جاتے ہیں ، حتی الوسع احتیاط کی جائے گی ؛ یا اگر یہ شق پسند خاطر نہیں اور اپنا ہی گھنٹا بالتخصیص منظور ہے تو بازار سے مول لیجیے ؛ غالباً تم کو کلاک درکار ہو گا ۔ بازاری کلاک پہلے پندرہ بیس کو بکتے تھے ، پچھلے دنوں ایسے سستے ہوئے کہ دس بارہ کو ؛ اب بھی اتنے ہی کو ملتے ہوں گے ، ایک لے لو ۔ تحقیق کر کے لکھو اچھا گھنٹا جس کے کیل پرزے خوب مستحکم ہوں اور کسی نامی کاریگر کا بنایا ہوا ہو ، کتنے کو ملے گا ۔ سچ کہا ہے ''گراں بہ حکمت ارزاں بہ علت ''

۱- اس سے وہ ٹائم پیس مراد ہے جو سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر نے مولوی نذیر احمد صاحب کو ''مرأت العروس'' کی تصنیف کے صلے میں اپنی جیب خاص سے دی تھی اور افسوس ہے کہ چند سال ہوئے کہ وہ جاتی رہی ۔

ان کم بخت کم قیمت گھنٹوں میں بڑا عیب یہ ہے کہ گھڑی گھڑی بگڑا کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ میں تمھارے اس خیال پر معترض ہوں؛ ایسے خیالات ہوا ہی کرتے ہیں اور خدا نے مقدور دیا ہے تو ان کو پورا کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مجھ کو اس خصوص میں خرچ کی پروا نہیں۔ میں بہ طیب خاطر تم کو روپیہ دوں گا بلکہ جی میں آیا کہ ابھی بھیج دوں، پھر سوچا کہ پہلے پوچھ لوں کہ میری گھڑی ہر دانت ہے یا بازار سے اپنی چیز لینے کا شوق ہے۔ یہ چھیڑ کے لفظ دل سے نہیں ہیں، تحریر کی شوخی ہے۔

مولوی ـ ـ ـ ـ کا دھلی میں ہونا تم اپنے لیے بس غنیمت سمجھو۔ مولوی ـ ـ ـ ـ کی معلومات چاہے علم و ادب میں کم ہوں مگر اُن کی استعداد اچھی ہے۔ بےشک ''نفحۃ الیمن'' اگر تحقیق سے پڑھی جائے تو اچھی کتاب ہے، اگرچہ میں آس کو بہت اچھی بلکہ اچھی بھی نہیں کہتا لیکن اچھا برا ہونا امر اضافی ہے۔ وہ اچھی ہے مبتدی کے لیے، بری ہے بلکہ بہت بری منتہی کے لیے۔ لیکن کیوں جی میاں بشیر! ''نفحۃ الیمن'' پڑھو گے یا منطق؟ میرے نزدیک تو منطق کے چار پانچ رسالے نکال لیتے تو اچھا تھا۔ کم بخت ہندوستانیوں میں اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر لینی چاہو تو مولوی ـ ـ ـ ـ سے تم کو بڑی مدد مل سکتی ہے، تم ان سے وہی فائدہ حاصل کر سکتے ہو جو مجھ سے کرتے۔

سنو صاحب! انگریزی تو سب پر مقدّم ہے اور انگریزی کے بعد عربی، اس واسطے کہ نرے انگریزی داں مبہوت، غیر مہذب دیکھے جاتے ہیں۔ رہی فارسی، وہ تو نری زبان ہے۔ ممکن نہیں کہ آدمی کل علوم میں کمال حاصل کرے۔ جتنے کامل فن ہوتے ہیں وہ یک فنے بھی ہوتے ہیں۔ پس آدمی پہلے اپنی طبیعت کا موازنہ

کرے کہ کدھر راغب ہے ، جس طرف رغبت صادقہ ہے ، بس وہی چیز آدمی خوب کرے گا ، لیکن ابھی کمال کا کیا مذکور ہے ، یہ امتحان کے مرحلے طے ہوں تو کمال سے بحث کی جائے ۔ کاش! تم پر کسی طرح یہ ظاہر ہو جاتا کہ تمھارا لیاقت پیدا کرنا کہاں تک میرے دل کو لگا ہے ۔ میری تمنا ہے کہ تم یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرو ۔ تم کو خدا کے فضل سے معاش کی طرف سے فراغ کامل حاصل ہے ۔ پس اے بشیر ، اے پیارے بشیر ! پڑھو اور دنیا میں نام و نمود پیدا کرو ۔ یہ علم جو تم پڑھ رہے ہو ، دنیا و دین دونوں کی اصلاح کا ذریعہ ہے ۔ خدا تم کو علم نصیب کرے !

تم خرچ اور روپے کی پروا مت کرو ۔ فوالذی نفسی بیدہ[۱] مجھ کو تم سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ۔ دنیا میں اب یہی ایک آرزو باقی ہے کہ تم کو خدا لائق کرے اور شاید اسی خوشی کے لیے میں زندہ رکھا گیا ہوں ورنہ جہاں تک غور کرتا ہوں ، دنیا میں اپنے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں پاتا ۔

۔ ۔ ۔ ۔ سے تم ادب و عربیت کے سوال نا حق پوچھتے ہو ، وہ صرف ''ہدایۃ النحو'' پڑھتا ہے ، تم اس سے لاکھ درجے بہتر پڑھتے تھے؛ چندے مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ نے زبردستی جو کچھ بتا دیا تھا ، وہی آس کا سرمایہ ہے ۔ اب مولوی صاحب معدوم البصر ہوئے ، ان سب کو پوری آزادی ملی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب اپنے بچوں کے زیادہ خبر گیر رہتے ہیں ۔ اس سے ان کا پڑھنا چلا جاتا ہے مگر کب تک ؛ دو چار برس بعد یہ دونوں بھی بلائے روزگار ہوں گے ۔ جتنا کر رہے ہیں ، یہ بھی غنیمت ہے ورنہ ان لوگوں کو علم سے کیا مناسبت ۔ لیکن بشیر ! تمھارا اور حال ہے ، یہاں برخوردار! علم

۱۔ '' قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ '' کتب احادیث میں یہ قسم اکثر آئی ہے ۔

نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں اور ۔ ۔ ۔ ۔ فخر خاندان اب ھیں مگر تم کھوکہ تم بھی ایسا خیال کر سکتے ہو ۔ ان لوگوں کے ساتھ اپنی حالت کا مقابلہ مت کیا کرو ؛ ان سے بہتر ہونا بھی میرے نزدیک عیب ہے ۔ یہ بے چارے کیا تھے اور کیا ھیں اور کیا ہوں گے ۔ جب یہاں کے لڑکوں کا تم سے تذکرہ کیا جائے تو تم ان کی حالتوں پر بھی نظر کیا کرو کہ ان کی کیا حالت ہے ؛ کیسے خاندان کے ھیں ، کس طرح کی بے سامانی ہے ۔ کچھ تو خدا کو ان سے بڑا کام لینا ہے کہ ان کو ایسا شوق دیا ہے ۔

هر کسے را بہر کارے ساختند
میل آں اندر دلش انداختند

دیکھو ، امتحان سالانہ کے لیے کامل تیاری کرو کہ ہر طرف سے آفرین اور تحسین کا شور ہو اور ہر چیز میں پورے نمبر ملیں ۔ تمھارے پڑھنے کی طرف میرا ایسا خیال لگا رہتا ہے کہ جب تم کو یاد کرتا ہوں ، ساتھ ھی یہ بھی تصور کرتا ہوں کہ کیوں کر بشیر کو نامی اور گرامی دیکھوں گا ۔

بڑے دن کی تعطیل میں دھلی آنے کا مصمّم ارادہ ہے ۔ صرف ایک خدشہ یہ گزرتا ہے کہ اس دفعہ ایسا ہجوم ہو گا کہ لا عین رأت و لا اذن سمعت ۔ اخبار سے معلوم ہوا کہ ٹامس صاحب کی کوٹھی ''جہاں نما'' نظام حیدر آباد نے ساٹھ ہزار روپے پر کرایہ لی جب کہ اس کا معمولی کرایہ زیادہ سے زیادہ چار ہزار سال تھا اور لوگوں نے ابھی تک قطب صاحب تک مکان روک لیے ھیں ۔ ایسے اژدحام میں سفر خالی از زحمت نہیں ، مگر تم کو دیکھنا اور تمھاری استعداد کا امتحان لینا ضروری ہے ، جس طرح بن پڑے گا آؤں گا ۔

عربی کا خط جس کو میں نے بعد الاصلاح واپس کیا ، مجھ کو خیال آتا ہے کہ ایک غلطی لکھنے سے رہ گئی ہے ؛ وہ یہ کہ تم نے

خط کو یوں شروع کیا ''الی الجناب الفلاں من فلاں'' اور چاہیے ''من فلاں الی فلاں''، کیوں کہ 'من' ابتداء غایت کے لیے ہے اور 'الیٰ' انتہاء غایت کے واسطے اور ابتدا پہلے ہے انتہا سے، اور قاعدہ ہے کہ چیزوں میں جو ترتیب قدرتی ہے، تحریر میں اس کا لحاظ ضرور ہے جیسے ''فرام ٹاپ[۱] ٹوٹو''، اس کو اگر الٹا لکھو ''فرام ٹو ٹو ٹاپ''، تو غلط ہوگا۔ تمہارے خطوط میں بہت سی غلطیاں سہل انگاری سے رہ جاتی ہیں۔ اگر بہ تامل نظر ثانی کر لیا کرو تو ضرور تم خود آن کو درست کر لیا کرو۔ انگریزی میں جو کچھ فائدہ تم کو حاصل ہوتا ہے اُس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا لیکن اتنا تو ہے کہ تمہاری عربی گرتی جاتی ہے۔ جو میرا فرض ہے میں نے ادا کیا اور کرتا جاتا ہوں، اس واسطے کہ بے ادا کیے مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ خدا کرے تم کو بھی اس کا خیال ہو کہ تم کو اقران و امثال میں نمود و امتیاز پیدا کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

۲۳۔ اکتوبر، ۱۸۷۶ء

۴۷

مجھ کو ہر چند کوئی خاص ضرورت تم کو خط لکھنے کی اس وقت نہیں ہے مگر مولوی ــــ صاحب نے پرچہ مانگا اس واسطے یہ چند سطریں لکھ دیں۔ امتحان سالانہ بہت قریب ہے، اپنی جُل ہمت[۲] اور تمام توجہ حفظ کتب میں مقصور رکھو۔ اگر سال آیندہ میں تم نے سیکنڈ کلاس میں ترقی نہ کی تو مجھ کو سخت افسوس ہوگا۔ ہر چند تم مجھ سے زیادہ مواقع اس بات کے تجویز کرنے کے رکھتے ہو کہ کامیابی کے لیے کون سی تدبیر عمدہ ہے لیکن زبان دانی بے تسوید یعنی کمپوزیشن کے نہیں آتی اور اس خصوص میں تم

۱۔ از سر تا پا (from top to toe)۔
۲۔ ساری ہمت۔

نے میرے نزدیک غفلت کی اور کرتے ہو ۔ وقت کو انتظام کے ساتھ صرف کرنے میں عجب برکت ہے ۔ تھوڑا تھوڑا روز حاصل کرتے کرتے ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے ۔ مدارس کی تعلیم میں اگر پسندیدگی ہے تو یہی کہ مختلف علوم اور متعدد فنون ایک ساتھ سکھاتے ہیں ۔ اگر ایک ہی چیز کو آدمی دن بھر رٹا کرے تو طبیعت اکتا جاتی ہے ۔ لیکن اگر کئی چیزیں پیش نظر ہوں اور باری باری سے دیکھے تو سارا دن پڑھتا رہے اور مطلق جی نہ گھبرائے ۔ میں ایسا انتظام کر سکتا ہوں کہ انگریزی کمپوزیشن بھیج دیا کرو تو پادری صاحب سے اصلاح لے کر واپس کر دیا کروں ؛ یہ اس صورت میں مناسب ہو گا جب کہ تم کو اصلاح دہندہ وہاں میسر نہ ہو ۔ عربی میں مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب تم کو بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں ، بہ شرطیکہ اخذ و اعطا[1] کی شرطیں طرفین سے ادا ہوں ۔ فقط ۲۷ ۔ اکتوبر ، ۱۸۷۶ء

۴۸

شاباش میاں بشیر! جس کام میں لگے لپٹے ہو ، اپنے مقدور بھر کوشش کیے جاؤ ''ان اللہ لا یضیع عمل عامل منکم[2]۔'' ضرور اس میں برکت ہوگی ۔ ان شاء اللہ دہلی آؤں گا ، ولولا سبوعۃ او اقل منہا[3] ۔ سبحان اللہ تم اور ۔ ۔ ۔ ۔ کی شکایت ؟ ع

آدمی جو کہے بات سوچ کر تو کہے

شکایت آن سے ہے جن کو عقل ہے :

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تم کو بے مہرئ یاران وطن یاد نہیں

۱۔ لین دین ، لینا دینا ، مراد پڑھنا پڑھانا ۔
۲۔ خدا تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی کوشش رائگاں نہیں کرتا ۔ ۳۔ اگرچہ ایک ہفتہ یا اس سے کم کے لیے ۔

ریڈ صاحب تم کو پوچھتے تھے ؛ امتحان سے فارغ ہو کر اپنے حالات سے آن کو ضرور اطلاع دینا ۔ میرے پاس اس مقام پر لغت کی کوئی کتاب نہیں اور تم نے عبارت سابقہ و لاحقہ لکھی نہیں کہ اس کے سہارے سے جواب دوں ۔ پس جہاں تک اس وقت معلوم ہے تمہارے مستفسرات کا جواب لکھتا ہوں ، جن کا جواب شافی اس وقت نہیں دے سکتا یا تو وہاں حل کر لو یا یہیں سے قبل امتحان حل کر کے بھیج دوں گا'۔

(۱) وحسّن لها القول قبل ان یحلّ بنا المکروہ ۔ حسّن کا مصدر تحسین یا شاید امر ہو ، مطلب کے لگاؤ سے دیکھ لو ۔ حسن لها القول ، اچھا کیا واسطے آس کے بات کو ، یعنی لطف و نرمی سے آس کے ساتھ بات کی ۔ یحل مضاعف باب نصرینصر جیسے مدّیمدّ ، حلول مصدر مجرد ، ہم وزن و ہم معنیٰ نزول ۔ قبل ان یحل اے قبل ان ینزل ۔ اس سے پہلے کہ ہم پر مصیبت نازل ہو ۔

(۲) وروّق لی المُدام وجلسنا للشراب فلما تحکّم الشراب منا ۔ روّق ترویق چھاننا ، صاف کرنا ۔ مُدام شراب کو کہتے ہیں ، لان من تعوّد شرب الخمر یدوم علیها فی غالب الاحوال ۔ تحکّم حاکم بن گئی ، یعنی آس نے میری شراب چھانی اور ہم شراب پینے کو بیٹھے ، جب شراب کا نشہ ہم پر غالب ہوا تو گویا ہماری عقلوں پر شراب حاکم ہوگئی اور ہماری عقلوں کو آس نے مطیع و مسخر کر لیا ۔

(۳) ففکّہ و نقل احجارہ ۔ فکّ چھڑا دیا ، جیسے کوئی

۱۔ مولوی بشیرالدین احمد کے پاس اپنے والد کے اس طرح کے خطوط کا ایک انبار ہے ۔ میں نے یہ ایک چھوٹا ساخط نمونے کے طور پر داخل کتاب کیا تاکہ معلوم ہو کہ اس طرح کا پڑھنا پڑھانا ٹکسالی کہلاتا ہے ۔ اس تحقیق کے ساتھ تعلیم ہو تو طوفان ترق پیدا ہو ، آج دونی کل چوگنی ۔

کسی کی مشکیں کھول دے یا چڑیا جال میں پھنسی ہے ، اس کو چھڑا دے ؛ انفکاک منفک اسی سے ہے - پس چھڑا دیا اس کو ، اور ہٹا دیے ، سرکار دیے ، آتار دیے پتھر اس کے ، یعنی جو پتھر اس پر لدے تھے یا سد راہ تھے ، ٹال دیے -

(۴) لا اوحش اللہ منک - نہ وحشت دلائے خدا تجھ سے یعنی لوگ تجھ سے نفرت نہ کریں اور تو ہر دل عزیز ہو ! یہ جملہ دعائیہ ہے - تخفیفاً 'لوحش اللہ' بھی کہتے ہیں -

(۵) صید و قنص میں کیا فرق ہے ؟ شاید لغت کی طرف رجوع کرنے سے ٹھیک معلوم ہوگا لیکن میرے خیال میں صید عام ہے اور قنص خاص ، وہ شکار جو تعاقب کر کے کیا جائے ؛ پس مچھلی کا شکار اور جال میں پھنسانا 'صید' ہے مگر 'قنص' نہیں - قنص تبھی ہوگا جب جانور کو دوڑا کر شکار کریں جیسے ہرن وغیرہ -

(۶) ثم کتفنی و حطنی فی صندوق وقال للسیاف تسلم ھذا واشھر حسامک - کتفنی میری مشکیں کس لیں - کتف بازو کتفٌ بازو بستن - حطنی مجھ کو ڈال دیا ، گرا دیا - حطّ کے معنی ہیں نیچے کی طرف کو پھینک دینا - انحطاط اسی سے نکلا - سیاف جلاد - تسلم ، اے خدا اس کو لے یعنی اپنی سپردگی میں لے - اشھر ، نیام سے باہر کھینچ لے ؛ یہ ایک خاص لغت ہے جیسے فارسی میں آختن - حسام ، سیف جس کا مادہ حسمٌ ؛ اس کے معنی ہیں قطع ، کاٹنا - مطلب یہ کہ میری ٹنڈیاں کس کر صندوق میں بند کیا اور جلاد سے کہا کہ اس کو اپنے پہرے میں لے اور ننگی تلوار سے اس پر پہرہ دیتا رہ -

(۷) عجبت لمن یعیش بدار ذل
و ارض اللہ واسعۃ فلاھا

واؤ حالیہ - مجھ کو تعجب آتا ہے اس شخص کا حال دیکھ

کر جو زندگی بسر کرتا ہے ذلت کے گھر میں ، یعنی ذلت کی زندگی برداشت کرتا ہے اورکم بخت سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ کہیں کو اپنا منہ کالا کرے اور گھر سے نکل جائے اور حال یہ ہے کہ خدا کی زمین کا میدان وسیع ہے ۔ غیرت اور حمیت ہو تو ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست ۔ مطلب یہ کہ آدمی اپنے وطن میں بے قدر ہو تو اس کو چاہیے کہ دوسرے ملک میں چلا جائے ۔

(۸) قرأت القران علی سبع روایات ۔ حدیث شریف میں آیا ہے ''ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسّر منہ'' یعنی یہ قرآن سات بولیوں میں اترا ، جو بولی تم کو آسان معلوم ہو ، اسی میں پڑھ لیا کرو ؛ وہ سات بولیاں یہ ہیں : قریش ، ھذیل ، ہوازن ، یمن ، طے (اسی قوم سے حاتم تھا) ثقیف ، بنی تمیم ۔ یہ قبیلوں کے نام ہیں جن کے تلفظ میں ایسا فرق تھا جیسے دلی ، لکھنؤ ، ماڑواڑ ، پنجاب ، پورب کی اردو میں ، اور سات امام قاریوں کے بھی ہیں ؛ ہم لوگ حفص کے طور پر پڑھتے ہیں ۔

(۹) و بان من تحتہ خمسون فارساً لیوث عوابس بحدید لوابس ۔ ''اس کے نیچے سے پچاس سوار پیدا یعنی ظاہر ہوئے'' ۔ فارس فرس سے نکلا ؛ خاص گھوڑے کے سوار کو کہتے ہیں ، اونٹ یا گدھے کے سوار کو نہیں ۔ لیوث جمع لیث بہ معنی شیر ۔ عوابس جمع عابس ، ترش رو ؛ عبوس اس کو کہتے ہیں جو ہر وقت تیوری چڑھائے رہے ۔ ''عبس و تولی'' منہ سکیڑ کر پھیر لیا ۔ لوابس جمع لابس ، لباس پہننے والے یعنی ''وہ سوار کیسے تھے جیسے شیر خشم گین اور لوہا پہنے ہوئے تھے'' زرہ خود وغیرہ ۔ لیوث عوابس دونوں صفتیں ہیں خمسون فارسًا کی ۔ 'خمسون' فاعل ہے 'بان' کا اور 'فارسا' تمیز ہے 'خمسون' کی ، 'بحدید' متعلق ہے 'لوابس' سے، ایسے

لوابس با لحدید - یہ بھی صفت ثالث ہے خمسون کی ؛ عوابس لوابس چوں کہ وزن منتہی الجموع رکھتے ہیں - سبب واحد کر غیر منصرف ہیں ، تنوین نہیں آ سکتی -

(۱۰) لمع ثغر ھا علی صفحات التر ائب - عرب کی عورتیں دہلی لکھنؤ کی بیگموں کی طرح پان نہیں کھاتیں ، وہاں پان پیدا نہیں - پس وہ لوگ بریق و لمعان دندان ، یعنی دانتوں کی چمک اور براّق کو بہت پسند کرتی ہیں - ترائب جمع تریبہ ، سینے کی ہڈیوں کو ترائب کہتے ہیں - امراء القیس بہت بڑا فصیح ہو گزرا ہے ، قصاید ''سبعۂ معلقہ'' میں اُس کا قصیدہ پہلا ہے - اُس نے کہا ہے : ع

ترائبہا مصقولة کالسجنجل

سجنجل کہتے ہیں آئینے کو ، یعنی اس کا سینہ آئینے کی طرح جلا رکھتا ہے - تمہاری کتاب میں دانت اور سینے دونوں کی براّق کی مدح ہے ، یعنی اُس کے دانتوں کا عکس سینے پر منعکس ہوتا ہے اور جب ہنستی ہے تو دانتوں کی چمک سینے پر ظاہر ہوتی ہے -

(۱۱) وکان الحاسد مارّا فی طریقہ و اذا بالمحسود بدست مملکتہ - حاسد و محسود دو نام ہوتے ہیں ، یعنی حاسد اپنی راہ چلا جاتا تھا ، ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ محسود اس کی مسند سلطنت پر متمکن ہے - دست مسند کو کہتے ہیں ، اُس پر باء جارّہ لگی ہے ؛ اے المحسود قابض مسند حکومتہ -

(۱۲) ھتف الصبح بالدّجی فاسقینہا
خمرة تترک الحلیم سفیہا
لستُ ادری لرقّة و صفاء
ھی فی کاسہا ام الکاس فیہا

'ہتف' آواز دی ، اسی سے ہے ہاتف - صبح نے اندھیرے میں آواز دی

یعنی تڑکا ہوا ، مرغ وغیرہ اندھیرے میں بولنے لگے ۔ اُن کے بولنے کو صبح کا آواز دینا قرار دیا ۔ اسقینہا میں ضمیر ھا را جمع ہے طرف شراب کی جس کا ذکر پہلے اشعار میں ہو گا ، اور نہیں ہے تو صبح کا وقت شراب صبوحی کے پینے کا وقت ہے ، شراب حاضر[1] فی الذہن تھی ۔ ''خمرۃً'' موصوف اور ''تترک الحلیم سفیہا'' جملہ صفت اور موصوف صفت مل کر حال ہوا ضمیر ھاء سے جو ''اسقینہا'' میں ہے ۔ یعنی صبح ہوئی تو اے معشوقہ ! مجھ کو شراب پلا دراں حالیکہ وہ ایسی شراب ہے کہ حلیم ، صاحب حلم (عقل) کو سفیہ (احمق) بنا کر چھوڑ دیتی ہے : چھوڑ کیا دیتی ہے ، یعنی کر دیتی ہے ، یعنی اُس کے پینے سے عقل زائل ہو جاتی ہے ۔

دوسرا شعر : ''میں نہیں جانتا بہ وجہ رقّت اور صفائی کے کہ شراب پیالے میں ہے یا پیالہ شراب میں ہے'' ۔ شراب پینے کے پیالے سفید شیشے یا بلور کے ہوتے ہیں اور شراب کی صفت ہے رقّت یعنی پتلا پن کیوں کہ غلظت اور گاڑھا پن تلچھٹ ، یعنی دُرد میں ہوتا ہے ۔ تو کہتا ہے کہ اُس شراب میں اس درجے کی رقت اور صفائی ہے کہ شراب اور پیالۂ بلور دونوں کے رنگ میں مطلق امتیاز نہیں ہوتا اور نہیں کہا سکتا ہے کہ شراب پیالے میں ہے یا پیالہ شراب میں ؛ جیسے کالپی کی مصری کی لوگ مدح کرتے ہیں کہ میٹھے چاولوں میں اور خشکے میں امتیاز نہیں ہوتا ، اور شربت گلاس میں ہو تو شبہہ ہو کہ خالی گلاس ہے ۔

(۱۲) ساصبر حتّٰی یعلم الصّبر انّنی
صبرت علی شئی اُمرّ من الصّبر
ولا شئی مثل الصبر مُرٌّ وانما
امر من الامرِان خالنی صبری

۱- ذہن میں حاضر ۔

صبر ایلوا ایک پھل ہے بہت کڑوا ''میں مصیبت پر صبر کروں گا ، یہاں تک کہ صبر کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں ایلوے سے زیادہ تلخ چیز کی برداشت کر سکتا ہوں'' اور شئی اُمَرُّ مِن الصَّبِرِ'' سے وہ مصیبت مراد ہے جس میں صبر کیا ۔ پھر کہتا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایلوا تو برائے نام کڑوا ہے ، صَبر کے برابر کسی میں تلخی نہیں لیکن ایلوے اور صبر دونوں سے بڑھ کر یہ بات تلخ ہے کہ آدمی سے صبر نہ ہو سکے ، یعنی صَبر اور صِبر دونوں سے بے صبری بڑی تلخ ہے اور سچ ہے کہ بے صبری صبر سے زیادہ تکلیف دیتی ہے ۔ بے صبری کو اس عبارت سے تعبیر کیا ''ان خانَنی صبری'' یہ کہ خیانت اور دغا کرے میرے ساتھ میرا صبر ، یعنی صبر مجھ کو دھوکا دے اور میری رفاقت نہ کرے ۔

ولو انّ ما بی بالجبال لھدّمت
وبالنار اطفا ھا وبالریح لم تسری

اور اگر وہ مصیبت جو مجھ پر نازل ہے ، کہیں پہاڑوں پر نازل ہوتی تو ڈھا دیے جاتے اور مسمار ہو گئے ہوتے اور اگر وہ چیز جو ساتھ میرے ہے ، یعنی وہ مصیبت جو مجھ پر نازل ہے ۔ ''لو ان ما بی ای مصیبۃً نازلۃً بی نزلت بالجبال لھدّمت'' جزائے 'لو' ہے ۔ دوسرا مصرع عطف ہے ۔ تقدیر العبارت : ''لو ان ما بی بالجبال لھدّمت'' پہاڑوں کا تو یہ حال ہوتا کہ پھٹ پڑتے ، لو ان ما بی بالنّار اطفاء ، آگ کا یہ حال ہوتا کہ بجھ جاتی ، تیزی و سرکشی چھوڑ دیتی ، لو ان ما بی بالریح لم تسری ۔ ہوا کا یہ حال ہوتا کہ چلنے سے بند ہو جاتی ۔ اصل میں ''تسری'' تھا ''لم'' آیا ''لم تسر'' ہوا ، تو پھر رے کے کسرے کو اشباع سے پڑھا واسطے رعایت وزن شعر کے تو ''لم تسری'' ہو گیا ۔ اب جو 'ی' ہے اشباع کسرہ کی ہے ۔ قرآن مجید

میں ہے : ''ولو[1] لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدّمت صوامع و بیع و مسا جد یذکر فیھا اسم اللہ'' ۔ فقط

۱۹ - نومبر ، ۱۸۷۶ء

۴۹

گو تم نے نہیں لکھا مگر میں قرائن سے کہہ سکتا ہوں کہ تم بجنور نہیں گئے ۔ ''استشناء'' کی شریعت میں اسی وجہ سے تاکید ہے کہ انسان مستقبلات پر قادر نہیں ۔ استشناءِ مصطلحِ شارع نام ہے ''ان شاء'' اللہ کہنے کا ۔ قرآن پاک میں کسی مقام پر ''ولایستشنون[2]'' آیا ہے ۔

- - - - کا خط آیا ہے ۔ تم نے اس سے کیوں کہہ دیا ہوگا ۔ کیا تم نے نہیں پڑھا ''صدور الاحرار[3] قبور الاسرار'' لیکن کیا ایک خط اور وہ بھی بعدِ حسنِ طلب رفعِ شکایت کر سکتا ہے؟ حاشا و کلّا[4] ۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

مگر تم اس کو مجھ سے بد دل مت کرو ۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

دھلی میں سواری کی ضرورت ہوگی ۔ اے کاش تم کوئی گھوڑا

۱- اور اگر خدا لوگوں میں یہ انتظام نہ رکھتا کہ ایک کو دوسرے سے دفع کرے تو معابد اور کلیسے اور مساجد جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے ، منہدم ہو جاتے ۔
۲- اور وہ ان شاء اللہ نہیں کہتے ۔
۳- آزادوں کے سینے بھیدوں کے گنجینے ہیں ۔
۴- ہرگز نہیں ۔

دکھتے ! اس کا الزام مجھ پر ہے یا تم پر ؟ اب تم بڈھے باپ کو کندھے پر لادے لادے پھرنا ۔

۱۳ - دسمبر ، ۱۸۷۶ء

۵۰

بشیر ! عربی پڑھنے کا ڈھنگ تو اچھا ہے ۔ اے کاش انگریزی یا ریاضی اور ہر چیز میں یہی کاوش ہو ! اگر اسی طرح کی تحقیق سے ہر چیز دیکھی اور سمجھی جائے تو طوفان ترقی استعداد پیدا ہو ، لیکن عربی میں اس ڈھرے پر تم کو میں نے لگایا ، سو تم کو اس کا خیال ہے ، باقی چیزوں کو سرسری طور پر ٹرخاتے ہو ۔ اگر منطق نہیں ہوتی حدیث شروع کر دو ۔ میں کہتا ہوں عربی کا ایک سبق مدرسے کے باہر ہونا ضرور ہے ، اگرچہ تھوڑا ہو مگر ہو ضرور ۔ تمہارے خط انگریزی میں حروف کی چوڑان نہیں ہوتی ۔ تمہارا خط مجھ سے عمدہ ہے مگر میں تم کو اپنا جیسا نہیں چاہتا بلکہ اپنے سے بہ مدارج بہتر اور جو بات تمہارے فائدے کی سمجھ میں آئے گی ، جب تک جیتا بیٹھا ہوں ، لکھا کروں گا ، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے ۔

عربی ہو یا انگریزی ترجمہ دو طرح کا ہوتا ہے : ایک لفظی جیسے ''گئی وہ عورت اوپر ایک دروازے کے'' ایک با محاورہ جیسے ''وہ عورت ایک دروازے پر پہنچی'' متبدی کو پابندی لفظی ترجمے کی ضرور ہے لیکن اس کو اپنی زبان کے محاورے پر بھی نظر رکھنی چاہیے ۔ عبارت کی عمدگی یہ ہے کہ نری بول چال ہو جیسے کوئی باتیں کر رہا ہے : اس وجہ سے اخبار اور ناول کی انگریزی عمدہ سمجھی جاتی ہے ، یہ لوگ روزمرہ لکھتے ہیں ۔ پس تم دو ترجموں کی عادت ڈالو ، لفظی اور با محاورہ ؛ بلکہ اب تم کو محاورے کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیوں کہ بفضلہ تعالیٰ مبتدیوں کے درجے سے ترقی کی ۔ فقط

۵۱

۸ - جنوری کو رات کے نو بجتے بجتے میں اپنے ضلع میں پہنچ گیا ۔ ٹرین نے ابتداءِ روانگی میں کچھ دیر کی ، پھر راہ میں زائد از معمول وقفات ہوئے ؛ غرض تین بجے کے بعد بکسر پہنچے ورنہ میں شاید سویرے پہنچ جاتا ۔ راہ میں جو لوگ میری گاڑی میں تھے ، اتفاقاً ان میں ایک ہندوستانی ڈاکٹر بھی تھا ۔ میں نے تمھارے داد کا تذکرہ کیا ۔ وہ تو کچھ چپ سا ہوا مگر ایک یورپین جنٹلمین نے کہا گوآپوڈر داد کے لیے نہایت نافع ہے اور اس وقت ڈاکٹروں کا اجتماع ہے اس بات پر کہ داد کی دوا اس سے بہتر نہیں ۔ یہ ایک سفید سفوف ہے ، انگریزی دوا فروشوں میں شاید آٹھ آنے کو اس کی شیشی ملے گی ۔ خوبی یہ ہے کہ حاد اور قاطع نہیں ۔ رتی بھر ہتیلی پر رکھ کر دو تین قطرہ پانی میں لت کر کے داد پر مل لیا کرو ؛ صبح و شام استعمال کرو ، غالباً تین دن میں نفع ظاہر ہو جائے گا ۔

۹ - جنوری ، ۱۸۷۷ء

۵۲

دس دن دھلی میں رہ آنے سے مجھ کو مہینوں وحشت رہے گی ۔ تمھارے دل کی جو کچھ کیفیت ہو مگر میرا یہ حال ہے کہ جس وقت ذرا خالی ہوتا ہوں ، تمھارا خیال آتا ہے اور تمھارے خیال کے ساتھ تمھارے امتحان کا ۔ مجھ کو تمھارے خط کے دیر کرنے سے خدشہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں خدا نہ خواستہ ایسا تو نہیں ہوا کہ تم امتحان میں ناکام رہے اور شرم کے مارے مجھ کو نہیں لکھتے ، سو کب تک چھپاؤ گے ؛ جلد لکھو کہ تمھارا انتظام کروں ۔ ہر چند یہ مواقع سفارش کے نہیں ہیں لیکن اگر کچھ دخل سفارش کو ہو اور ضرورت بھی ہو تو میں یہاں دور بیٹھا ہوا کیا

کر سکتا ہوں ۔ البتہ مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حاجت کرو ۔ میں بہت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ وہ تمھاری مدد کریں گے اور میری نسبت وہاں آن کی وقعت بھی زیادہ ہے ۔ اگر کسی معلم یا ماسٹر کی توجہ درکار ہو تو بھی مولوی صاحب سے کہنا ؛ اگرچہ دھلی کے لوگ بے مروتی سی کرتے ہیں لیکن : ع

چہ تواں کرد مردماں این اند

والسلام ۔ ۱۹ - جنوری ، ۱۸۷۷ء

۵۳

۱۷ - کا خط پہنچا ۔ بندۂ خدا اتنی دیر مت کیا کرو ۔ کیا کفایت شعاری اسی میں منحصر ہے کہ مجھ کو خط لکھنے میں کمی کی جائے ۔ میں نے تم کو پہلے بھی لکھا ہے اور اب پھر لکھتا ہوں کہ امتحان کے بھروسے پر مت رہو ۔ کسی طرح جماعت میں ترقی کرو اور آگے کو نصیحت پکڑو ۔ مدرسے میں کامیابی اور نام وری کے ساتھ پڑھنا یوں تو نہیں ہوگا ۔ مدرسے کے علاوہ گھر پر کم سے کم تین چار گھنٹے روز دل لگا کر پڑھو گے تو خیر ورنہ کیوں خود حیران ہوتے ہو اور کیوں ہم سب کو حیران کرتے ہو ۔ دنیا کی کار روائی کے لائق تم کو لکھنا پڑھنا آ ہی گیا ہے ؛ پس میرے پاس رہ کر قانون یاد کرو اور امتحان دو ۔ مدرسے میں پڑھنا منظور ہے تو یاد رکھو انٹرنس پہلی منزل ہے ۔ بھلا کچھ نہ ہو تو بی ۔ اے کے خطاب تک تو ہو ۔ بشیر ! درجۂ فضلیت حاصل کرنے کے ہرگز یہ ڈھنگ نہیں جو تمھارے ہیں ۔ ہر روز کے سبقوں کا بالالتزام مطالعہ اور پڑھنے کے بعد نظر تدقیق سے ان کو دیکھنا اور ذہن نشین کرنا اور ایک درجۂ اعتدال کے ساتھ محنت کا برابر جاری رکھنا شرط ضروری ہے ۔ تمھارا یہ حال

ہے کہ پہلے ہی امتحان میں یہ تردد کہ پاس ہوئے یا نہیں - تو آگلے امتحان جو کہیں سخت ہیں - کیوں کر ان سے عہدہ برآ ہو سکو گے - غرض پڑھنا ہے تو پڑھنے کے طور پر پڑھو - چاندنی چوک جا نکلے ، کہیں عجائب خانے کی سیر کی ، کچھ وقت قصے کہانیوں میں ضائع کیا ، دو گھڑی رات گئی اور سو رہے ، یوں تو پڑھنا نہیں آتا ؛ پڑھنا جب آ سکتا ہے کہ تم ایک ایک منٹ کی قدر کرو اور جہاں تک تندرستی اجازت دے ، محنت کرتے رہو - تم اب تک مجھ سے صرف عربی پوچھتے تھے ، آیندہ ریاضی بھی پوچھا کرو ؛ زیادہ نہیں تو انٹرنس تک تم کو بتاؤں گا - حساب و جبر و مقابلہ کی خامی متوجہ ہو کر نکال ڈالو - تاریخ کے واقعات بہ طور سوال و جواب مرتب کرتے جاؤ ، تب امتحان دینے کا مزا ہے - نری دعا سے کام نہیں چلتا - شوق نہیں ورنہ مولوی - - - - کے ہوتے تم کو عربی کا حاصل کرنا کیا دشوار تھا - مدرسے کی چیزوں کا حیلہ اور ان میں یہی نقصان -

مولوی صاحب نے کئی مکان لیے لیکن سب جائداد میں دکان مجھ کو پسند ہے ؛ باقی محل اور حویلیاں سب آخور کی بھرتی - غضب ہے - - - - والا مکان تیرہ سو کا ہے اور تین روپے کرایہ - لوٹ کے حساب سے اس کا کرایہ چار روپے آٹھ آنے ہونا چاہیے مگر کوئی اہتمام نہیں کرتا - ہم نے مکان مفت نہیں پایا ، گٹھڑی بھر روپیہ دیا ہے ، تو کیا وجہ کہ ہم کو پورا نفع نہ ملے - مولوی[1] صاحب کے مزاج میں رحم ، بیوی صاحب کو خیال نہیں ، تم کو لیاقت نہیں ، مولوی[2] دعا گو کو قابلیت اور فرصت دونوں نہیں ،

۱- مولوی بشیر الدین احمد صاحب کے نانا مراد ہیں -

۲- ہو نہ ہو یہ وہی شخص ہے جس کے نام کا خط گزر چکا ہے یعنی مولوی سبحان بخش -

مکان لا وارث سا پڑا ہے ۔ اگر کرایہ داروں کو یہ حال معلوم ہو تو وہ تین روپے بھی نہ دیں ۔ بڑی حویلی ہمیں ہمیشہ خسارہ دیتی ہے مگر اعمال بد کی طرح بار دوش ہے ، خدا ھی ہے کہ اس کا بوجھ سر سے ٹلے ۔ جب تجربہ کر لیا کہ دھلی بجنور دونوں میں کوئی انتظام کرنے والا نہیں تو عاجز آ کر نوٹ[۱] کا پہلو اختیار کیا ورنہ کوئی کرنے والا ہوتا تو حلال طور پر ایک ڈپٹی کلکٹر کی تنخواہ کماتا اور اصل محفوظ ۔ بس غنیمت ہے کہ بے چارے مولوی صاحب باو جود معذوری اتنا بھی کرتے ھیں ورنہ ہم سب تو جیسے منتظم اور ہوشیار ھیں ، ظاہر ۔ فقط

۲۱ - جنوری ، ۱۸۷۷ء

۵۴

آٹھویں جاعت جس میں تم کو رعایةً ترقی کر دیا گیا ، وہ جاعت ہے جس میں تم کو میں سال گزشتہ داخل کرانے والا تھا ۔ شاید تم کو معلوم نہ ہوا ہو مگر مجھ کو تمہارا ساتویں میں داخل ہونا خوش نہیں آیا تھا ۔ تعجب ہے کہ تم آٹھویں کا نام سن کر گھبراتے ہو ۔ رعایتی ترقی محمود ترقی نہیں ہے ۔

حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر ست
رفتن بہ پائے مردیٔ ہم سایہ در بہشت

لیکن اگر تم آٹھویں میں نہ گئے ہوتے تو مجھ پر سخت صدمہ ہوتا اور میں تم کو دھلی میں نہیں چھوڑ سکتا تھا ۔

برخوردار ! محنت سے جان چرانا تو طالب علم کا کام نہیں ہے اورپھر یہ بھی کوئی محنت ہے کہ خدا کے فضل سے ہر طرح کے آرام کے ساتھ گھر میں رہنا اور پڑھنا ۔ وہ بھی بندگان خدا ھیں جو

۱- یعنی اندوختے کو پرامیسری نوٹ کے پیرائے میں رکھا ۔ خط ۴۸ میں اس کی خوب تفصیل ہے ۔

دن بھر کلھاڑی چلاتے ، سڑک کوٹتے ، دوڑتے ، راتوں کو جاگتے ، بوجھ ڈھوتے ؛ ہزاروں شکر ہے کہ شاقّہ محنت میں مبتلا نہیں کیے گئے ۔ محنت ایک امر اضافی ہے ، اس کا مفہوم متعین نہیں ۔ ایک کام زید کے واسطے محنت کا ہے مگر شاید خالد کے حق میں وہ کامل آسائش کا موجب ہے ؛ پس جس کو تم نے محنت سمجھا کیا ، تم جیسے اور تم سے بہتر ہزاروں لاکھوں اُس کو نہیں کرتے ۔ افسوس ہے کہ تم اس کو محنت کہو ۔ ارے بابا ! اگر یہ محنت بھی ہے تو ساری عمر کا آرام ، ساری عمر کی خوش حالی ، ساری عمر کی آبرو اس محنت کے طفیل سے حاصل ہوگی ۔ ایک ظریف کا مقولہ ہے کہ جینا تو جینا ، بے محنت مرنا بھی نہیں ہوسکتا ۔

اگر تم کو عربی میں ۸۲ نمبر ملے تو نہ تمھاری محنت سے بلکہ اس فقیر کی محنت کا ثمرہ ہے کہ کسی حالت میں تمھارا سبق ناغہ نہیں ہونے دیا ۔ میں نے اپنے پندار میں تم کو اتنا پڑھا دیا تھا کہ اگر تم نے اُس کو محفوظ رکھا ہوتا تو آج کل کے سو دو سو نہیں تو چالیس پچاس مولویوں سے تو بہتر تھے مگر وہ گھر کی مرغی تھی ، تم نے دال برابر سمجھی ۔

مجھ کو تمھارے اس لکھنے پر بڑی ہنسی آئی کہ تاریخ جغرافیہ سب مضمونوں میں مشکل ہے ۔ میں تو ان دونوں کو قصہ کہانی سمجھتا ہوں ؛ البتہ بل یہ پڑتا ہے کہ کتاب پڑھتے وقت عبارت پر تو لحاظ ہوتا ہے ، حاصل مطلب کی طرف توجہ نہیں ہوتی ، ورنہ اگر ہر آدھے یا پورے صفحے کے بعد آنکھ بند کر کے غور کر لیا جائے کہ اتنے کا خلاصۂ مطلب کیا ہوا ، تو ممکن نہیں کہ واقعات مستحفظ نہ رہیں ۔ جغرافیے کی جان ہے نقشہ ۔ ایک مکمل نقشہ منگوا لو اور ایسے موقع پر لٹکا دو کہ تھک کر لیٹے تو نقشہ سامنے ہو ۔ بار بار دیکھتے دیکھتے یاد ہو جاتا ہے کہ فلاں شہر کہاں ہے اور وہ ندی یا پہاڑ

کدھر واقع ہے ۔ اگر تمھاری تاریخ چند روز کے لیے مجھ کو ملے اور میں اُس کا اُردو میں خلاصہ کر دوں یا سوال جواب بنا دوں اور تم اُس کو یاد کر لو ، پھر فیل ہو جاؤ تو میں جواب دہ ۔

حساب ، جبر و مقابلہ ، اقلیدس البتہ سوچ و بچار اور مشق و مہارت کے کام ہیں ۔ میں نے تم کو کسور عام اور کسور اعشاریہ تک پڑھایا تھا اور جتنا تم نے حساب و جبر و مقابلہ مجھ سے سیکھا تھا ، وہ ساتویں جماعت میں کامیاب ہونے کو کافی تھا لیکن مصیبت یہ ہے کہ تم نے نہ تو یہاں جی لگایا اور نہ وہاں لگاتے ہو ۔

میں نے تم کو متواتر لکھا کہ بشیر ہر کتاب کو سبقِ روزمرہ تک یاد کرتے جاؤ لیکن دنیا میں باپ ہونا بات کو بے وقعت کرتا ہے ۔ تم نے کہا ''نہیں'' تو دل میں خیال کیا کہ اس کی تو عادت ہے اسی طرح کے خط لکھا کرتا ہے ۔ اس سے کہ تم ۔ ۔ ۔ ۔ یا کسی شناسا متعارف کو، گو وہ بجنوری ہی کیوں نہ ہو ، یا گو وہ دھلی والا ہی کیوں نہ ہو ، بے فائدہ خط لکھو اور اس سے کہ رات کو عزیزو دین اور غلام موے دین سے باتیں کرو اور اس سے کہ تم پہاڑ گنج جاؤ اور اس سے کہ تم ۔ ۔ ۔ ۔ کو لکھنا سکھاؤ اور اس سے کہ تم بازار میں بھرو اور عجائب خانے کی سیر کرو اور اس سے کہ تم سیماب وار کبھی گھر میں ، کبھی باھر آؤ جاؤ اور اس سے کہ تم بھول کر بھی کبھی مطالعہ نہ کرو اور اس سے کہ تم مدرسے کے سبقوں کو گھر میں آ کر نہ پڑھو ؛ غرض اس سے کہ تم محنت نہ کرو اور وقت کی قدر و قیمت نہ پہچانو ، نہ تم امتحان دے سکتے ہو اور نہ آیندہ کبھی دے سکو گے ۔ میں نہیں کہتا کہ تم اتنا پڑھو کہ تندرستی میں خلل پڑے لیکن جہاں تک تم سے ہو سکے ، ایک منٹ ، ایک سکنڈ کو رائگاں مت کرو ۔ پھر قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ تم انٹرنس میں کیسا خطاب حاصل

کروگے اور گو ہندوؤں کے لڑکے اپر اسکول میں پڑھ کر آئے ہوں ، کوئی تم کو نہ پا سکے گا ۔ آٹھویں جماعت میں پڑھنا انہی کا ہے جو ساتویں پاس کر کے چڑھے اور تمہارا پڑھنا تو بھئی بھگوڑی پدڑی کا پھر بیٹھنا ہے ۔ خدا تمہاری غیرت کو تیز اور تمہاری ہمت کو بلند اور تمہاری محنت کو زیادہ کرے ، آمین ! میں نے تمہارے ساتھ وہ کیا اور کرتا ہوں جو میرے باپ نے (خدا ان کو جنت نصیب کرے) میرے ساتھ کیا تھا ۔ میں نے تم کو پہلے بھی لکھا تھا اور پھر بھی لکھتا ہوں کہ میں عربی اور ریاضی دونوں میں تمہاری مدد کو حاضر ہوں مگر بے تمہاری ہمت کے کام نہیں چلے گا ۔ امتحان سالانہ کو تو ہر وقت پیش نظر رکھو اور ہر روز محنت کیے جاؤ ، ان شاء اللہ بیڑا پار ہے ۔

مرد باید کہ ہراساں نہ شود
مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

پھر کیا ضرور ہے کہ امسال اگر رعایۃً تمہاری ترقی ہو گئی تو سال آیندہ بھی رعایت کی جائے ۔ اگلے سال اپنی قوت بازو سے ترقی کرو ۔ جو لڑکا ریاضی میں تیز ہو آس سے راہ و رسم ضرور پیدا کرو ۔ انگریزی کے ۳۶ نمبر بھی محل خوف ہیں ۔ ارے میاں ! ایک طالب علم ہم تھے کہ سارے ہم جماعت بلکہ بہ خدا استاد بریز بریز کرتے تھے مگر تھا کیا کہ بھئی تمہاری طرح بد شوق اور کم محنت نہ تھا ، بے سر و سامان البتہ تھا ۔ جنوری ۷۷ء گزری اور دسمبر ۷۷ء تعطیل میں گزرے گا ؛ پس بہ استثنائے تعطیلات درمیانی مشکل سے پانچ چھ مہینے ہوں گے ۔ اگر کوئی مدرسے کی پڑھائی پر قانع رہے تو وہ پڑھ چکا ۔ اصل پڑھنا تو گھر کا ہے اور تم گھر پر پڑھنے یا تعطیلوں میں دوسرے سے استفادہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے ۔

تمہارے پڑھنے کا جھگڑا تو چلا ھی جائے گا ، اب گھر کا کام بھی کروں - میرے پاس ایک خط مولوی - - - - صاحب کا آیا - یہ مضمون وھی ہے جو مولوی صاحب نے دھلی میں زبانی بھی کہا تھا اور میں نے بیوی صاحب سے نقل کیا تھا - نہیں معلوم مولوی صاحب کو یہ خود خیال پیدا ہوا یا وھاں والوں نے کہا لیکن میں سمجھتا ھوں کہ انھی کا خیال ہے مگر کوئی دوست جو صلاح کی بات کہے ، اُس کو مخاصمت کے ساتھ نہیں سننا چاھیے - لوگ مجھ کو کنجوس اور بخیل کہتے ھیں اور چوں کہ قاعدہ ہے کہ : ع

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گوید چیز ھا

مجھ میں یہ عیب ھوگا - اگرچہ خود پسندی کی وجہ سے آدمی کو اپنے عیوب پر اطلاع نہیں ھوتی لیکن بخل اولاد کے ساتھ تو میں بھی برتنا نہیں چاھتا - تف ہے میری دولت پر اور لعنت میرے مال دار ھونے پر جب میری پیاری اولاد اس وجہ سے تکلیف پائے کہ میں اُن کی حاجت کی قدر باوجود مقدرت روپیہ نہیں دیتا - خدا کی قسم میں یہی سمجھتا ھوں کہ جوکچھ میرے پاس ہے ، ان بچوں کی امانت ہے - پس افسوس ہے کہ جن کا روپیہ ھو انھی پر خرچ نہ کیا جائے - خدا اس کا گواہ ہے کہ بشیر کے لیے - - - - کے لیے - - - - کے لیے کس کم بخت کو روپے سے دریغ ھو اورمیں نے اپنے نزدیک ایسا ھی برتاؤ کیا ہے یا شاید میری سمجھ کی غلطی ھو - غرض اس مضمون کو میں تمہاری والدہ کے حوالے کرتا ھوں کہ وہ بلا رُو و رعایت خوب غور سے سوچیں اور مطلق میرا اور میرے روپے کا پاس نہ کریں ، مجھ کو اُن کے فیصلے کی تعمیل میں مطلق تامل نہ ھوگا -

۳ - فروری ، ۱۸۷۷ء

۵۵

اگرچہ امتحان تم دو گے اور یاد تم کرو گے ، محنت و کاہلی کا نتیجہ تم بھگتو گے مگر مجھ کو تمھارے امتحان سال آیندہ کا ابھی سے سوچ ہے اور تم ابھی سے فکر رکھو گے تو دعوے کے ساتھ امتحان دو گے - پس عربی اوو ریاضی کے سبق بھیجنے شروع کر دو ، تھوڑا تھوڑا ہو چلے - یہ خیال ہرگز اپنے دل میں مت آنے دینا کہ ابھی بہت وقت ہے - فقط -

۳ - فروری ، ۱۸۷۷ء

۵۶

اس وقت ریڈ صاحب کی چٹھی آئی ہے - انھوں نے رپورٹ کردی ہے کہ یکم مارچ سے نذیر احمد دوسرے ضلع میں بھیجا جائے ، یہاں اس کی ضرورت باقی نہیں - عملہ یکم مارچ سے تخفیف کیا جائے گا - مجھ کو اس وقت تک معلوم نہیں کہ کہاں جاؤں گا اور کس کام پر - میں نے ریڈ صاحب کو لکھا ہے کہ تین مہینے کی رخصت دلا دیجیے کہ ذرا آرام کر لوں -

لیکن من جانب اللہ ایک دوسرا سامان ہوا ہے - اگر تم لوگ رضامند ہو کر اجازت دو - خط ملفوف ہے ، مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر کا ہے - یہ حواری ہیں سید احمد خاں صاحب بہادر کے - اٹاوے کے رہنے والے ہیں - وہیں سر رشتہ دار فوج داری تھے ، وہیں تحصیل دار ہوئے ، وہاں سے مرزا پور بدل آئے ؛ وہاں کچھ کوہستانی علاقہ زیر بند و بست تھا ؛ ان کو ڈپٹی کلکٹر بند و بست کے اختیارات دیے گیے اور کئی مدوں سے ملا کر چارسو روپیہ پاتے تھے - اسی اثنا میں شاید نواب صاحب سر سالار جنگ بہادر وزیر حیدر آباد نے سید احمد خاں سے پانچ یا چھ آدمی طلب کیے ، انھوں نے ان کو بھیج دیا - وہاں جا کر مولوی مہدی علی صاحب

کی شاید ہزار روپیہ تنخواہ ہوئی ۔ اب سنا ہے کہ معتمد مدارالمہام مقرر ہوئے ۔ میں نے مولوی مہدی علی صاحب کو فی عمری صرف ایک بار آگرے میں دیکھا ، جن دنوں مجھ کو " مرأۃ العروس " کا انعام اٹاوے میں ملنے والا تھا ۔ مولوی مہدی علی صاحب ڈیوک آف اڈنبرا کو دیکھنے کلکتے گئے تھے ۔ وہیں سے مجھ کو بلا تعارف بڑے تپاک کا خط لکھا اور بہت اصرار کیا کہ اٹاوے میں میرے مکان پر ٹھہرنا ؛ چنانچہ جوں میں ریل سے اترا ، مولوی مہدی علی صاحب کے رشتہ مند مجھ کو کشاں کشاں اپنے گھر لے گئے اور بہت مدارات کی ، مگر مولوی مہدی علی صاحب وہاں نہ تھے لیکن نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر نے مجھ کو اٹاوے سے واپس کیا اور آگرے کے دربار میں بلایا ۔ وہاں منشی غلام غوث صاحب میر منشی لیفٹیننٹی کے یہاں میں نے مولوی مہدی علی صاحب کو دیکھا ۔ ایک جوان صبیح بے باکانہ " مرأۃ العروس " کی ہنسی اڑا رہے ہیں ۔ جوں میں خیمے میں پہنچا ، منشی غلام غوث صاحب نے کہا " لیجیے حضرات " مرأۃ العروس " کے مصنف صاحب بھی تشریف لائے "۔ منشی غلام غوث کی تقریب سے ہم دونوں ملے تو مولوی مہدی علی صاحب منقبض سے رہے ؛ شاید ہنسی اڑانے سے کچھ جھینپے ہوں ۔ مجھ کو حیرت ہوئی الہ' العالمینا ! یہ وہی مہدی علی ہیں جنھوں نے خود مجھ کو کس تپاک سے اپنے گھر ٹھیرایا تھا کہ اب بالمشافہ میری کتاب کی تفضیح کر رہے ہیں ، خیر رفت وگزشت ۔ اب جو یہ خط آیا ہے ، سرکاری خط ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ حسب الحکم سرکار لکھتا ہوں اور مجھ کو سکندر پور میں ایک دوست مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے خط سے بھی کہ وہ بھی ریاست حیدر آباد میں ہیں ، اس سے پہلے معلوم ہوا کہ میرا تذکرہ مدارالمہام حیدر آباد کے حضور میں ہوا ۔ تیسری دلیل اس خط کی صداقت اور واقعیت کی یہ ہے کہ

سید احمد خاں صاحب کی معرفت آیا ہے ۔ تم جانتے ہو کہ سید احمد خاں صاحب کس رتبے اور وقار کے آدمی ہیں ۔ غرض حسن طلب میں تو کچھ شک نہیں ، حیرت یہ ہے کہ مولوی مہدی علی صاحب نے میری تقریب کیوں کی ؛ عجب نہیں کہ کتاب '' ہیئت '' نے یاد دہانی کی یا کوئی اور سبب ہوا ہو ۔ بہ ہر کیف بلاتے ہیں اور تنخواہ بالفعل آٹھ سو اور بعد کو ایک ہزار ماہوار یہاں کے سکتے سے دینے کا وعدہ فرماتے ہیں ۔ اتنی تنخواہ مجھ کو سرکار انگریزی میں تمام عمر پانے کی توقع نہیں ۔ دربار حیدر آباد ان دنوں بہت ممدوح ہے ؛ اختیارات وسیع ، عہدہ معزز ۔ مجھ کو وہاں کے زیادہ حالات معلوم نہیں ، اتنا جانتا ہوں کہ ادھر کے اور انگریزی عمل داری کے ہزار ہا بندگان خدا وہاں ہیں ؛ سیکڑوں آدمی تو دہلی کے وہاں ہیں ۔ مولوی رشید الدین خاں مرحوم کا خاندان سب وہیں ہے ۔ پس تم لوگ اگر صلاح دو تو بالفعل ایک سال کی رخصت لے کر جاؤں ۔ ذرا بمبئی ، مدراس ، حیدر آباد وغیرہ کی سیر کروں ''سیروا فی الارض[۱]''۔

۵۷

تین مہینے کی رخصت کے لیے ریڈ صاحب نے بھی سفارش کر دی ہے لیکن حیدر آباد جانا ہوا تو برس دو برس کی فرلولینی[۲] ہو گی ۔ ریل ہے تو دوری کوئی چیز نہیں ۔ رہی پنشن ، اس کے لیے میں نے دریافت کیا ہے ۔ اگر میں حیدر آباد گیا تو مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ کو ساتھ لیے جاؤں گا ۔ ان کو ابھی سے سنا رکھو ، ایسا نہ ہو کہ وقت پر تقاعد[۳] کریں ۔ طالب اگر سچا ہے تو وہ دور و نزدیک پر

۱- ''زمین کی سیر کرو'' ۔
۲- ایک قسم کی رخصت ہے جس میں نصف تنخواہ ملتی ہے ۔
۳- سستی ۔

نظر نہیں کرتا ۔ اس سے کہ دھلی میں حاجت مندانہ رھیں ، بہت بہتر ھو گا کہ پردیس میں آسودہ حالی سے بسر ھو ۔ آن کی سی حالت اگر مجھ پر ھوتی تو بھوپال ایسا تھا جیسے دھلی والوں کو شاہ درہ ۔ چنانچہ جن دنوں میں گجرات گیا ، وہ بھوپال سے بہت دور تھا ۔ تئیس دن تک متواتر تمام تمام دن چلا ، تب خدا خدا کر کے گجرات کی شکل دیکھی ۔ حیدر آباد سے خط آنے شروع ھوئے ھیں کہ علاوہ تنخواہ کے دو سو چالیس ماھوار دوامی بھتا بھی ھے ۔ اب میں صرف دو باتوں کا منتظر ھوں : ایک تو رخصت کی منظوری ، دوسرے میں نے جو خط مولوی مہدی علی صاحب کو لکھا ھے ، آس کا جواب ۔ اگر حیدر آباد میں پاؤں جم گئے اور نصیب میں ھے تو سر منزل حج و زیارت حرمین شریفین قریب ھے ۔

بشیر! تم اب کب دنیا کو سنبھالو گے ۔ بہ خدا میں تو ملول ھوں ۔ وہ اگلی سی گدگدی مجھ میں باقی نہیں ۔ بندۂ خدا لگ لپٹ کر انٹرنس تو پاس کر لو ۔

۱۳ ۔ فروری ، ۱۸۷۷ء

۵۸

السّلام علیک و القلب مشتاق الیک[1] ۔

وہ ضرورت پڑھنے لکھنے کی جس کے لیے چار و ناچار خط لکھنا پڑھتا تھا ، تم نے قاطبۃً[2] بند کر دی ۔ اگر بدلی اور رخصت اور حیدر آباد کے مضامین جمع ھونے سے پریشانی ھے تو مجھ کو ھے ، مگر تم نے دیکھا تو ھوتا کہ اس حالت میں بھی تمھارے سبقوں میں بالالتزام اصلاح دیتا ھوں یا نہیں ۔ دھلی کالج اگر ٹوٹا تو غضب

۱۔ تم پر سلامتی ھو اور دل تمھارا مشتاق ھے ۔
۲۔ یک قلم ۔

ہوا ۔ گو کالج ٹوٹے پھر بھی اتنا سامان دھلی میں ضرور رہے گا کہ آدمی تکمیل استعداد کر سکے ۔ تم حیدر آباد جانے کے متقاضی ہو۔ جب میں تمھاری عمروں میں تھا تو مجھ کو عرش کی سوجھتی تھی ۔

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

اب صرف اتنی گدگدی دل میں ہے کہ میں نے انکار نہیں کیا ۔ اگر ابتداً بارہ سو دیں گے اور ارذل[۱] عمر کے لیے سامان کر دینے کا وعدہ فرمائیں گے تو ان شاء اللہ جاؤں گا ، لیکن مجھ کو ایسا احمق مت سمجھو کہ بہت دنیا جمع کرنے کو زندگی کا ماحصل سمجھوں ۔ بشیر! دنیا کو تو خوب دیکھا ۔ غریب محتاج تھا خدا نے مال دار غنی کیا ، اولاد ہوئی ، حکومت کے مزے اڑائے ، نام وری اور شہرت سے بھی بے نصیب نہیں رہا لیکن انجام ان سب بکھیڑوں کا کیا ہے ؟ آخر فنا آخر فنا ۔ اب خداوند تعالی ایسی توفیق عطا کرے کہ کچھ وہاں کے لیے بھی کروں ۔

کیا وہ دنیا جس میں ہو کوشش نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

واں صاحب چارج لینے کو آ گئے ۔ میں حتی الوسع کل سامان فروخت کر دوں گا ، ولو بخط الثمن[۲] ۔

۱۔ اخیر عمر ۔ یہ لفظ قرآن مجید کی اس آیت میں واقع ہے ۔ و منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئاً ‘‘ ۔ یعنی تم میں سے بعض پھر ذلیل زندگانی کی طرف پھیر دیے جاتے ہیں تاکہ جو کچھ معلوم ہے سب جاتا رہے ۔ یعنی انتہا کے بڈھے ہو جاتے ہیں اور کسی بات کا ہوش نہیں رہتا ۔

۲۔ اگرچہ قیمت گرا کر ہی کیوں نہ ہو ۔

- - - - کی کیا شامت ہے کہ وہ جانوروں کے ساتھ گاؤ زوریاں کرتے ہیں - ع

مارا ازیں وجود ضعیف ایں گماں نہ بود

گھوڑا رکھیں بھی تو سلیم الطبع اور کار آزمودہ - تم نے بھی ماموں کی خو سیکھی ہے کہ جانوروں سے بےباکانہ کام لیتے ہو -

اب تو - - - - صاحب بھی بیٹی کا نیلام کرتے ہیں - اپنے منہ سے پچیس ہزار کا مہر کر دیا اور دو برس بعد شاید دس ہزار کی نوبت پہنچے - مولوی - - - - کا نام میں نے نہیں سنا ، رقعہ بھیجا ہے تو جانچ تول کر بھیجا ہوگا - العجل العجل قما یجدی الا مل بدون العمل[1] -

مکان کو چٹخاؤ[2] - مجھ کو بہت آخور کی بھرتی پسند نہیں - مکان لو تو بھلا - - - - کا سا لو کہ دنیا میں بہشت یاد آئے - واہیات جھونپڑے جو تم نے لے رکھے ہیں ، نہ رہنے کے نہ سہنے کے - ایک عمدہ نفیس مکان مل جائے تو بس کافی ہے -

- - - - نے پارہ[3] شروع کیا ہوگا ، حروف اور حرکات خوب پہچنوائے جائیں - اس میں خامی رہ جاتی ہے تو مدتوں تک پڑھنا نہیں آتا -

۲۳ - فروری ، ۱۸۷۷ء

۱- جلدی جلدی کرو کہ اُمید بے کوشش فائدہ نہیں دیتی -
۲- الگ کرو ، دور کرو -
۳- جزو قرآن مراد ہے - عوام سیپارہ کہتے ہیں - شروع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عم یتساءلون کا پارہ ہوگا جس میں چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں اور مبتدیوں کو پہلے وہی پڑھایا جاتا ہے -

۵۹

۱۶ - فروری کو صبح ہوتے جو خواب تم نے دیکھا، یعنی وہ رائے جو تم نے تاریخ و جغرافیہ و ریاضی بلکہ مدرسے کی تمام تر تعلیم کے بےسود ہونے کی نسبت بہم پہنچائی، مجھ کو تمھارے خط کے ذریعے سے معلوم ہوئی - بجائے اس کے کہ مجھ کو نا خوشی ہو، میں تو اس کو بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اپنی بری بھلی رائے کو ہمیشہ نہایت آزادی کے ساتھ بے تامّل ظاہر کیا کرو - رائے کی غلطی عیب نہیں ہے، افہام و تفہیم اور مباحثے و مناظرے سے ہر غلطی کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر دو دلی اور نفاق کا کچھ بھی دفعیہ نہیں - جب تمھارا بطون[1] منکشف نہ ہو تو کوئی کیا جان سکتا ہے کہ تم اپنے ذہن میں کیا سوچا کرتے ہو -

میں سرکاری تعلیم کا ایسا طرف دار نہیں ہوں کہ متعصبانہ اُس کی حمایت کروں، لیکن انگریزی کی بد ترین تعلیم عربی کی بہترین تعلیم سے بہ استثنائے مذہب یقیناً عمدہ اور نافع ہے - عربی میں زبان اور منطق کے خیالی ڈھکوسلوں کے سوائے کچھ بھی نہیں - یورپ کو جو اس وقت معراج ترقی حاصل ہے، جانتے ہو کیوں ہے؟ ان لوگوں میں صرف یہ ہنر ہے کہ واقعات نفس الامری میں تمام یورپ کی ہمتیں محصور ہیں - ہم لوگ خیالی مضمونوں کے پیچھے پڑے رہتے اور آخر تک سوائے چکنی چپڑی باتیں بنانے اور جھوٹے بے اصل منصوبے باندھنے کے کچھ نہیں سیکھتے - جھوٹے القاب، جھوٹے آداب، جھوٹے اشتیاق، جھوٹی تشبیہات، جھوٹے استعارات ہمارا علم انشا ہے - شاعری جو کمال انشا ہے، اس میں معشوق وہ فرض کیے گیے جن کے کمر نہیں، منہ نہیں، جن کی زلفیں سلسلۂ نامتناہی سے زیادہ دراز، جن کے سرین پہاڑ - اگر ایسے معشوق

۱- یعنی جو تمھارے دل میں ہو -

کہیں نظر پڑ جائیں تو لوگ ان کو بیچا[1] اور بہوت سمجھیں ۔ انگریزی شاعری کو دیکھو ، بالکل نیچر[2] کے مطابق ، مبالغے اور جھوٹ کا نام نہیں ، جس چیز کے حالات سے کسی علم میں بحث کرتے ھیں ، اس کو اس علم کا موضوع لہ کہتے ھیں جیسے صرف و نحو کا موضوع لہ ہے کلمہ و کلام ، طب کا بدن انسان ، حساب کا عدد ۔ انگریزی علوم کیا ھیں کہ موجودات عالم میں سے ہر ہر چیز کسی علم کا موضوع لہ ہے ۔ علم آب ، علم ھوا ، علم مقناطیس ، علم حرارت ، علم روشنی وغیرہ ۔ افسوس کہ ھمارے یہاں کہیں ان علوم کا پتا نہیں ۔ انگریز لوگ کہیں سمندر کے کنارے مچھلی کے انڈے گنتے پھرتے ، کہیں پہاڑوں کے درّوں میں بھٹکتے ، کہیں ریگستان کی خاک پھانکتے ؛ غرض موجودات عالم کے حالات کی تفتیش و تلاش میں سرگرم ھیں اور اسی سے اس درجے کو پہنچے ۔ کوئی انگریزی چیز تو دیکھو کس خوبی اور صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہے ۔ یہ سب علم واقعات کے جلوے ھیں ۔ ریل ، تار برقی نتیجے ھیں خواص حرارت میں غور کرنے کے ۔ یہ مضمون تو اس قدر وسیع ہے کہ بہ جائے خود محتاج کتاب ہے ، ایک خط میں سما نہیں سکتا ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بی ۔ اے اور ایم ۔ اے محتاج و مفلس نہیں لیکن کیا ضرور ہے کہ تم ناکام مثالوں پر نظر کرو : ؎

همت بلند دار که پیش خدا و خلق
باشد به قدر همتِ تو اعتبار تو

ہر ھنر اور ہر پیشے اور ہر فن میں کامیاب اور ناکام ھوتے آئے ھیں لیکن اس سے لوگوں نے کسب ھنر نہیں چھوڑ دیا ؛ مثلاً وکیل ۔ ایک وہ ھیں جو پانچ ہزار ماہوار کماتے ھیں اور دوسرے پالکی کے

۱۔ بچوں کے ڈرانے کی ایک ھیبت ناک صورت ، اللہ کا فضل ، ھوّا ۔
۲۔ حالات موجودہ نفس الامری ۔

کہاروں کا کرایہ بھی گرہ سے بھرتے ہیں ؛ پھر بھی ہزارہا لوگ امتحان وکالت دیتے ہیں ۔ جو طرز تم اختیار کرنا چاہتے ہو کہ عربی پڑھوں ، قانون یاد کروں ، انگریزی مطالعۂ کتب و اخبار سے بڑھا لوں ؛ کیا تم کو وحی[۱] ہوئی ہے کہ اس طرز میں ضرور کامیابی ہوگی ؟

بشیر ! آیندہ کا حال معلوم نہیں کہ کس کی تقدیر میں کیا ہے لیکن تدبیر شرط ہے ؛ سو مدرسے میں پڑھنا بھی ایک تدبیر ہے اور یہ ایسی تدبیر ہے کہ تم اس میں منفرد نہیں ۔ اگر یہ حمق ہے تو اس حمق میں ہندوستان اور یورپ ملا کر لاکھوں بندگان خدا مبتلا ہیں ۔ قانون کے صرف دو مصرف ہیں : ایک وکالت سو مشہور ہے اور سچ ہے '' بار از اوور کرووڈڈ[۲] '' یعنی صیغۂ وکالت میں مطلق گنجائش نہیں اور گنجائش بھی ہو تو تمھاری لکنت نے تم کو ناقابل کر دیا ہے ۔ رہ گئی تحصیل داری، وہ مشروط بہ وعدۂ کلکٹر ہے ، یعنی کلکٹر ضلع وعدہ کر کے خود امتحان کی اجازت دے اور امتحان میں پاس ہو تب تحصیل داری ملے ؛ تو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے ۔ انگریزی ، عربی سب چھوڑ دو ، اس کو اُردو کافی ہے ، کیوں کہ کل قوانین اُردو میں ہیں ۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ اس لیفٹیننٹی میں بلکہ شاید ہر جگہ ایسے تحصیل دار اور ایسے ڈپٹی کلکٹر بھی موجود ہیں جن کے مقابلے میں تم کو من حیث اللّیاقت[۳] ترجیح ہے ۔ میں اپنے معاصرین[۴] میں بہتوں کو جانتا ہوں جو ہر پہلو سے مجھ پر فائق ہیں ۔ قانون کا امتحان دے کر ۔ ۔ ۔ ۔ تحصیل دار کیوں نہیں ہو گئے؟ عربی پڑھ کر مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ڈپٹی کلکٹر

۱- الہام ۔
۲- Bar is over crowded
۳- لیاقت کے اعتبار سے ۔
۴- اہل زمانہ ، اقران ۔

کس لیے مقرر نہیں ہوئے ؟ اگر تم نے علم کا یہی نتیجہ سمجھا کہ وہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے تو تم نے ہرگز علم کی قدر نہیں جانی ۔ تجارت زمیں داری ، دست کاری وغیرہ بہت سے ہنر اور پیشے ہیں جن میں علم درکار نہیں اور روپیہ خوب کمایا جا سکتا ہے ۔ علم وہ چیز ہے کہ آدمی کو ہر حالت میں توقیر دیتا ہے ، عام اس سے کہ روپیہ کمانے کا ذریعہ ہو یا نہ ہو ۔ تم کو روپیہ کمانے کی کیا جلدی پڑ گئی ، میں جب تک زندہ ہوں تمھاری ضرورتوں کو رفع کروں گا اور مجھ سے لینے میں تم کو تامل کیوں ہونے لگا ۔ جیتے جی نہ لو گے تو مرے پیچھے لوگے ۔ ع

ورنہ ستانی بہ ستم می رسد

۲۲ - ۲۳ تک تو عمر تحصیل ہے ۔ تم نے کہیں اپنے تئیں اس عمر میں بوڑھا فرض کر لیا ۔ لیاقت کو سمجھو کہ گویا باران رحمت ہے ۔ پانی تمام زمین پر برستا ہے مگر ہر قطعۂ زمین میں اس کے آثار مختلف : ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس

لوگ بی ۔ اے ہوتے ، کوئی انھی دو حرفوں کے ذریعے سے مناصب جلیلہ پر پہنچتا اور کوئی بھیک مانگتا ہے : ؎

پڑھیں فارسی بیچیں تیل
یہ دیکھو قدرت کے کھیل

کون کہہ سکتا ہے کہ تم کو خدا نے کس غرض کے لیے بنایا ہے ۔ اگر ہزار شخص ہم لیاقت ہوں ، ضرور نہیں کہ وہ سب ہم حالت بھی ہوں ۔ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ کچھ ایسی تحریک در پیش ہے کہ مجموعۂ نمبر پر پاس کیا جائے ۔ ہر سبجکٹ[1] میں

۱- مضمون ۔

تمبر کامل نہ ہو نہ سہی - بے شک تاریخ و جغرافیہ لڑکوں کو تکلیف دیتا ہے لیکن وہ دو حرف ہی - اے کچھ ایسے مقبول ہیں کہ آن کے لیے سب زحمتوں کو برداشت کرتے ہیں، اور ضرور تم کچھ بے عنوانی کرتے ہو ورنہ ایسی واویلا کی چیز نہیں - عمدہ مطالب منتخب کر لیا کرو - ریاضی وغیرہ پر کیا موقوف ہے جب توغّل[1] باقی نہیں رہتا تو سب چیزیں بھول جاتی ہیں مگر پھر بھی "گوش رسیدہ اثرے دارد" - ایک کیفیت ضرور حاصل ہو جاتی ہے جس کو مناسبت سے تعبیر کرتے ہیں - یہ تو مسلّم ہے کہ عقل دنیا جیسی انگریزوں میں ہے، کسی قوم میں نہیں اور علوم کے اعتبار سے کچھ شک نہیں کہ کوئی مفید علم نہیں جو انھوں نے نہیں لیا - تاریخ جغرافیہ کا انگریزی تعلیم میں ہونا کافی دلیل اُس کے مفید ہونے کی ہے - تم کو کچھ اندازہ ہے کہ دنیا میں کتنے پرچے اخبار کے جاری ہیں؟ شاید لاکھوں، اور کیا فرق ہے اخبار و تاریخ میں؟ اخبار تاریخ حال ہے اور تاریخ، تاریخ گزشتہ عام - آگہی (جنرل انفارمیشن) تمھارے نزدیک کچھ قدر کی چیز ہے یا نہیں؟ پس ادنیٰ فائدہ تاریخ کا عام آگہی ہے - حضرتِ من! کس خیال میں ہو، کوئی انگریزی آرٹیکل[2] نہیں جس میں واقعات تاریخی کا حوالہ نہیں - تاریخ سے تحریر مضامین یعنی ایسے[3] میں بہت مدد ملتی ہے - تاریخ دان کو استناد و استشہاد کی بڑی قوت ہوتی ہے - وہ ہر رائے کی دلیل میں واقعات گزشتہ کی سند دے سکتا ہے اور جب کہ وہ شرطِ کامیابی امتحان ہے تو یہ بہ جائے خوداس کا نفع عظیم ہے - مطالعۂ کتب و اخبار سے بھلا آپ کیا انگریزی بڑھا لیجیے گا جب کہ اس کا فونڈیشن[4] ضعیف ہے - انگریزی اس تدبیر سے بڑھتی تو میں کبھی کا بڑھا چکا ہوتا -

۱- مشاق - مہارت -   ۲- مضمون - تحریر -

۳- Essay -   ۴- بنیاد - جڑ -

تسوید یعنی کمپوزیشن اور اصلاح کا لینا اور گرامر کا استحفاظ نہایت ضرور ہے ۔ عربی ؟ سبحان اللہ ، کیا پوچھنا ہے ! مگر جب مدرسے کی چیزوں سے عاجز ہو تو باہر کیا خاک پڑھو گے ۔ تم اتنے ضعیف القوی نہیں جتنے کہ ضعیف الہمت ہو ۔ یہ بھی تمہارے نفس کا خدع[1] ہے ۔ جب تم عربی پڑھائے جاتے تھے تو عربی سے بھاگتے تھے ، اب انگریزی سر پر پڑی ہے تو اس سے جان چھڑاتے ہو ، یعنی تمہاری بے دلی اور تمہارا تذبذب[2] تمہیں کٹھ ملا[3] رکھے گا ۔ نوکری کرو گے اور کچھ روپیہ کما سکو گے مگر نام و نمود یا منصب جلیل کے امیدوار مت رہو اور یوں خدا اپنے گدھوں کو حلوا دے تو کسی کا کیا دینا ہے ۔ مجھ کو اس سے تو خوشی ہے کہ تم نے اپنی رائے کو ظاہر کیا مگر اس کا سخت رنج ہے کہ کیوں خدا نے تمہارے خیالات ایسے کیے ۔ میں نے تمہاری بات کا برا نہیں مانا ، تم بھی میری بات کا برا نہ مانو ۔ بشیر ! خدا کی قسم بے محنت دنیا میں کچھ نہیں ہوا اور محنت سے جان چرانا بد نصیبی اور حرمان کی دلیل ہے ۔ جس کام میں لگے ہو ، لگے رہو ۔ یک در گیر و محکم گیر ۔ نیت کو ڈانوا ڈول مت کرو ، خدا اسی میں برکت دے گا ۔ جتنا ہو سکتا ہے کیے جاؤ ۔ تم اس قدر بے دل کیوں ہوتے ہو :

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نوکری مت کرو ۔ میں اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر تم کو آسائش پہنچا سکتا ہوں ۔ غرض جو کچھ تم فرماؤ ، کرنے کو موجود ہوں مگر یہ کہ تم نہ پڑھو ، میں نہیں

۱۔ مکر ۔
۲۔ دو دلا پن ۔ ۳۔ ادھورا مولوی ۔ جاہل ۔

کہہ سکتا اور تمھارا یہ کہنا کہ یوں پڑھوں ، ووں نہ پڑھوں ، گویا یہی کہنا ہے کہ نہ پڑھوں ، کیوں کہ جن کو پڑھنا منظور نہیں ہوتا ان کا یہی دستور دیکھا ہے کہ عربی چھوڑی انگریزی لی ، انگریزی چھوڑی ، قانون شروع کیا ، انجام یہ کہ نہ انگریزی ہوئی ، نہ عربی ، نہ قانون ۔ لوگ تو عمریں صرف کرتے ہیں ، تم دو ہی برس میں گھبرا گئے ۔ سبب یہی ہے کہ مدرسے میں بوجھ کچھ ہوتی ہے اور تم تھے اس کے خوگر کہ پڑھا اور کتاب تہہ ؛ پھر جو کتاب کھولی تو اُستاد کے سامنے بیٹھ کر ۔ اگر تم نے اپنی رائے پر عمل کیا تو میں تم کو ان شاء اللہ یہ بھی دکھا دوں گا کہ اگلے برس نہیں تو تیسرے سال عربی، انگریزی ، قانون سب نہ دارد ۔ نوکری بھی تم کو کوئی ابھی نہیں دے گا - ۲۵ برس تو قانوناً نوکری کے لیے منعم ایج (اقل الاعمار) ہے کہ اس سے پہلے کی خدمت داخل پنشن نہیں ۔ بھلا جب ہندوستان کے نوجوانوں کی ہمتوں کا یہ حال ہو تو کیا وہ ولایت جا کر سول سروس کے لیے کمپیٹ (مقابلہ) کریں گے ۔ ابھی ریش و بروت آنے تک میں تمھارے لیے کوئی مشغلہ سوائے اس کے نہیں دیکھتا کہ پڑھے جاؤ ؛ ابھی انٹرنس تو پاس کرو ، بی ۔ اے اور ایم ۔ اے کے تو بڑے درجے ہیں ؛ تمھاری طرز عبارت سے تو ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ چھوڑ چکے ، صرف یہ چاہتے ہو کہ میں ترک پر تمھاری تحسین کروں اور کہوں کہ شاباش! اچھا کیا ۔ اگر میں دیکھتا کہ تم عربی پر فریفتہ ہو تو میں تم کو اپنے پاس رکھتا لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں ، تم پڑھنا تو چاہتے ہو لیکن آسانی کے ساتھ ۔ مطالعہ نہ ہو ، یاد نہ کرنا پڑے ، بتانا نہ ہو ؛ سو میرے نزدیک ۔ ع

این خیال است و محال است و جنوں

بشیر! اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے یا پڑھنا تمھاری قسمت میں

نہیں تو مجھ کو تم سے لڑنا منظور نہیں ، تم جانو تمھارا کام جانے ۔ لیکن اے خدا! مجھ کو اس مصیبت کے جھیلنے کو زندہ مت رکھیو کہ ایک اللہ آمین کا بیٹا اور وہ بھی جاہل یا کٹھ ملا ۔ اگر رخصت لے کر دھلی رہنا ہوا تو ان شاء اللہ میں دیکھوں گا کہ کون سی چیز تم کو دشوار ہے ۔ میری زبان میں خدا نے اتنی قوت دی ہے کہ سمجھا دینے اور ذہن نشین کر دینے کا دعویٰ رکھتا ہوں ۔ فقط

۲۳ - فروری ، ۱۸۷۷ء

٦۰

دھلی کالج تو ٹوٹا لیکن انٹرنس تک کے واسطے کوئی انتظام ضرور کیا گیا ہوگا ۔ پس کالج کو روئیں تو کالج کلاسز[1] روئیں یا مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نوحہ کریں ، تم کو کیا ، بہ دستور جی لگا کر پڑھے جاؤ ۔ جب خدا وہ دن کرے گا کہ انٹرنس پاس کرو گے تو دیکھا جائے گا ۔ بشیر! تمھی پڑھنے سے دل برداشتہ تھے ، تمھی نے کالج کو کوس کوس کر کھویا ۔ ۔ ۔ ۔ کو زیادہ تر لکھنے پڑھنے اور کسی قدر تمھاری مدارات بالمساوات[2] نے تباہ کیا ۔ وہ نہیں معلوم کیا امیدیں لے کر آیا تھا اور تم نے سوکھا ٹرخایا ، کیوں کر رہے اور کیوں رہے ۔ اے کاش! یہی ہوتا کہ وہ میرے کام کا نہ ہوتا ۔ وہ کم بخت تو کچہری کے کام کا بھی نہیں ؛ پس اس کو رجعت قہقہری کرنے دو ، یعنی چھوڑ دو کہ اپنی حالت سابقہ پر عود کرے ۔

شاید میں تم کو لکھ چکا ہوں لیکن خیال آتا ہے کہ نہیں لکھا ۔ نواب سر سالار جنگ بہادر نے منظور فرمایا کہ میری انگریزی نوکری وہاں کی خدمت میں مجریٰ و محسوب ہو کر پنشن دی جائے ۔

٦ - مارچ ، ۱۸۷۷ء

۱- کالج کی جماعتیں ۔ ۲- برابری کے ساتھ مقابلہ کرنا ۔

۶۱

تم کو میرے خط کے نہ بھیجنے سے حیرت ہوگی اور خود مجھ کو بھی اپنی یہ ادا پسند نہیں ہوئی لیکن حال یہ ہے کہ اب تک میں اطمینان سے نہیں بیٹھا اور ابھی شاید مہینوں میری یہی حالت رہے ؛ اگر تم کو میرے حالات کا دریافت کرنا ضرور ہو تو مولوی - - - - سے مراسلت بڑھا لو۔

جہاں میں اب ہوں ، حقیقت میں ایک نئی دنیا ہے ۔ میں حیدر آباد میں ۲۷ ، اپریل کو پہنچ گیا تھا ۔ دو مرتبہ ہز اکسلنسی[۱] نواب سر سالار جنگ بہادر سے ملا ۔ 'مدار المہام' اور 'مختار الملک' اور 'نواب صاحب' اور 'سرکار' عبارت ہے نواب سر سالار جنگ بہادر سے اور 'حضور' اور 'بندگان عالی' حضور نظام سے ۔ میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے ساز و سامان اور توزک واحتشام دیکھ کر خدا یاد آتا ہے ۔ دہلی اور لکھنؤ میں اس کا عشر[۲] عشیر بھی نہ ہوگا ۔ شہر میں جا کر دیکھو تو مارے ہجوم کے تِل رکھنے کی بھی جگہ نہیں اور پھر ہجوم بھی قلی ، مزدوروں ، بھیک مانگنے والوں کا نہیں بلکہ نوابوں اور سرکاروں کا جن کی اردلی میں پلٹنیں اور رسالے اور ہاتھی دوڑتے ہیں ۔ سرکار کے محلوں میں جا کر میں ہکا بکا[۳] ہو جاتا ہوں اور یہ تموّل اس حالت میں ہے کہ عمل داری میں اچھا انتظام نہیں ۔ شاید قریب نصف عین المالِ[۴] سرکار نمک حرام نوکر

۱- خطاب عزت جو بڑے بڑے امراء ، نوابوں اور رجواڑوں کو ہوتا ہے جیسے ہماری زبان میں معالی القاب وغیرہ ۔

۲- مولوی نذیر احمد صاحب بگڑے ہوئے وقتوں کی بات کہتے ہیں ورنہ لکھنؤ بھی حیدر آباد کا مد مقابل تھا بلکہ حیدر آباد سے بہت بڑھا ہوا اور دلی تو دارالسلطنت تھا ۔ اس سے حیدر آباد کو کیا نسبت ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

۳- حیران ۔ ۴- اصل خزانہ ۔

خورد برد کرتے ہیں اور اگر خدا نوکروں کو توفیقِ خیر خواہی دے تو یہ ملک بجائے خود اودھ کا چوگنا ہے اور زمین بعض اطراف میں بلا مبالغہ تین سو روپے بیگھہ تک کی موجود ہے ۔ نوکروں کی شوخ چشمی کی وجہ یہ ہے کہ موقوفی کا دستور نہیں ، جرمانہ کرنے کا قاعدہ نہیں ۔

سرکار نے مجھ کو یکم اپریل ، یعنی روز روانگی اعظم گڑھ سے ایک ہزار دو سو چالیس روپے کے حساب سے تنخواہ دی جس میں ہزار روپے تنخواہ ہے اور دو سو چالیس روپے بھتّا دوامی ۔ دہلی سے حیدر آباد تک میرا اول درجے کا اور میرے دو ساتھیوں کا سوم درجے کا کرایۂ ریل دیا ۔ پھر مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ اور منشی ۔ ۔ ۔ ۔ دونوں کو روزِ وصولِ حیدر آباد سے ڈیڑھ ڈیڑھ سو کا نوکر رکھ لیا اور میری ماتحتی میں مامور فرمایا اور غالب ہے کہ تیس تیس روپیہ ان کو بھی بھتّا ملے ۔ ابھی میں نے کام پر تسلط نہیں پایا بلکہ بہ ایمائے سرکار عالی دورے پر ہوں اور جب تک موسم اجازت دے دورے میں رہوں گا ۔ گرمی تو یہاں ہے مگر نہ وہاں کی سی ۔ خیمہ اگرچہ دھوپ میں ہے مگر وہ تپش نہیں کہ آدمی بے چین ہو جائے ۔ موسم یہاں معتدل سے رہتے ہیں ، جاڑے میں لحاف کی ضرورت نہیں ۔ گرانی ہے اور بہ وجہِ خشک سالی ان دنوں اور زیادہ ہے لیکن لوگ ایسے خوش حال ہیں کہ کبھی کوئی گرانی کو یاد بھی نہیں کرتا ۔ خلاصہ یہ کہ میں خوش ہوں اور میں وہاں کی نوکری کی مطلق پروا نہیں کرتا ۔ جس خدمت پر میں ہوں بڑی معزز ہے ۔ ''الحمد للہ علیٰ نعمائہ و آلائہ[1] '' ۔

۱۔ خدا کی ستائش اس کی نعمتوں اور احسانوں پر ۔

اگر میں کثرت سے خط نہیں بھیج سکتا تو من وجہ[1] معذور ہوں ؛ دیار اجنبی[2] میں ہوں ، دن بھر کوئی نہ کوئی نئی بات سیکھتا ہوں ۔ یہاں کی زبانیں جو مفصّلات میں بولی جاتی ہیں ، مرہٹی ، تلنگی ، کنٹری ، اروی ہیں جن کا ایک لفظ میں نہیں سمجھتا ، لیکن تم مجھ کو بہ دستور ہفتے میں دو خط لکھا کرو تاکہ مجھ کو جواب دینے پر برانگیختہ کرتے رہو ۔ جلدی سے انٹرنس پاس کرو ۔ ان شاء اللہ اس سرکار میں تمھارے لیے بہت کچھ ہو جائے گا اور اب میں تمھارا دھلی میں رہنا زیادہ پسند نہیں کرتا ، میں اس دورے میں مدراس جانے والا ہوں ۔ فقط

۲۵ ، ربیع الثانی ۔ ۱۲۹۴ ھجری

۶۲

مرد خدا! تم ایسے سمجھ دار آدمی ہو کر ایک مہینے کی تعطیل کے متحمل نہیں ہو سکتے اور گھبراتے ہو ؛ اس سے تمھارے شوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ تم نے ذہن نشین کر لیا ہے کہ پڑھنا صرف نوکری کے لیے ہے اور نوکری بخت و اتفاق پر منحصر ۔ جو آدمی ایسے مقدمات[3] اپنے دل میں رکھتا ہو ضرور یہی نتیجہ نکالے گا جو تم نے نکالا کہ زیادہ پڑھنا ضرور نہیں ، لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جو پڑھنے کو تکمیل نفس اور حصول امتیاز کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور معاش میں جو تائید پہنچے وہ ایک منفعت ضمنی ہے ؛ وہ لوگ علوم سے کبھی ملول نہیں ہو سکتے ۔ بہ ہرکیف سمجھانا بھی ایک عمر تک ہوتا ہے اور میرے نزدیک تم نے اس عمر سے تجاوز کیا ، تم نفع و نقصان میں تفرقہ کرنے پر قادر ہو مگر میں اتنا

۱۔ کسی قدر ۔ ۲۔ ان جان ملک ۔
۳۔ اجزائے دلیل ۔ یہ منطق کی اصطلاح ہے ۔

تو کہوں گا کہ تم اپنی وحشت کا علاج کرو ، سوسائٹی میں جا کر اخبار دیکھو ، پچھلا پڑھا ہوا یاد کر لو ، یعنی چاہو تو ایسے مشاغل اپنے اوپر لازم کر سکتے ہو کہ وقت بار خاطر نہ ہو ۔

میں عنقریب بلدہ یعنی حیدر آباد جاؤں گا ۔ چند روز کی بات ہے کہ مولوی مہدی علی صاحب نے نواب صاحب کے اشارے سے مجھ کو لکھا کہ سمت یعنی قسمت شرق کی صدر تعلقہ داری یعنی کمشنری تمہارے لیے تجویز ہوتی ہے اور فوراً تنخواہ بارہ سو کر دی جائے گی ، بھتا علاوہ اور اس قسمت کا بند و بست بھی تم سے متعلق رہے گا ۔ میں نے ابھی اس تجویز کو منظور نہیں کیا ۔ اس سلطنت میں بہ اعتبار اختیارات و حکومت صدر تعلقہ داری کا عہدہ نہایت عمدہ ہے ۔ جو نسبت مدار المہام کو تمام ریاست سے ہے ، وہی نسبت صدر تعلقہ دار کو اپنی قسمت سے ہوتی ہے ، یعنی جیسی جامعیت مدارالمہام میں ہے ویسی ہی صدر تعلقہ دار میں بھی ہے مگر محدود بہ قسمت ۔ پس قسمت میں جتنے صیغے مال، عدالت، تعلیمات، تعمیرات وغیرہ کے ہیں ، صدر تعلقہ دار کل صیغوں میں حاکم اکبر ہے ، لیکن وہ مدار المہام اور صدر المہام اور سب کے معتمدین کا ماتحت ہے ۔ یوں سمجھو کہ صدر تعلقہ دار بہ منزلہ کمشنر ڈویژن کے ہے جو بورڈ اور گورنمنٹ کا تابع ہوتا ہے اور بندوبست کی نوکری بےانضام حکومت سمت چلنے والی نہیں ۔ اس نظر سے میرا ارادہ ہے کہ صدر تعلقہ داری منظور کر لوں ؛ سر دست تنخواہ بھی زیادہ ہو جائے گی اور اضافت بندوبست بھی باقی ہے لیکن اس کا فیصلہ میں نے مراجعت بلدہ پر ملتوی رکھا ہے ۔ نواب صاحب نے میری ایک رپورٹ کو پسند فرمایا ، اس پر یہ تجویز ظاہر ہوئی ۔

- - - اور مولوی - - - یہاں آنے میں عجلت نہ کریں ۔ میں ان کی فکر سے غافل نہیں ہوں مگر دیر آید درست آید ۔ پھر

یہاں شاہی کارخانے ہیں ، آدمی کو جگہ نہیں ملتی ۔ یہ بھی ایک امر من جانب اللہ تھا کہ مجھ کو بے درخواست طلب فرمایا ورنہ ڈپٹی کلیکٹر اور صدر الصدوروں کی عرائض پر یہاں کوئی ملتفت بھی نہیں ہوتا ۔ فقط

۷ ۔ جُمادی الثانیہ ، ۱۲۹۴ھ ، مقام نلگنڈہ

٦٣

یہ کیا غضب ہے کہ تم میرے خطوط نہ پہنچنے کے شاکی ہو ، در حالیکہ میں نے ۔ ۔ ۔ ۔ کو دو خط لکھے (اور واقعی لکھے) تو تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے تم کو کتنے خط لکھے ہوں گے ۔ جہاں تک میرا حافظہ مساعدت کرتا ہے ، میں نے چھ سات خط سے کم نہیں لکھے ۔ تم سے بڑھ کر بھی دنیا میں مجھ کو کسی سے تعلق ہے ؟ بالخصوص جب دسترخوان پر بیٹھتا ہوں ، تم سب لوگ ضرور یاد آتے ہو ۔ یہ بد انتظامی جو خطوط کے پہنچنے میں واقع ہوئی کچھ تو اس وجہ سے ہے کہ ایک عمل داری سے دوسری عمل داری میں خط کا جانا ہمیشہ خالی از خطرِ تلف نہیں ۔ دوسرے مجھ کو خود کسی مقام پر قرار نہیں ۔

میں نہیں جانتا کہ تم کو میرے حالات کہاں تک معلوم ہیں ، اس واسطے مجھ کو اپنی رام کہانی پھر دہرانی پڑی ۔ میں حیدر آباد میں پہنچ کر شاید صرف ایک ہفتہ مقیم رہا ؛ اس اثنا میں دو مرتبہ نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ ارشاد ہوا کہ " سیروا فی الارض " اور خود میں بھی نا واقفیت کی وجہ سے گھبراتا تھا ۔ غرض حیدر آباد میں جلسۂ خطیبی[1] کرکے دورے کو نکل کھڑا ہوا ؛ گویا سفرِ دہلی کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پایا ۔ حکم

---

[1] ۔ دو خطبوں کے بیچ میں خطبہ خواں ذرا کی ذرا یوں ہی سا بیٹھ جاتا ہے ، اسی کو جلسۂ خطیبی کہتے ہیں ۔

تو یہ تھا کہ ناگر کرنول اور نلگنڈہ دو ضلعے ملک تلنگانہ کے دیکھ آؤ لیکن جب میں ضلع ناگرکرنول کے صدر مقام محبوب نگر میں پہنچا تو ایک انگریزی ضلع کرنول قریب تھا ؛ بے اختیار جی چاہا کہ جا کر وہاں کا طرز انتظام بھی دیکھوں ۔ چنانچہ اکیلا کرنول چلا گیا ؛ ایک ہفتہ وہاں رہا ، پھر ناگرکرنول آ گیا اور دورے کی کَل چلنی شروع ہوئی ؛ یہاں تک کہ آخر کار نلگنڈہ پہنچا ۔ اس دورے میں مجھ کو یہ بھی حکم تھا کہ کل دفاتر کی تنقیح[۱] کرو ۔ جو کچھ دیکھتا تھا اُس کی کیفیت سرکار میں بھیجتا ۔ خدا کی قدرت ان کیفیتوں نے نواب صاحب کے دل پر بڑا عمدہ اثر کیا اور سرکار نے سمجھا کہ یہ کام کا آدمی ہے ۔

یہ صرف خدا کی مہربانی تھی کہ ایک تازہ وارد ، راہ و رسم ملک سے بے خبر ، زبان سے نا آشنا ، دستور و رواج سے ناواقف آتے کے ساتھ معقول رائے دینے لگے ۔ اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ یہاں فارسی دفتر ہے اور میں نے ساری عمرکبھی فارسی نہیں لکھی ۔ مجھ کو تو فارسی کی تحریر ایک اجنبی بات معلوم ہوئی لیکن چار و ناچار لکھنی پڑی ؛ وہ خدا کے فضل سے کچھ ایسی بن پڑی کہ تمام حیدر آباد میں غل مچ گیا اور لوگ لوہا مان گئے ۔ غرض میں تو دورے میں تھا اور خدا کا فضل میرے واسطے حیدر آباد میں یہ سامان جمع کر رہا تھا ۔ دفعةً حکم پہنچا کہ سرکار کو تم سے کچھ کہنا ہے ، فوراً چلے آؤ ؛ میں تو گھبرایا کہ الٰہی ! کیا ماجرا ہے ۔ یہاں آ کر دیکھا تو نواب صاحب کو اپنا کلمہ پڑھتے ہوئے پایا ۔ میں نے دورے سے یہ رائے لکھی تھی کہ اس ملک کی حالت بند و بست کے لائق نہیں ۔ اول تو تلنگانہ ویران بہت ہے ، لاکھوں بیگھہ بنجر پڑا ہے ، آدمی نہیں کہ اُس کو

۱۔ جانچ پڑتال ۔

جوتے ؛ علاوہ اس کے بندوبست کے لیے وقت اور روپیہ بہت درکار ہے ۔ ایک ضلع کے لیے سات برس کم از کم چاہییں اور اسی طرح کم سے کم پندرہ لاکھ روپے اور سرکار نظام میں اتنی سکت نہیں کہ اتنے بڑے مصارف کی متحمل ہو سکے ۔ پس میرے نزدیک سرسری بندوبست و نظری و رواروی پیمائش کر کے کاشت کاروں کے ساتھ دہ سالہ قول کر لیا جائے ۔ یہ رائے نواب صاحب کے دل میں کُھب گئی اور زیادہ اثر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ناظم بندوبست ہو کر میں نے ایسی رائے دی جو میرے مطلب کے خلاف تھی مگر میرا اس میں نقصان کیا تھا ؟

مجھ سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ بند و بست ہو یا نہ ہو ، میری تنخواہ مجھ کو ملا کرے گی اور اگر میرا نقصان بھی ہوتا ، تاہم غلط رائے کا دینا داخل بد دیانتی تھا ۔ مولوی مہدی علی صاحب کو اس رائے سے اتفاق نہیں ، لیکن میں نے خوب سمجھ لیا ہے کہ جیسا بندوبست مولوی صاحب کے ذہن میں ہے وہ کبھی چلنے والا نہیں ۔ یہاں شخصی حکومت ہے اور جتنا کچھ نظم و نسق ہے ، نواب صاحب کی ذات تک ہے ۔ خدا آن کو عمر نوح عطا کرے اور مولوی صاحب آس پر نظر نہیں کرتے ۔ حاصل کلام یہ کہ نظامت بندوبست سے تو میرا دل دورے میں کھٹا ہوا اور میں حیران تھا کہ یہاں کیسا بند و بست اور کیا اس کا انجام ۔ میں نے عہدہ داران اضلاع کی بے ضابطگیاں بہت پکڑیں اور نواب صاحب کو صاف لکھ دیا کہ مفصّلات میں سخت خرابی ہے ۔ ان سب باتوں کے انضمام سے نواب صاحب کے دل میں میری نسبت صدر تعلقہ دار کر دینے کا خیال پیدا ہوا ۔

یہاں کے انتظام کی کیفیت یہ ہے کہ نواب صاحب کو تم بہ منزلہ گورنر سمجھو ۔ اگرچہ نواب صاحب یقیناً ہم رتبۂ گورنر جنرل

ھیں اور جب ولایت تشریف لے گئے تھے تو مراتب شاہانہ آن کے ساتھ برتے گئے ، اور اس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں کہ من حیث الاختیارات[1] بادشاہ دکن ھیں ۔ نواب صاحب مدار المہام ھیں اور آن کے نیچے چار صدر المہام ، صدر المہام مال گزاری جیسے تمھارے یہاں بورڈ آف ریونیو اور صدر المہام کوتوالی یعنی انسپکٹر جنرل پولیس اور صدر المہام عدالت یعنی ھائی کورٹ اور صدر المہام متفرقات یعنی تعلیمات ، طبابت ، ڈاک ، تعمیرات ، صفائی وغیرہ ۔

چونکہ میں صیغۂ مال کا ملازم ھوں ، مجھ کو مدار المہام اور صدر مدار المہام سے تعلق ہے ۔ ھمارے صدر المہام مال گزاری نواب مکرم الدولہ بہادر ھیں ۔ نواب صاحب ادام اللہ دولتہ کے بھانجے اور داماد ۔ مولوی مہدی علی صاحب نواب صاحب کے معتمد علاقۂ مال گزاری ھیں یعنی ریونیو سیکریٹری اور دستور رتن جی پارسی معتمد صدر المہام مال گزاری ، یعنی سیکریٹری ٹو دی بورڈ آف ریونیو ۔ صدر المہام مال گزاری کے تحت میں پانچ سمتیں ، یعنی پانچ قسمتیں ھیں ۔ شمالی ، شرقی ، جنوبی ، شمال غربی ، غربی ، لیکن صدر المہام مال گزاری صرف مال کے حاکم ھیں اور صدر تعلقہ دار اپنی سمت میں کل محکموں کا حاکم ہے ۔

نواب صاحب نے مجھ کو بلا کر فرمایا کہ بندوبست کی نسبت تو تمھاری رائے انتظام حال کے خلاف ہے اور میں تمھاری رائے کے ساتھ متفق ھوں ؛ پھر سوائے اس کے کہ تم صدر تعلقہ داری کرو اور کوئی عہدہ تمھارے لائق نہیں ۔ میں نے عذر کیا کہ بند و بست ایک محدود اور منفرد کام ہے اور اس کی نگرانی چنداں دشوار نہیں لیکن صدر تعلق داری میں بڑی جواب دھی اور ذمہ داری

۱۔ اختیارات کے اعتبار سے ۔

ہے ۔ اگر میں اس کو اختیار کر لوں تو علاوہ محنت کے چار صدر المہاموں کی ماتحتی ایک عذاب ہے ۔ میں اسی خدمت سے معاف رکھا جاؤں ۔ میں اسی خدمت کو پسند کرتا ہوں جس کے لیے بلایا گیا ہوں ، لیکن نواب صاحب نے بہت اصرار کیا اور خاص مہربانی سے دو سو کا اضافہ بھی منظور فرمایا ؛ اس پر بھی میں نے انکار کیا تو فرمایا کہ بارہ سو سے زیادہ کا تو ہمارے یہاں دستور نہیں ۔ اگر تم کو زیادہ دوں تو سب صدر تعلقہ دار فریاد کرنے لگیں ، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری خاطر سے صدر مددگارِ مال کا ایک نیا عہدہ چار سو کا منظور کروں ۔ اس پر تم اپنے کسی عزیز کو رکھ لو ۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو میں نے زیادہ اصرار کرنا سوء ادب سمجھ کر قبول کر لیا ، مگر اس طرح پر کہ میرا اصلی عہدۂ نظامت بندوبست باقی رہے اور میں ناظمِ بندوبست اور منصرم صدر تعلقہ دار لکھا جاؤں ۔ اس میں یہ مصلحت مضمر تھی کہ ناظم بند و بست کا بھتّا دو سو چالیس بھی مجھے ملے گا ۔ الغرض وہ وعدۂ تکمیلِ تنخواہ جو تین برس میں پورا ہونا چاہیے تھا ، خدا کے فضل و کرم سے اس قدر جلد پورا ہوگیا ، و الحمد للہ علی ذا لک ۔ جب مجھ کو مددگار کی اجازت ملی تو میرا خیال کئی طرف دوڑا ، آخر بدیں نظر کہ دیر کرنے میں قباحتیں ہیں ، مولوی ۔ ۔ ۔ ۔کو نام زدکر دیا اور مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ کی جگہ ۔ ۔ ۔ ۔کو ۔

ہمارے نواب صاحب اس طرح کے سخی اور سیر چشم آدمی ہیں کہ جو مانگو سو لو ۔ مثل اکثر دوسرے ہندوستانی رئیسوں کے احمق و لا یعقل نہیں ہیں ۔ اپنے وقت کا یہ شخص ارسطو و افلاطون ہے ۔ کریم النفسی اور مروت اس درجے کی ہے کہ 'لا' اور 'نہیں' اور ' نو' منہ سے نہیں نکلتا ۔

بشیر ! یہ بڑا عمدہ اصول ہے ۔ من لم یشکر الناس

فلما یشکر اللہ[۱] - تم نواب صاحب کے احسانوں پر نظر کرو - روز روانگیٔ اعظم گڑھ سے مجھے تنخواہ دی ، کرایہ ریل مع ہم راھیان دیا ، دورے میں فیل خانۂ خاص سے ایک ھاتھی سرکاری طور پر ساتھ کر دیا ، منشی - - - - مولوی - - - - کو نوکر رکھ لیا ، میری ترقی کر دی - ''وان تعدّوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا[۲]'' -

بشیر! ایک تمہارے دوست آور تشریف لائے - یہ وہ لڑکا ہے جو اعظم گڑھ بھی گیا تھا - غالب ہے کہ اُس نے تم سے میرا پتا پایا اور دھلی میں تمہارے پاس رھا یا ٹھیرا - اگر تم ایسے نالائق اور بد وضع لڑکوں سے تعارف اور ملاقات رکھتے ہو تو تم بھلے مانس رہ نہیں سکتے -

بشیر! ذرا احتیاط کرو - قرآن میں آیا ہے کہ '' من الجنّۃ والناس[۳]'' - اس طرح کے آدمیوں پر شیطان کا اطلاق کیا گیا ہے -

ھر چند تمام دنیا تقدیر کی قائل ہے اور واقعات دنیا پر نظر کی جائے تو چار و ناچار تقدیر کو ماننا پڑتا ہے مگر انتظام الٰہی یہ بھی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور کل آدمی اسباب مہیا کرنے میں لگے ھیں - میں تسلیم کرتا ھوں کہ دنیا میں جو کامیابیاں مجھ کو حاصل ھوئیں ، یقیناً میری قابلیت سے فزوں تر ھیں اور میری سعی کو ان میں دخل نہیں - جب کوئی چیز بے طلب اور بے جست و جو دی جائے تو میں کیوں کر اس کو اپنی سعی کی طرف منسوب

۱- جس نے آدمی کی شکرگزاری نہیں کی ، اُس نے خدا کی شکرگزاری نہیں کی -

۲- اور اگر خدا کی نعمتوں کو شمار کرو ، اُس کا ٹھکانا نہ پا سکو - آیت قرآنی ہے -

۳- پوری آیت یوں ہے - الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس - یعنی جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں جنوں اور آدمیوں میں سے -

کر سکتا ہوں ، لیکن خدا جانے خوشامد یا کسی دوسری وجہ سے لوگ یہی کہتے ہیں کہ مجھ کو جو کچھ ہوا ، اہلیت اور استحقاق سے ہوا ، نہ بخت و اتفاق سے ۔ میں نے جو کچھ ابتدائے عمر میں لکھ پڑھ لیا تھا ، چاہے اس نے مجھ کو نوکری نہ دلوائی ہو مگر ہر حالت میں مجھ کو خوشی تو ضرور پہنچائی ہے ۔ میں اقران و امثال میں ممتاز رہا ہوں ؛ پس ضرور ہے کہ جس چیز کا نفع میں نے حاصل کیا ، تم کو بھی اُس کے حاصل کرنے پر آمادہ کروں ۔ چنانچہ ہمیشہ تم کو لکھتا رہتا ہوں کہ پڑھو لکھو ، کمال حاصل کرو مگر تم میرے کہنے کی مطلق پروا نہیں کرتے حالانکہ تمھارے کمال کا نفع تم ہی کو پہنچے گا ، نہ مجھ کو ۔

برسات یہاں اب کی بار بھی کم رہی ۔ مفصّلات میں بعض مقامات پر چار سیر کی نوبت پہنچ گئی ۔ ''اللّٰھم لا تعذّبنا بتقلیل رزقنا بجاہ نبیّک ! آمین[1]'' ۔ فقط ۔

۲۰ ۔ جُمادی الثانیہ ، ۱۲۹۴ھ

۶۴

اب تمھارے مزاج میں ایک کیفیت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ تم کو نصیحت بری لگتی ہے لیکن نصیحت کرنا میرا اختیار لازمی ہے ۔ تمھاری دھمکی سے میں اپنا اختیار چھوڑ نہیں سکتا ۔ اگر میری نصیحت تم نہیں مانتے نہ مانو ، تم جانو لیکن بابِ نصیحت کا مفتوح رہنا تمھارے حق میں اچھا ہے ۔

تمھارا آج کا خط تو غضب کی خبریں لایا ۔ ۔ ۔ ۔ کا مرنا سید کے مرنے سے بھی بھاری ہوا ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' ع

ایں ماتمِ سخت ست کہ گویند جواں مرد

جب ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ کی حالت پر نظر کرتا ہوں تو جی بے چین

۱۔ خدایا اپنے نبی کے طفیل میں ہم پر تقلیلِ رزق کا عذاب مت کر۔

ہو جاتا ہے - خدا آن کو کسی طرح صبر دے اور ہم غافلوں کو عبرت - فقط
۵ - جولائی ، ۱۸۷۷ء

٦۵

ہمارے یہاں تاریخوں کا بڑا خلط مبحث ہے - تنخواہ تو فارسی مہینوں کے حساب سے ملتی ہے - اس میں یہ فائدہ سوچا گیا ہے کہ انگریزی مہینوں کی طرح ہر مہینے کے دن مقرر ہیں - اختلاف رؤیت سے شمار ایام میں اختلاف واقع نہیں ہوتا - انگریزی میں ۳۱ دن کا مہینا بڑا نا مبارک سمجھتے تھے ، یہاں خدا کے فضل سے ۳۲ دن کا مہینا بھی ہے - رحمۃ اللہ علی النباش الاول[1] - دوسرے عربی مہینے کہ مراسلت کہ کام میں لائے جاتے ہیں اور صدر سے لے کر مفصل تک کل دفتروں میں عربی مہینے مستعمل ہیں ، تیسرے تمہارے انگریزی (مہینے) کہ بے ان کے تم نہیں سمجھتے اور نہ رزیڈنسی کے معاملات چلتے ہیں - یہاں کا سکّہ بھی تمہاری گورنمنٹ کے روپے سے کم ہے ، عموماً ۳/ بٹہ لگتا ہے مگر بازار کے بھاؤ سے کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے - جیسے روپیہ اور پونڈ شلنگ کا کا اکسچینج بدلتا رہتا ہے ، ویسے یہاں حالی[2] اور کمپنی کا نرخ یکساں نہیں رہتا -
۷ - جولائی ، ۱۸۷۷ء حیدر آباد

۱- ''خدا کی رحمت پہلے کفن چور پر'' یہ عربی کی کہاوت اس طرح پر ہے کہ ایک شخص کفن کھسوٹ تھا اور لوگ اس کے ہاتھ سے نالاں ؛ آخر وہ مرا تو لوگ بہت خوش ہوئے لیکن اس کے بعد اس کا بیٹا وہی کام کرنے لگا لیکن یہ باجی کفن چرا لینے کے علاوہ مردے کی بے حرمتی بھی کرتا تھا - جب لوگوں کو معلوم ہوا تو کہا ''بلا سے پہلا ہی کفن کھسوٹ اچھا تھا ، خدا اس پر رحمت کرے''۔

۲- حیدر آباد کا سکہ رواجی حالی کہلاتا ہے - انگریزی سکے کو صورتی کہتے ہیں اور ایک سکہ نام روح سکّور ہے ؛ حساب میں آتا ہے رواج میں نہیں -

۶۶

مجھ کو سرکار سے سمتِ شمال کی صدر تعلقہ داری کا چارج لینے کا حکم مل چکا ۔ کل پرسوں تک ان شاء اللہ پٹن چرو جاتا ہوں جو کہ مستقرِ سمت ہے ۔ حیدر آباد سے پٹن چرو نو کوس ہے اور لنگم پلی سٹیشن سے پانچ میل ۔

میں تمہارے خط اس سے زیادہ چاہتا ہوں کہ تم ابھی تک بھیجتے رہے ہو ۔ یہاں کی ڈاک پیڈ و بیرنگ دونوں نا منتظم ہے ۔ سبب کیا کہ جو خط تم بھیجو ، وہ انگریزی ڈاک خانے سے ہو کر آتا ہے اور دونوں سرکاروں کی نہیں بلکہ کم بخت ڈاک والوں کی ضد سے خط تلف ہوتے ہیں ۔ ہمارے یہاں ڈاک کو 'ٹپا' کہتے ہیں اور یہاں کے ٹکٹ علی حدہ ہیں ۔

تم نے چند روز سے اس کو لازم سا کر لیا ہے کہ خط میں لکھنے پڑھنے کا مطلق تذکرہ نہیں ہوتا ۔ تمہارے علمی خطوط سے میری طبیعت شگفتہ ہوتی تھی ، اب تم کیوں دریغ کرتے ہو ۔ اگر تم اس ملک میں آنا چاہو تو فارسیت کو بڑھاؤ ۔ تم کو سبقاً سبقاً شاید ضرور نہ ہوگا ، مطالعہ کافی ہے اور جس کی طرز مطبوع ہو ، اس کی تقلید ۔

بیوی صاحب کا خوش نا خوش رکھنا تمہارے اختیار میں ہے ۔ یہ امر تم سے مخفی نہیں ہوگا کہ ان کی دنیاوی اُمیدیں تم میں منحصر اور مقصور ہیں ۔ فقط

۱۱ - جولائی ، ۱۸۷۷ء

۶۷

مولوی - - - - صاحب کا حال فی الواقع سخت افسوس کے قابل ہے ۔ خدا اُن کو صبر دے ۔ اگرچہ میں طریقۂ مروجۂ ماتم پرسی

کو نا پسند کرتا ہوں مگر تمہارے کہنے سے میں نے خط لکھا۔ مشکل ہے کہ مولوی صاحب کسی طرح کی تعزیت[1] سے تسلی پا سکیں مگر بہ مرورِ وقت آدمی خود بہ خود صبر حاصل کرتا ہے، گو ایسا صبر عند الشارع[2] نا محمود ہے۔

یہاں قحطِ شدید کے سامان ہو رہے ہیں۔ برسات ۵ جون سے شروع ہوتی ہے۔ سوا مہینا گزر گیا، پانی نہیں اور پچھلا برس بالکل خشکی میں گزرا۔ اگر امسال بارش نہیں ہوئی تو ایسی بڑی آفت ہو گی جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ خلق اللہ سخت پریشان ہے، بلھاری میں دو سیر اور یہاں چار سیر اوسط نرخ ہے ''العیاذ باللہ[3]''۔

بشیر! اب تو ماشاء اللہ تمہاری انگریزی اچھی ہو گئی ہے۔ میرے خط میں جو انگریزی پرچہ ــــ کے نام کا ملفوف تھا، وہ ضرور تمہاری عبارت ہوگی، بالکل غلطی سے پاک۔ بشیر! ذرا عربی۔ نری انگریزی پڑھ کر آدمی مبہوت ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ کیا وبال ہے۔

کیوں جی میاں بشیر! ان دنوں آپ منقبض کیوں ہیں؟ نہ تو ہم کو کبھی اپنا کوئی سبق لکھتے ہو نہ کوئی فرمائش کرتے ہو۔ بندۂ خدا! اس قدر جلد کیوں ملول ہوگئے۔ ہم خود دنیا سے ملول

۱۔ تعزیت کا طریقہ مروجہ یہ ہے کہ جو لوگ تعزیت کے لیے آتے ہیں، اد بدا کر مردے کا ذکر خیر نکالتے اور اس کی یاد دھانی کرتے ہیں، اگرچہ آخر میں تسلی کی باتیں بھی کرتے ہیں مگر یاد دھانی سے رنج تازہ کرتے ہیں۔

۲۔ شارع کے نزدیک۔

۳۔ خدا پناہ میں رکھے۔

ہیں ؛ یہاں آدم صورت بہت ہیں مگر آدمی نہیں[1] ۔

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

۲۰ - رجب ، ۱۲۹۳ ہجری

٦٨

یہ حال ہے دنیا کی بے ثباتی کا کہ مجھ کو اس ملک میں آئے چوتھا مہینہ ہے اور چار شخصوں کی نعی یعنی خبر مرگ پہنچ چکی ہے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون : ع

کس کس کا رنج کیجیے کس کس کو روئیے

- - - - کو خدا جنت نصیب کرے ، تمھاری والدہ کی آم رضاعی[2] تھیں ۔ چھٹ پن میں بیوی صاحب کو بیٹیوں کی طرح پالا اور مجھ کو ان کی وہ مہربانی جو میرے نکاح کے بعد کی تھی ، اب تک یاد ہے ۔ ''اللھم تغمد ھا بغفرانک و اسکنھا اعلی جنانک[3]'' - - - - کا مرنا آن کی بیوی اور ان کے بچوں کے لحاظ سے بڑی حسرت کی بات ہے ۔ افسوس ہے کہ میں ایسے مقام پر ہوں کہ نوٹ نہیں مل سکتے ۔

۱- حیدر آباد کبھی مردم خیز نہیں رہا اور آب و ہوا کے اعتبار سے کوئی وجہ نہیں کہ وہاں کے لوگ ذہین ہوں ۔ گویائی اور قوت ادائے مطلب سے تو سارے کا سارا ملک بے نصیب ہے (یہ پہلی حالت تھی اب اس میں زمین آسمان کا فرق ہے ، وہاں کے لوگوں نے اس قدر ترقی کی ہے کہ اب غیر ملکیوں کی ضرورت نہ رہی)

۲- دودھ پلائی ماں ۔

۳- خدایا ! آن کو اپنی آمرزش سے ڈھانپ اور اپنی آونچی بہشت میں آباد کر !

اپنی والدہ سے کہو کہ ـسبۃً للہ بہ قدر مناسب بیوہ اور یتیموں کی دل دہی اور خاطر داری کے طور پر کچھ خبر گیری کریں کہ موجب ثواب ہے ـ

تم نے ہماری سلطنت کو اتنا ذلیل کیوں سمجھ لیا ہے ـ وہ جو یہاں ہے وہاں نہیں ؛ عزت ، آب رو ، بیش قرار تنخواہ ـ اور وہ جو وہاں ہے یہاں نہیں ـ قاعدہ ، قانون اور کامل اطمینان ؛ باقی جو وہاں سو یہاں جو یہاں سو وہاں ـ دلی میں برائے نام ایک بادشاہ تھے جن کو لاکھ روپیہ مہینا پنشن کے طور پر ملتا تھا ـ تم نے ان کو بھی نہیں دیکھا ـ میں نے یہاں ایک سلطنت دیکھی کہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لاکھ سالانہ کے جاگیر دار ہیں ـ غرض مسلمانوں کی سلطنت کی ایک یادگار ہے ـ خدا اس کو باقی رکھے ! آمین ـ

خشک سالی کی آفت تو امسال عالم گیر سی معلوم ہوتی ہے ـ یہاں ابھی تک پانی نہیں برسا ـ تم سمجھ سکتے ہو کہ قحط مکرر کیسا اثر رکھتا ہے ، لیکن خدا نہ کرے ؛ پورا کال پڑے گا تو ایک عذاب ہے ، نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا[1] ـ

میری طرف سے ـ ـ ـ ـ کو چلے آنے کی اجازت ہے ـ میں نہیں جانتا کہ آن کو یہاں کے ڈیڑھ سو پسند ہیں ، جب کہ آن کو کار پیمائش کی نگرانی کرنی ہوگی ؛ یا وہاں کے ساٹھ ، در حالے کہ راجا کی مصاحبت اور ہم نشینی ہے ـ ع

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

۱ـ ہم خدا سے اپنے دلوں کی بدیوں اور کرتوتوں کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں ـ

اگر آنا ہے تو مجھ پر رائے دینے کا بار مت ڈالو ۔ عواقب الامور[1] و مستقبلات کا علم خدا کو ہے ۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبّوا شیئاً وھو شرّ لکم واللہ یعلم و انتم لا تعلمون[2] ۔ خلاصہ یہ کہ میرے طلب و تقاضے سے نہیں بلکہ اپنے ارادے سے آئیں ۔ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھ کو اپنی جان کی طرح عزیز ہیں ۔ اگر آئے تو آن کے لیے سعی کا کوئی دقیقہ آٹھا نہ رکھوں گا ۔ فقط

۱۳ - اگست ، ۱۸۷۷ء

٦۹

تم نے کسی سے سن لیا ہوگا کہ یہاں پانی برسا ۔ ہم لوگ تو مینہ کو ترس گئے ۔ چار سیر کا نرخ ہے جس کو میں نے فی عمری[3] دیکھنا تو کیسا ، سنا بھی نہ تھا اور یہ نرخ بھی رو بہ انحطاط[4] ۔ غرض برسات کا قوام تو اس مرتبہ دنیا میں غضب کا بگڑا ہے ، خدا خیر کرے ۔ بلھاری میں دو سیر کا نرخ تھا ، خدا جانے اب کیا حال ہے ۔ پانی اگر ہے تو سنٹرل پراونسز یعنی مضافات چیف کمشنری جبل پور میں ۔ آس سے آترتا ہوا بمبئی میں لیکن دو چار جگہ پانی ہوا بھی تو کیا ایک عالم کی پیاس کو بجھا سکتا ہے ۔

۱- انجام کار ، امور آئندہ ۔

۲- شاید ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے لیے بھلی ہو اور شاید ایک چیز تم کو بھلی معلوم ہو اور وہ تمھارے حق میں بری ہو اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

۳- اپنی عمر میں ۔

۴- تنزل ، کمی ۔

ہمارے یہاں کی نئی خبر یہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ خاں بے طلب از خود بہ طور کلنگ پیش رو نوکران کورنمک آیا ہے ۔ تم کو کمرے کی کیا فکر ، گوشت خرد ندان سگ ۔ تم اپنی مراسلة مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ سے کیوں نہیں جاری کرتے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کبھی خط نہیں لکھتے ؛ البتہ محبت دوا نہیں کہ زبردستی کسی کے حلق میں اتار دی جائے ۔

میں تم سب کو اب تک کبھی کا بلا چکا ہوتا لیکن موسم کی حالت بہت نازک ہے اور یہاں کے کال وہاں کے سے کال نہیں ہیں ۔ عرب ، سکھ ، روہیلے ، راجپوت ، حبشی ، سندھی ، پیادے ، سوار نہیں معلوم کتنے ہزار ہیں اور سب بہ جائے خود خود سر ؛ اس کے علاوہ ملک اتنا وسیع کہ میری سمت کا طول ڈیڑھ سو کوس اور تمام جنگل اور پہاڑ اور ندی اور نالے اور آب و ہوا اکثر مقامات کی ردی ، دورہ سال میں آٹھ مہینے ۔ ان سب باتوں پر نظر کر کے ہمت قصور کرتی ہے ۔ ایک کال ٹل جائے تو خیر دوسرے امور چنداں مانع نہیں ۔

ہر چند ابھی کوئی گزند محسوس نہیں ہوا لیکن اتنا تو ہے کہ طبیعت خوب چاق و چست نہیں رہتی اور خدا جانے کیا بلا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں نہ تو قوت آخذہ ہے اور نہ انتقال ذہنی اور جس بات کو سمجھ بھی جاتے ہیں تو ناطقہ نہیں کہ ادائے مطلب کر سکیں ۔ ہندوستانی بھی ایک مدت کے بعد ڈل (سست) ہو جاتے ہیں ۔ جب وہ وقت آئے گا تو بشیر! تم مجھ کو خوب چھیڑا کرو گے ۔ و منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئاً ۔

میاں بشیر! برائے خدا ہمت کرو اور اپنی دنیا کو آپ سنبھالو ۔

اب میری طبیعت پہلوتہی کرتی ہے اور جان سی چرانے لگی ہے۔
کسی کا کیا اچھا شعر یاد پڑا ہے ۔

سئمت تکالیف الحیواۃ و من یعش
ثمانین حولا (لاابالک) یسئم[۳]

۱۱ - شعبان ، ۱۲۹۳ھ

۷۰

آج میں یہ خط بہت ھی افسردہ حالت میں لکھتا ھوں ۔ افسردگی کا بڑا باعث قحط ہے ۔ اس گھڑی تک ایک بوند پانی نہیں ۔ پونے چار سیر کی نوبت پہنچی اور مصیبت یہ کہ اس نرخ کو بھی ثبات نہیں ۔ فصل خریف جس کو یہاں پوناس اور آبی کہتے ھیں ، گئی گزری ہوئی اور فصل ربیع کا ہفتے عشرے میں فیصلہ ہے ۔ یہاں ملک تلنگانہ کی پیداوار تالابوں کی معموری پر منحصر ہے اور غضب ہے کہ تمام تالاب سوکھے پڑے ھیں ۔ خزانہ خالی ، آمد مسدود ، خرچ آمدنی سے زیادہ ، اعتبار مفقود ؛ حیرت ہے کہ کیا ہونا ہے ۔ آج ایک معتبر بلدہ یعنی حیدر آباد سے خبر لایا کہ نواب صاحب سخت پریشان ھیں ، ایک لمحہ آن کو قرار نہیں ، خدا خیر کرے ۔

ایک اندرونی مفسدہ یہ ہے کہ نواب وقار الامراء بہادر شریک مدارالمہام ہوتے والے ھیں اور نواب مختار الملک اور وقار الامراء میں موافقت نہیں ۔ سنا کہ نواب صاحب دیوانی سے مستعفی ہونے والے ھیں ۔ اگر خدا نہ خواستہ ایسا ہوا تو ہم لوگوں کے حصے کی

۳- میں زندگی کی تکلیفوں سے تنگ آ گیا اور اسی برس جو جیے ، تنگ آیا ہی چاہے ۔ تمہیں خدا نیکی دے ۔

قیامت آ چکی کیوں کہ ہم سب لوگ وابستۂ دامانِ دولتِ نواب صاحب ہیں - غرض یہ ہندوستانی ریاستوں کے جھگڑے ہیں جن کو سن کر سخت وحشت ہوتی ہے - میرے ان تردّدات پر تازیانہ یہ کہ مولوی - - - - کے خط سے معلوم ہوا کہ - - - - اور - - - - روانہ ہوئے اور مولوی - - - - بھی آنے والے ہیں - ہر چند ایسے وقتِ نازک میں کسی کا آنا بھی مصلحت نہیں مگر خیر اپنے عزیز دعویٰ قرابت سے بے پوچھے چلے آئیں تو مضائقہ نہیں - زید، عمرو، بکر کو میں کہاں تک سنبھال سکتا ہوں، "یہ تمام بلا کم بخت - - - - خاں کی لائی ہوئی ہے - ع

اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

زیادہ تکلیف دہ بات جو تم نے لکھی، یہ ہے کہ تم بگھی لینے کے واسطے روپے کی کمی کا عذر کرتے ہو - اولاً تو میں نے تم سے نہیں کہا کہ تم اپنی مقررہ تنخواہ سے بگھی اور گھوڑا لو اور پھر اتنی خدمت گزاریوں اور توسیع نفقہ پر تمھاری شکایت سوائے اس کے کہ آب و ہوائے دہلی کا اثر کہوں، "اور کیا سمجھ سکتا ہوں - کچھ تو میری عمر و حالت نے میرے تعلقات کو ضعیف کر دیا ہے اور کچھ تم لوگوں کی ایسی جگر خراش باتیں مجھ کو بے دل کرتی جاتی ہیں - میرا اس میں بھی فائدہ ہے - میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ دنیا سے ملول اور بے دل اٹھ جاؤں - تم بگھی گھوڑا ٹھہراؤ اور میں روپیہ نہ دوں، تب ہی الزام دینا -

توانم آں کہ نیازام اندرون کسے
حسود را چہ کنم کو ز خود بہ رنج درست

تم نے مدرسے کے ایک لڑکے کا حال لکھا - بڑی عبرت کا مقام ہے - تف ہے اس کم بخت کے اول ہونے پر جس کی حرکتیں یہ ہوں -

خبردار! ایسے لڑکوں سے میل جول مت رکھو۔

دور شو از اختلاط یار بد
یار بد بد تر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند
یار بد برجان و بر ایماں زند
صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

فقط۔ ١٦ - شعبان، ١٢٩٣ھ

٤١

مجھ کو اس کے سننے سے بہت بہت خوشی ہوئی کہ تم سب مضامین میں پاس ہوئے لیکن اور بھی زیادہ خوشی ہوتی اگر تم اول یا دوم رہ کر پاس ہوتے۔ ابھی تمہارے امتحان بازیچۂ طفلاں ہیں؛ اُس امتحان کے لیے آمادہ رہو جس کے ساتھ عزت و ناموری وابستہ ہے، یعنی یونیورسٹی کی ڈگری۔

ابھی تک میرے سفر و حضر کا ٹھکانا نہیں۔ میں اپنے خرچ سے کوئی اخبار نہیں لیتا لیکن گراں و ارزاں پر کیا نظر کرتے ہو۔ مطالعۂ اخبار نہایت نافع چیز ہے۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی اچھا سا اخبار لینا شروع کرو۔ اس کو تم اور تمہارے اُستاد مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کون سا اخبار بہتر ہے۔ تم کو زیادہ تر عمدگیٔ عبارت اور مضامینِ علمی کی خوبی پر نظر رکھنی چاہیے اور شاید ڈیلی[1] مناسب نہیں۔ بائی ویکلی[2] یا ویکلی[3] لو تاکہ بالاستیعاب اور بالالتزام

١- روزانہ۔
٢- جو ہفتے میں دو بار نکلتا ہو۔ نیم ہفتہ وار۔
٣- ہفتہ وار۔

پڑھ بھی سکو ۔ سستے اخبار پر نظر ہے تو "ہنڈ و پیٹریٹ" سے بہتر نہیں مگر وہ پھر بھی ہندوستانی ہے ۔ ایسا اخبار لو جس کا ایڈیٹر ولایت زا ہو ۔

میں عن قریب مدراس اور میسور جانے والا ہوں تاکہ وہاں کے طریقۂ بند و بست سے آگہی پیدا کروں ۔ نواب صاحب نے ریزیڈنٹ سے رکمنڈیٹری[1] چٹھیاں منگوا دی ہیں ۔

تم نے کوئی ہندوستانی سرکار دیکھی نہیں اور تم یہاں کا طرز انتظام سمجھ نہیں سکتے۔ یہاں آسان پر چڑھ جانا اور تحت الثریٰ[2] میں گڑ جانا ایک بات ہے ۔ جو لوگ کہ نوکر ہوگئے ہیں ان میں سے میں کسی کو نوکر نہیں سمجھتا ۔ ہر ملک کے سیکڑوں ہزاروں بڑے بڑے لائق برسوں سے پڑے جھک مارتے پھرتے ہیں ، کوئی پرسان حال نہیں اور چونکہ یہ بہت بڑی ریاست ہے ، خلق خدا ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑی ہے ؛ پھر یہاں کی کل 'فردائے قیامت' ہے ، وعدہ اور حکم کوئی چیز نہیں ۔ یہ بھی نواب صاحب کی قدردانی اور مولوی مہدی علی صاحب کی مہربانی تھی اور فی الاصل مجھ پر احسان کرنا منظور تھا کہ میرے عزیزوں کو عہدوں پر نام زد کر دیا ورنہ یہاں کون پوچھتا تھا ۔ فقط

۱۹ - اکتوبر ، ۱۸۷۷ء

۷۲

جناب - - - کی خدمت میں اداب کے بعد :

میاں - - - نے اپنا مزاج ابھی تک مطلق درست نہیں کیا ۔

۱- تقریبی ، سفارشی ۔

۲- زیر زمین ۔

سب سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے اور مجھ کو بدنام کرتے ۔ ان نا لائق اور کمینہ لڑائیوں کی خبریں تمام مشہور ہوتی ہیں جس کے سننے سے مجھ کو سخت ایذا ہوتی ہے ۔ تنخواہ اُن کی ابھی تک واقعی نہیں ملی اور یہاں نوابی کارخانے ایسے ہی ڈھیلے اور سست ہیں، اور کیسی نوکری اور کس کی تنخواہ ۔ نواب صاحب کی بندہ نوازیاں ہیں ورنہ ان لوگوں کو احدیوں[1] کی طرح پڑے رہنے کے سوا کچھ کام نہیں ۔ میں نے جو کچھ روپیہ بھجوایا، میری تنخواہ کا تھا ۔ انگریزی تنخواہ اب تک ایک کوڑی وصول نہیں ہوئی ۔ ہر کام میں دیر، ہر معاملے میں توقف یہاں کا دستور ہے ۔

مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ نے اپنے والد کو بھی کچھ روپیہ بھیجا ہے : ع

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است

بیٹے کی نوکری پر نازاں ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ آج ہے تو کل نہیں، مطلق بے اعتبار و بے ثبات ۔ ایسا نہ ہو کہ مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ کی اتنی بڑی نوکری سن کر والد بزرگ وار پاؤں پھیلائیں ۔ انھوں نے "لیت الشباب یعود[2]" کسی کتاب میں دیکھ لیا ہے ۔ استغفر اللہ و نعوذ باللہ ۔ ۱۸۷۷ء

۷۳

بیوی صاحب کو سلام کے بعد :

میں نے رخصت کی درخواست کی تھی، بڑی حجت کے بعد منظور ہوئی لیکن پھر جو غور کیا تو جانا کچھ مناسب سا نہیں معلوم ہوتا ۔ ہر چند رخصت پر جانے میں میرا ذاتی چنداں نقصان نہیں

۱- بادشاہی وقتوں میں جو لوگ نکمے پڑے تنخواہیں پاتے تھے 'احدی' کہلاتے تھے ۔

۲- کاش جوانی پھر آتی ۔

مگر ساتھ والوں کی بڑی خرابی ہے ، تم ایسے مطمئن ملک میں رہتی ہو کہ تم یہاں کے حالات مشکل سے سمجھو گی ۔ ہندوستانی ریاست ہے اور ہم چند جلیل القدر ہندوستانیوں کا یہ حال ہے کہ در و دیوار دشمن ہو رہا ہے اور وجہِ عداوت یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے عہدوں پر ہیں اور بڑے اختیار رکھتے ہیں ۔ ہندوستان میں تو کہیں روٹی کا ٹھکانا نہیں ، ساری خلقت یہیں ٹوٹ پڑی ہے ؛ خاص کر ہمارے ہم وطن ہی ہمارے سخت دشمن ہیں ۔ دیکھ کر جلتے اور بیخ کنی[1] میں لگے رہتے ہیں ۔ ایسی حالت میں ایک دم کے لیے بھی نوکری سے جدا ہونا مصلحت نہیں معلوم ہوتا ۔ یہاں ایک دن میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے ، نہ کہ مہینا ۔ البتہ چھوٹے عہدے والے اور گم نام آدمی بڑے مزے میں ہیں ۔ قاعدہ ہے کہ آندھی سے اگر خطر ہے تو بڑے بڑے اونچے درختوں کو ، نہ جھاڑی اور گھاس کو ۔

[2] اما تری الریح ان ھبّت عوا صفھا
فلیس تعصف الاّ ما ھو الشجر

غرض پس و پیش سوچ کر رخصت کا ارادہ فسخ کیا ۔ اب میرا ارادہ ہے کہ تم سب کو بلوا لوں ؛ ظاہرا اب تمہارے آنے میں کوئی وجہ مانع نہیں ۔

وہاں تم کو بڑا ضروری کام بشیر کی شادی ہے ؛ اب زیادہ دیر کرنی کسی طرح مناسب نہیں ۔ تم یہ بوجھ میرے سر پر ڈال کر

۱- جڑ کھودنے ۔
۲- کیا ہوا کو نہیں دیکھتے کہ جب اس کے سخت جھونکے آتے ہیں تو نہیں آڑا لے جاتے لیکن درخت ۔

فارغ ہو بیٹھیں ۔ میں بہت خوشی سے اس بوجھ کو اُٹھاتا اور اس کے سر انجام میں کوشش کرتا لیکن نوکری کے پھندوں میں اس طرح مبتلا ہوں کہ تم کو معلوم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کو متواتر خط لکھے ۔ اُن کا یہ حال ہے کہ کبھی بات صاف نہیں کہتے اور اس قدر خوشامد آمیز باتیں کرتے اور لکھتے ہیں کہ اُن میں سے جھوٹ اور سچ اور واقعی اور غیر واقعی کا امتیاز نہیں ہوتا ۔ مجھ کو خوب یقین ہے کہ اُن کو یہ رشتہ منظور ہے اور پسند بھی ہے مگر اُن کی لڑکی چھوٹی ہے اور کچھ امیری چوچلے ۔ غرض اُن کو وہ جلدی نہیں جو مجھ کو ہے ، اور تم کو گو نہیں مگر ہونی چاہیے ۔ کبھی میں یہ غور کرتا ہوں کہ وطن تو بجنور اور رہنا دلی میں اور نوکری حیدر آباد میں اور سمدھیانا ۔ ۔ ۔ ۔ میں یعنی سارے ہندوستان میں پاؤں پھیلائے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب بیٹی کے بیاہ میں ایسے سامان کریں گے کہ ہماری طرف سے بہ وجہ مسافرت اُن کی مرضی کے موافق سر انجام ہونا معلوم اور پھر بیٹی کے بھیجنے بلانے میں ہمیشہ حجت ہوا کرے گی ۔ ہم کو روپیہ اور جہیز کچھ درکار نہیں ، اور نسب میرے نزدیک کوئی چیز نہیں ، اور اگر انگریزی عمل داری رہی اور ضرور رہے گی تو نسب رفتہ رفتہ عیب ہو جائے گا ۔ پس جو چیز ہم کو درکار ہے کہ لڑکی کی صورت اچھی ہو ، عجیب ہے کہ دلی جیسے شہر میں ایک شرط پوری نہ ہو سکے مگر تم مطلق فکر نہیں کرتیں ۔ اب تم کو خدا نے بیٹیوں کی طرف سے اطمینان دیا ۔ و الحمد اللہ علیٰ ذالک ۔ بشیر کا حق بھی ادا کرو ۔ اول تو بشیر کے لحاظ سے تم کو متوجہ ہونا چاہیے ، دوسرے یوں سمجھو کہ میری مدد کرتی ہو ۔ اب بشیر کے بیاہ میں دیر کرنا حقیقت میں بشیر پر ظلم کرنا ہے ۔ اگر تم کو یہ خیال ہو کہ

بشیر کی دلھن کو میں نا پسند کروں گا ، سو مجھ کو کامل بھروسہ ہے کہ تمھارا انتخاب ضرور عمدہ اور پسندیدہ ہوگا اور بات صاف تو یہ ہے کہ خانہ داری کی بنیاد آپس کی محبت اور سازگاری ہے اور یہ امر تقدیری ہے ، آدمی کی سعی اور تدبیر کو اس میں بہت کم دخل ہے ۔ پس متوکلاً علی اللہ کہیں کرو مگر جلد کرو ۔ فقط

۱۸۷۷ء

۷۴

میاں بشیر !

میں ابھی تک حیدر آباد میں ہوں مگر ریزیڈنٹ صاحب کی تقریبی چٹھیاں آ گئی ہیں اور مجھ کو بندوبست کا کام دیکھنے کے لیے میسور اور مدراس جانے کا حکم ہے ۔ ان شاء اللہ چار پانچ دن میں میسور کا ارادہ ہے ؛ جاتے وقت تم کو اطلاع دوں گا ۔

- - - کی تعیناتی ضلع نلدرگ کو ہو گئی ہے ۔ مجھ کو ان لڑکوں پر اطمینان نہیں اور میں ان کا جدا ہونا پسند بھی نہیں کرتا تھا مگر میری سمت میں ابھی بندوبست کا کام جاری نہیں اور بندوبست کے بہ دون تنخواہ مل نہیں سکتی ؛ اس وجہ سے مجبور ہو کر انتظام کیا گیا ۔

گو خطوط بہ دیر پہنچیں یا نہ پہنچیں، تم رجماً بالغیب[1] بھیج دیا کرو تا کہ سلسلہ منقطع نہ ہو ۔

میں نے - - - کو ایسا خط لکھ دیا ہے جس سے بات کا میری طرف سے انقطاع سا ہو گیا ہے ۔ بشیر! کیوں نہیں تم اپنا بیاہ اپنی تجویز سے کرتے ۔ تمھارے باپ نے بھی اپنا بیاہ اپنی ہی تجویز سے کیا تھا ؛ تم بھی اسی باپ کے بیٹے ہو ، خود کرو ۔ فرق صرف

۱- اٹکرلیس ۔ جیسے بے دیکھے نشانہ لگاتے ہیں ۔

اتنا ہے کہ میں نے اپنے باپ کے مرے پیچھے کیا ، تم میری زندگی میں کرو اور کیا معلوم ہے کہ جب تم ایسا کرو ، میں رہوں یا نہ رہوں ۔

تم تحصیل علم میں یوماً فیوماً اپنی توجہ زیادہ مصروف کرتے جاؤ ۔ اب بہت تھوڑا وقت اس کے لیے باقی رہا ہے ۔ فقط

۳ ۔ اپریل ، ۱۸۷۸ء

۷۵

میں تم کو بنگلور سے چلتے چلتے خط لکھ رہا ہوں ۔ اس سے کہ تم نے انٹرنس کلاس میں ترقی کی ، مجھ کو نہایت خوشی ہوئی ہے ۔ بشیر ! نوکری اور رزق تو مقدر ہے مگر لیاقت عجب چیز ہے ؛ ساری عمر آدمی کو مسرت دینے والی چیز ۔ عُسر اور یُسر دونوں میں لیاقت ہے ۔ میرا استعداد لائقوں میں نہیں اور مجھ کو زمانے نے لیاقت حاصل کرنے کی مہلت نہیں دی اور جو وقت کسب کمال کا تھا وہ ایسی بے سر و سامانی اور مصیبت میں گزرا کہ اتنا لکھ پڑھ لینا بھی تعجب معلوم ہوتا ہے ، مگر اس اضطرار میں جو دو چار حرف پڑھ لیے تھے ، میں نہیں کہتا کہ نوکری ان کی وجہ سے ہے کیوں کہ مجھ سے زیادہ لائق جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور نان شبینہ کو محتاج ہیں اور نہ میں اس کا معتقد ہوں کہ غدر میں مسز لیسن[1] کی حفاظت بہ وسائط میری نوکری کا سبب ہوئی ، اس لیے کہ خود لیسن کی حقیقت معلوم ہے ، مگر اتنا ضرور میں کہوں گا کہ اب تک جہاں گیا اور جس جگہ رہا ، کسی سے میری آنکھ نیچی نہیں ہوئی

۱۔ غدر میں میاں بشیر کے نانا عبدالقادر صاحب نے ایک میم کی جان بچائی تھی ۔

اور مجھ کو اس بات کے جاننے سے ضرور خوشی ہوئی کہ لوگ مجھ کو نالائق نہیں جانتے ۔

اگر تمھاری طرح مجھ کو ایک امیر باپ ملا ہوتا اور تمھاری طرح آسودگی اور عافیت مجھ کو حاصل رہی ہوتی ، جب کہ میری عمر حاصل کرنے کی تھی تو بشیر! یقین جانو کہ آج میں یکتائے روزگار ہوتا کیوں کہ شکر ہے میرے سر میں اچھا بھیجا رکھا گیا ہے لیکن مرد خدا جو مجھ سے نہیں ہو سکا تم کرو: ع

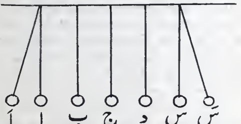
اگر پدر نه تواند پسر تمام کند

رہی نوکری ؛ تھوڑی بہت جو تقدیر میں ہے ، سو تو کرو ہی گے ، مگر اقتضائے ہمت یہ ہے کہ آدمی اقران و امثال میں ممتاز ہو ۔ جدھر نکل جائے انگلیاں اٹھیں کہ وہ چلے ، جس مجمع میں بیٹھے صدر انجمن ہو ۔ بی اور اے دو حرف عجب مقبول حرف ہیں کہ جس کو مل جاتے ہیں ساری عمر سرمایۂ فخر ہوتے ہیں ۔ خیر وہ مرحلہ تو آگے ہے مگر انٹرنس کا پاس کر لینا تو کچھ بڑی بات نہیں ۔ ادنٰی ادنٰی کوڑھ مغز لونڈے انٹرنس پاس کر لیتے ہیں ۔ ابھی سے غور کرو کہ کس چیز میں خامی ہے اور ابھی سے اسی چیز پر زیادہ توجہ کرو ؛ سبب کیا ہے کہ وہ خامی پختگی سے مبدل نہ ہو جائے ، محنت شرط ہے ۔ مسلسل اور متصل محنت میں عجب برکت ہے ۔ ابھی سے وہ تیاری کرو جو غافل اور کاھل لڑکے امتحان کے قریب کرتے ہیں ۔ میں شکر کرتا ہوں کہ تم اچھے بیٹے ہو لیکن نام و نمود حاصل کر کے مجھ کو چند روز کے لیے خوش ہو لینے دو اور نام و نمود کے جو فائدے مترتب ہوں گے ، وہ تمھارے ذاتی ہیں ، ان کا میں متمنی نہیں ۔

۲۳ - مئی ، ۱۸۷۸ء - بنگلور

۷۶

میں ۲۵ مئی کی صبح کو مدراس داخل ہوا ۔ مجھ کو امید نہیں کہ یہاں کے قیام کو اس قدر امتداد ہو کہ تمھارا خط آ سکے ۔ کل میں سمندر کے کنارے گیا تھا ؛ کنارے پر اس قدر تموّج رہتا ہے کہ دیکھ کر خوف آتا ہے ۔ بڑے بڑے جہاز کنارے سے دور اندر ٹھیرتے ہیں اور وہاں تک ڈونگی یا کشتی میں جانا پڑتا ہے ، مگر سمندر کے اندر تموّج کا ایسا زور شور نہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پانی کے اجزاء ایک دوسرے کی مدافعت اور مقاومت کرتے ہیں ، اور تموّج فنا ہو جاتا ہے ، مگر کنارے پر مدافع اور مقاوم نہیں اس وجہ سے تموّج محسوس ہوتا ہے ۔ عاج[1] میں مدافعت کی قوت زیادہ ہے ۔ اگر کئی گولیاں اس طور پر لٹکائی جائیں :



اور پھر ا گولی کو آ مقام پر لے جا کر چھوڑ دیں تو وہ گولی ب کو اور ب ج کو اور ج د کو اور د س کو صدمہ پہنچائے گی مگر اس سے نتیجہ یہ ہو گا کہ ا ب ج د تو اس طرح ساکن رہیں گی کہ

۱- ہاتھی دانت ۔

گویا آن کو صدمہ نہیں پہنچا ، صرف اخیر گولی س اس صدمے سے مقام سَس پر آچٹ کر جا رہے گی - یہ مسئلہ علم طبعی کا ہے ؛ بعینہ یہی حال سمندر کے بانی کا ہے -

مدراس شہر کاہے کو ہے ، آدمیوں کا جنگل ہے - کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ کلکتہ چھوڑ کر ہندوستان کے کل شہروں سے بڑا ہے - انگریزی کا اس قدر رواج ہے کہ بی - اے سوداگروں کے یہاں دس دس بلکہ اس سے کم پر چٹھی نویسی کرتے ہیں - مدراس ، بنگلور دیکھنے سے مجھ کو یقین ہوا کہ اب سے ستر یا غایت درجہ سو برس بعد بہ شرط بقا ؑ عمل داری ؑ انگریزی ہماری ملکی زبان انگریزی ہو جائے گی - ان دو شہروں میں انگریزی کی یہ کثرت ہے اور ضرور یہی حال کلکتے اور بمبئی کا ہوگا کہ بازاری کنجڑے ، بھٹیارے انگریزی بولتے ہیں - چونکہ یہاں کی زبان تلنگی ، اروی ، کنٹری سمجھ میں نہیں آتی ، انگریزی داں اپنا کام نکال لیتا ہے - فقط

۲۷ - مئی ، ۱۸۷۸ء

۷۷

بجنور جانے کا مضائقہ نہیں لیکن کوئی نفع بھی نہیں :

دہ مرو دہ مرد را احمق کند

عقل را بے نور و بے رونق کند

میں اس کو زیادہ پسند کرتا کہ تم تعطیل میں علی گڑھ جاتے اور سید احمد خاں صاحب کے پاس رہ کر استفادہ کرتے - تمھارے خیالات کو آن سے بہت نفع ہوتا - اب تم انگریزی ایسی لکھتے ہو کہ مجھ کو مشکل سے غلطی ملتی ہے - اخبار انگریزی کا مطالعہ اور اس کا طرز اداۓ مطلب خیال میں رکھنا بہت مفید ہوگا - عربی جو تمھارا موروثی علم ہے ، اس کی طرف تم کو مطلق توجہ نہیں - افسوس !

۴۸

میاں بشیر !

میاں بی بی میں جو تعلق ہے ، وہ پیار اور ہیبت کا تعلق ہے ، یعنی دونوں ایک دوسرے سے محبت رکھیں اور میاں کی وقعت اور ہیبت بی بی پر ہو۔ شاید تم کو شبہ ہو کہ محبت اور ہیبت دو چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں ؛ ایسا شبہہ بے جا ہے ۔ استاد اور شاگرد اور حاکم اور رعایا میں بعینہ اسی طرح کا تعلق ہے ۔ عورتیں بہ وجہ نقصانِ عقل و جہل و نادانی کے ممکن نہیں کہ امورِ دنیا داری کی تنہا متکفل ہو سکیں ۔ یہی سبب ہے کہ مردوں کو آن پر غلبہ رکھنا ضرور ہے "وللرجال علیہن درجة"[۱]۔ جوش جوانی میں احمق مرد عورتوں کو اس قدر بے تکلف اورگستاخ کر لیا کرتے ہیں کہ پھر ساری عمر وہ آن کو دبا نہیں سکتے اور گھر میں دو عملی رہتی ہے ؛ عورت اپنی راہ چلتی ہے اور مرد اپنا راستہ اختیار کرتا ہے ۔ مجھ کو اپنے عزیزوں میں ایک شخص کا حال معلوم ہے کہ وہ ابتدا میں بی بی کی خدمت گاری کیا کرتا تھا اور میاں بی بی میں پیار اخلاص کے واسطے دھول دھپا ہوتا تھا ، ایک دوسرے کو چٹکیاں لیا کرتا تھا اور گفتگو میں بھی سخت بے تہذیبی جانبین سے ہوتی تھی ؛ انجام یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ۔ کیسی ہی کوئی چیز عمدہ ہو ، ضرور ہے کہ آدمی آس سے ملول اور سیر ہو جائے ۔ مثلاً کوئی عمدہ سے عمدہ کھانا اگر روز دو وقت کھانے کو ملے ، شدہ شدہ روکھی روٹی کی طرح بدمزہ معلوم ہونے لگے گا ۔ پس جو لوگ حسنِ ظاہر پر فریفتہ ہوتے ہیں آن کا یہ خیال یقیناً بے ثبات ہے ۔ عورتیں صرف شہوت رانی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ انگریزی محاورے کے مطابق

۱- اور مردوں کی عورتوں پر برتری ہے ۔

''بیٹرھاف''۔ پس آن کو امورِ خانہ داری کے انتظام کے واسطے موضوع سمجھ کر آسی کے کام کے لائق بنانا چاہیے۔ یہ قاعدہ نہایت صحیح ہے : ''دیر آمیز دیر گسل زود آمیز زود گسل''۔ ربط جو پیدا کرو رکاوٹ کے ساتھ اور اتحاد کو بڑھاؤ بہ تدریج ۔ ایک ہیبتِ جسانی توانائی کی بھی ہوتی ہے وہ تم اپنی بی بی پر قائم نہیں کر سکتے ؛ پس ضعفِ جسانی کی تلافی وقر و متانت سے کرو ۔ عورتوں کو طمع اور چٹور پن سے روکنا ضرور ہے ورنہ گھر میں خیر و برکت رہ نہیں سکتی ۔ تاکید کرو کہ تمہاری بی بی لکھنا سیکھے اور آس کے پڑھنے کی کتابیں جمع کرو اور آس کی مدد کامل طور پر کی جائے ۔ اگر فرمائشوں کی نوبت آئے تو آس کو حقارت کے ساتھ روک دینا کہ ہماری تمہاری حالت پر اماّ کو نظر ہے اور اس قدر بس کرتا ہے ؛ جو آن کو مناسب معلوم ہو گا خود کریں گی ۔ کچھ تھوڑا سا روپیہ دے کر دیکھو کہ کیا کرتی ہے : اگر وہ سودے سلف یا عارضی نمائش کی چیزوں میں آٹھا ڈالے تو جانو کہ احمق اور نا عاقبت اندیش ہے اور اگر زیور یا دوسرے عمدہ مصرف میں لگائے تو البتہ خوشی کی بات ہے ۔ تم کو ایک مدت تک بی بی کو تعلیم کرنا پڑے گا ۔ آس کے خصائص مزاجی پر غور سے نظر کرتے جاؤ۔ یہ آسی کے حق میں مفید ہو گا کہ بیوی صاحب کے اختیار میں اس طرح رکھی جائے جیسے بیمار طبیب کے اختیار میں ۔ کبھی کچھ بھٹا، ادھر سلا کر دیکھو کہ اس ہنر میں اس کی دست گاہ کہاں تک ہے ۔ اس طرح ممکن ہے کہ کسی حیلے سے کھانا پکانے میں بھی آس کا امتحان لیا جائے اور جس بات میں کوتاہی پائی جائے ، نرمی اور مہربانی سے آس کو سمجھا دیا جائے ۔ فقط

۱۸۶۹ء

۲۔ عمدہ تر نصف ۔

۷۹

تمھارے خط کے آنے سے میں نے ایک خط ریڈ صاحب کو آردو میں لکھا ھے جس کی نقل اس کے ساتھ بھیجی جاتی ھے :

''جناب عالی!

میں اپنے دوسرے خطوط میں ان شاء اللہ آپ پر ثابت کر دوں گا کہ میں نے اپنی انگریزی کو جیسی ٹوٹی پھوٹی اعظم گڑھ میں تھی ، اب تک بھلایا نہیں مگر چونکہ ابتدائے مفارقت سے جس کو چوتھا برس ھے ، یہ میرا پہلا عریضہ ھے ، میں چاھتا ھوں کہ اپنے خیالات کو اپنی زبان میں ادا کروں ۔

بشیر نے آپ کی چٹھی کی نقل دلّی سے میرے پاس دورے میں بھیجی اور آس کے پڑھنے سے وہ پانچ برس آنکھوں میں پھرنے لگے جو آپ کے سایۂ عاطفت میں نہایت خوشی اور اطمینان کے ساتھ اعظم گڑھ میں گزرے ؛ اگرچہ مفارقت کو بہت دن ھوئے مگر آپ کی مہربانیاں نہ بھولی ھیں ، نہ بھولیں گی ۔

میرا حال اس ملک میں اس شخص کا سا ھے جو کبھی ناؤ پر نہ بیٹھا ھو اور دفعۃً آس کو طوفان خیز سمندر میں بادبانی جہاز پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑے ۔ بشیر کا یہ کہنا کہ میں نے اس ملک کا رھنا ٹھان لیا ھے ، صرف اس قدر صحیح ھے کہ انھوں نے مجھ کو کبھی ایسا کہتے سنا ھو گا ، مگر یہاں کے حالات کو خود ثبات و قیام نہیں اور اس حالت میں کوئی رائے جم نہیں سکتی ؛ تاھم اس میں بھی شک نہیں کہ اب میری طبیعت مطلقاً نوکری سے گریز سی کرتی ھے ۔ مجھ کو یہاں صدر تعلقہ داری کی خدمت سپرد ھے جو انگریزی عمل داری کی کمشنری سے بہت ملتی ھوئی ھے ۔ تنخواہ وھاں بہت اور اختیارات یہاں ۔ مجھ کو تنخواہ بارہ سو

ملتے ہیں اور بہ تعلقِ بند و بست مدامی بھتّا دو سو چالیس۔ یہاں کا روپیہ تین آنے کے قریب انگریزی روپے سے چھوٹا ہے اور چیزوں کا نرخ بھی اکثر گراں۔ اس ملک میں کبھی پارسی مقتدر رہے ہیں، کبھی مدراسی اور ان دنوں ہندیوں کا دور دورہ ہے مگر اس ملک کے لوگ صرف حسد کی وجہ سے ہم لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

انتظام کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ذاتِ نظام کو اس ملک میں 'حضور' یا 'بندگانِ عالی' سے تعبیر کرتے ہیں اور لفظ 'حضور' جو وہاں تعظیماً بولا جاتا ہے، اس کا مرادف یہاں لفظ 'تقصیر' ہے۔ حضور کا سن شریف پندرہ برس کا ہے اور اُس وقت تک کہ حضور زمام سلطنت اپنے دست مبارک میں لیں، نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر اور نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر ریجنٹ[۱] ہیں۔ ان دونوں میں جو باہمی اختلاف ہے وہ آپ اخبار میں پڑھتے ہوں گے۔ انتظامِ سلطنت نواب مختار الملک کرتے ہیں، بہ استثنائے امور عظیمہ جن میں مشاورتِ امیر کبیر ضرور ہے۔ ملک بہت وسیع ہے مگر اُس کا ایک بڑا حصہ جاگیر۔ خود حضور نے جس قدر ملک اپنے واسطے الگ کر لیا ہے، وہ ''صرفِ خاص'' کہلاتا ہے۔ جاگیرداروں میں سب سے بڑے جاگیردار امیر کبیر ہیں جن کے خاندان میں حضور کی صاحب زادیاں بیاہی جاتی ہیں۔ ان کی جاگیر کو لوگ ساٹھ لاکھ روپے سال کی بیان کرتے ہیں۔ ان سے اُتر کر اکثر مسلمان اور بعض ہندو اور بہت جاگیردار ہیں۔ ''صرفِ خاص'' اور جاگیرات نکل کر جو ملک بچا وہ ''دیوانی'' کہلاتا ہے، یعنی متعلق بہ دیوان (وزیر)''۔ فقط

۱۔ ولی۔

۸۰

اگر - - - - نے مجھ کو کیمیا گر یا عاملِ دستِ غیب فرض کر لیا ہے تو میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں ، لیکن اگر فی الواقع میں ایسا ہوتا تو چار مہینے کے عوض چار برس کی مہلت دیتا بلکہ شاید مدت العمر[1] مطالبہ نہ کرتا مگر میرا حال واقعی یہ ہے کہ نوٹ بنک میں رکھ کر قرض سے کاروائی کرتا ہوں - اس حقیقتِ نفس الامری کو جاننے کے بعد آن کو اختیار ہے چار مہینے میں دیں ، چار برس میں دیں ، نہ دیں ، یا خدا توفیق دے تو ڈیوڑھ[2] پر دیں - فقط

۸۱

طالب یعنی امیدوارِ خدمت کو چاہیے کہ بہ منزلہ کنکوے کے ہو جس میں پرواز کا مادہ مہیا ہے اور ایک دریائی[3] کا محتاج ہے ؛ اسی طرح امیدوار میں مادۂ لیاقت کا ہونا ضرور ہے کہ سفارش کی ایک دریائی ملی اور اونچا ہوا - - - - صرف دریائی نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دم[4] چھلے کی طرح میں آن کے ساتھ ساتھ لٹکا رہوں -

ہم اراکین ثلثۂ مجلسِ مال گزاری نے کام کو آپس میں بانٹ رکھا ہے - نصبِ خدمات مولوی دلیل الدین صاحب کی طرف ہے ،

۱- عمر بھر -

۲- وقت معہودہ -

۳- کنکوے کو جو آچک دی جاتی ہے اس کو اصطلاح میں 'دریائی' کہتے ہیں -

۴- کنکوے کی دم میں جو لمبی دھجی اس کا مرکز ثقل ٹھیک رکھنے کو باندھ دیتے ہیں ، اس کو 'دم چھلا' کہتے ہیں -

اس لیے کہ تازہ وارد ، نا شناسا اور اجنبی ھیں ۔ میں نے اور اکرام اللہ خاں صاحب نے اس بوجھ کے اٹھانے سے پہلوتہی کی ۔ اتقوا من مواضع التّہم[1] ۔ تاہم دلالت علی الخیر[2] کے طور پر ۔ ۔ ۔ ۔ کی سفارش میں مولوی دلیل الدین صاحب کے نام رقعہ لکھ دیا ہے جس کی عبارت قریب قریب اس کے ہے :

یہ صاحب جو اس رقعے کے ذریعے سے حاضر خدمت ہوتے ھیں ، مولوی ھیں ؛ مجھ سے بہتر آپ سے کم تر ۔ حافظ ھیں ؛ آپ سے بہتر میرے برابر ۔ حاجی ھیں ؛ مجھ سے اور آپ سے دونوں سے بہتر ۔ مدت سے امیدوار خدمت تحصیل داری ھیں ؛ مجھ سے اور آپ سے دونوں سے کم تر ۔

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال! افسوس ہے تجھ پر ، کمال افسوس ہے

۸۲

مبداء فیاض نے جو قوتیں انسان کو عطا کی ھیں ، علم اُن کو چست و چالاک اور نمایاں اور بہ کارآمد کر دیتا ہے جیسے لوھا کہ جو ھر اُس کی ذات میں مضمر ہے ، صیقل کرنے سے اصلی جوھر اُبھر آتے ھیں ، نہ یہ کہ جوھر اُس میں پیدا کیے جاتے ھیں ۔ علم کے معنی ھیں جاننا اور چونکہ جاننا متعلق ھو سکتا ہے تمام موجودات اور تمام واقعات ماضیہ و حالیہ و مستقبلۂ عالم سے ، پس تم خیال کر سکتے ھو کہ دائرہ علم کتنا وسیع ہے ۔ علم کی فرد اکمل علم الٰہی ہے ۔

۱۔ بچو تہمتوں کی جگہوں سے ۔
۲۔ بھلی صلاح دے کر کسی کے ساتھ سلوک کرا دینا ۔

لا يغرب عنه مثقال ذرّة فى السّموات ولا فى الارض ولا اصغر من ذالک ولا اكبر الاّ فى كتاب مبين وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الاّ هو ويعلم ما فى البرّ والبحر، وما تسقط من ورقة الاّ يعلمها ولا حبّة فى ظلمات الارض ولا رطب ولا يابس الاّ فى كتاب مبين - يعلم خائنة الاعين وما تخفى الصدور - ان الله عنده علم الساعة و يعلم ما فى الارحام وما تدرى نفس ماذا تكسب غداً وما تدرى نفس باىّ ارض تموت - ان الله عليم خبير[1] -

تم نے وہ حکایت تو سنی ہوگی کہ حضرت موسیٰ علی نبیّنا و علیہ الصلوۃ و السلام[2] کو حکم ہوا تھا کہ خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرو - استاد اور شاگرد دونوں کشتی میں سوار چلے جاتے تھے ، ایک چھوٹا سا پرند نظر پڑا

۱- اُس سے ذرہ بھر پوشیدہ نہیں ہے ، کیا آسمان اور کیا زمین میں ، اور کیا اُس سے چھوٹا اور کیا بڑا ، سب کھلی ہوئی کتاب میں ہے ، اور اُس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو وہی جانتا ہے - اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتا گرے ، اُس کو جانتا ہے ، اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی تر و خشک لیکن کھلی ہوئی کتاب میں ہے - جانتا ہے آنکھوں کی چوریوں کو اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے - حق یہ ہے کہ خدا کے پاس اُس گھڑی (قیامت) کا علم ہے اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے ، اور کوئی جی (شخص) نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی جی (شخص) نہیں جانتا کہ کس سر زمین میں مرے گا - حق یہ ہے کہ خدا علم والا اور خبر والا ہے -

۲- ہمارے نبی اور اُن پر رحمت اور سلامتی -

کہ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا پانی پی رہا ہے ۔ آس کو دیکھ کر خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ ''اے موسیٰؑ! علم الاوّلین[1] و الاٰخرین کو علم الٰہی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو اس جانور کے ایک آشام[2] کو اس دریا کے تمام پانی کے ساتھ''۔

پس جو کچھ دنیا کی کتابوں میں مدوّن[3] ہے ، اگر تمام تر انسان کو مستحضر[4] ہو (اور محال ہے کہ ایسا انسان کبھی ہوا ہو یا آیندہ ہو) تاہم آس کا علم جامع اتنا ہی ہو گا کہ گویا سمندر سے ایک رشحہ[5] یا آس سے بھی کم ۔ بڑی غلطی ہے کہ دس یا بیس یا پچاس یا سو کتابوں پر نظر کر لینے سے آدمی اپنے کو عالم سمجھنے لگے ، مثل آس چوہے کے جو ہلدی کی ایک گرہ پا جانے سے اپنے تئیں پنساری خیال کرنے لگا تھا ۔

پڑھنے سے میرے نزدیک بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ تفتیش و تلاش اور ہر چیز کی کنہ[6] اور ہر بات کے اطراف و جوانب اور ماله[7] و ما علیه[8] اور ہر واقعے کے سبب اور ہر سبب کے نتائج کے دریافت کرنے کے شوق کو مشتعل کیا جائے ۔

۱- اگلے پچھلوں کے علم ۔
۲- ایک گھونٹ ۔
۳- جمع ۔
۴- یاد ۔
۵- چھینٹ ۔
۶- حقیقت ۔
۷- جو آس کی موافقت میں ہے ۔
۸- جو آس کے خلاف ہے ۔

۸۳

انسان کو جتنی قوتیں دی گئی ہیں ، جسانی اور دماغی ، سب کا خاصّہ ہے کہ جتنا جس قوت سے کام لوگے اُسی قدر وہ قوت چست اور بہ کار آمد ہوتی جائے گی ؛ مثلاً تم میری طرح شارٹ سائیٹڈ (نزدیک بیں) ہو اور میری طرح دوربین عینک بھی استعال کرتے ہو یعنی ہم دونوں عینک لگانے سے نقصان نظر کی تلافی کرتے ہیں ، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں پتنگ لڑایا کروں یا شکار کے تعاقب میں سرگرداں پڑا پھروں ، یعنی آنکھ کے لیے دور بینی کے مواقع مہیا کرتا رہوں تو ضرور میری نظر خود بہ خود دور تک پھیلنے لگے گی ۔

یہی حال ہے حافظے کا ؛ اگر کسی کو ضعف حافظہ کی شکایت ہے تو جو بیار ہے ، وہی اپنے مرض کا طبیب ہے ۔ اُس کو چاہیے کہ اچٹتی ہوئی نگاہ سے چیزوں کو نہ دیکھا کرے ، سرسری طور پر باتوں کو نہ سنے ؛ طبیعت پر زور ڈالے ، جن چیزوں کو یاد رکھنا چاہتا ہے ، گاہ بہ گاہ اُن کا دھیان کرتا رہے ۔ جو چیزیں اُس کے ذہن میں حاضر ہیں اور جن چیزوں کو حاضر فی الذہن کرنے کی کوشش کرتا ہے ، دونوں میں ادّعائی تعلق پیدا کرے جیسا کہ منٹل فلاسفی[۱] کی کتابوں میں لکھا ہے ۔

۸۴

جس شخص کے اصول زندگی یہ رہے ہوں کہ اپنی آمد سے خرچ کو بڑھنے نہ دے ، یعنی ہمیشہ تھوڑا بہت پس انداز کرتا رہے اور روپے کو پتھر بنا کر رکھ چھوڑنے کو جنوں سمجھے ۔ ع

برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر

۱- فلسفۂ عقلی ۔

اور اعوان[1] و انصار کو ترستا ہو، ایسا آدمی اپنے اندوختے کو پرامیسری[2] نوٹوں کے پیرائے میں نہ رکھے تو کیا کرے۔

صرف نوکری کے ذریعے سے آدمی مال دار نہیں ہوسکتا اور ---- کو جو تم دیکھتے ہو، ظاہر میں ایک نوکر ہی ہے مگر در پردہ لوٹ اور خیانت اور رشوت و امثالہا[3] چند در چند ابواب اس میں شامل ۔ ہاں نوکری کے ذریعے سے جو لوگ مال دار ہوئے اس تدبیر سے ہوئے کہ ایک کو خدا نے برکت دی اور دوسرے عزیز اس کی کمائی کو زمین داری یا تجارت سے ترقی دیتے رہے ، رفتہ رفتہ سرمایۂ معتدبہ[4] فراہم ہو گیا۔

ہمارے عزیز قریب دو طرح کے ہیں، الا ما شاء اللہ - یا تو مطلقاً عقل معاش سے بے نصیب جیسے---- یا جن کو عقل ہے تو عقل فساد جیسے ----پہلی قسم کے لوگ وجود بے سود اور دوسری قسم کے غیروں سے بدتر - اگر ---- میرے سرمائے کو محفوظ رکھیں اور اس سے کسی طرح متمتّع ہو کر اپنی حیثیت درست کر لیں تو اس میں دریغ کرنا پرلے درجے کی خسّت ہے مگر ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ میرے خون سے اپنی پیاس کو بجھانا چاہتے ہیں - دوں تو اپنی گرہ سے یعنی اپنا راس المال سب میں تقسیم کر دوں - پس میرا عمل درآمد اس آیت پر ہے - "ولا تو توا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما و رزقوھم فیہا واکسوھم و قولوا لھم قولا معروفاً[5] "۔

۱- مددگار ۔ ۲- Promissory ۔

۳- و ازیں قبل ۔ ۴- اعتبار کے قابل ۔

۵- اور اپنا مال جس کو خدا نے تمھارا سہارا ٹھہرایا ہے ، بے وقوفوں کو مت دو اور اس میں سے ان کو کھلاؤ ، پہناؤ ، اڑھاؤ اور ان سے اچھی بات کہو ۔

مجھ سے سوائے نوکری کے دوسرا کام ہو نہیں سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ برسوں سے پابندیٔ خدمت بھی طبیعت پر شاق ہے ۔ سید احمد خاں صاحب نے پرامیسری نوٹوں کے جواز کے دلائل جو جمع کیے ہیں اور رٖبوا[1] کی حقیقت جو کچھ انھوں نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور جو مولوی شاہ عبدالعزیز اور مجتہد اثنا عشرین[2] کے فتاوے مجھ کو سب معلوم ہیں مگر با ایں ہمہ اگر مجھ کو اندوختے کے لیے کوئی دوسرا محفوظ و مطمئن پیرایہ ملے تو میں آج پرامیسری نوٹوں کو الگ کروں ۔

تجارت کا حال یہ ہے کہ بجائے خود بڑا مبسوط علم ہے ۔ تجارت علیٰ بصیرت[3] کام ہے اس شخص کا جس کو تمام روئے زمین کا جغرافیہ اس تفصیل کے ساتھ معلوم و مستحفظ ہو جیسا ہم کو اپنے رہنے کے گھر کا ۔ وہ برّو بحر کے چپے چپے کے حالات سے واقف ہو ۔ مردم شماری ، آب و ہوا ، موسم ، اوسطِ ولادت و وفات ، اوسط بارش ، پیداوار ، صناعت ، لوگوں کے مراسم و عادات اور ان کی ضروریات و حاجات ، ملکوں کے انتظامات و واقعات ، ان کے باہمی تعلقات و امثالہا ، اور یہ معلومات اپ ٹوڈیٹ[4] ہونی چاہیے ۔ پھر ضرور ہے کہ ہمہ وقت تمام دنیا کے اخبار پر اس کی نظر محیط ہو ۔ تاریخ ، ہندسہ ، ریاضی ، پولٹیکل اکانمی[5] ۔

۱- بیاج ، سود ۔

۲- اثنا عشر کے معنی ہیں بارہ ۔ شیعے اثنا عشری کہلاتے ہیں کیوں کہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں ۔

۳- واقفیت کی تجارت ۔ ۴- تاریخ امروزہ تک ۔

۵- وہ فن جس میں اصولِ کفایت شعاری سے بہ لحاظ انتظام ملک کی بحث کی جاتی ہے اور اس کو فن اقتصاد سیاسی کہتے ہیں ۔

سیاست مدن سب کو تجارت میں مدخل عظیم ہے ، اور سب سے بڑھ کر طبیعت کی مناسبت کہ ہر کام ، ہر مشغلے ، ہر پیشے کے لیے شرط ضروری ہے ۔ آدمی اتنا ہو لے تو تجارت کا نام لے ۔ ہمارے ملک میں جتنی تجارت ہے سب داخل قمار ہے ، رجماً بالغیب ، اندھے کی لاٹھی ، لگی تو تیر نہیں تکا ۔

رہ گئی زمین داری ، مجھ کو تحصیل داری اور بندوبست کی ڈپٹی کلکٹری کے ذریعے سے ان مصیبت مندوں کے تفصیلی حالات معلوم ہیں ۔ رعایائے انگریزی میں سب سے زیادہ بدنصیب ، سب سے زیادہ تباہ ، سب سے زیادہ مظلوم گروہ زمین داراں ہے ۔ ان کے ہم محاصل بلکہ ان سے اضعافاً مضاعفہ زیادہ محاصل کے تاجر اور پیشہ ور ہیں کہ ان کے حال سے کوئی متعرّض نہیں اور زمین دار ہیں کہ ہر روز مال اور پولیس اور فوج داری کی کچہریوں میں کھنچے کھنچے پھرتے ہیں ؛ صرف اس وجہ سے کہ جرم زمین داری کے مرتکب ہیں ۔ پیچ کیا آن کر پڑا ہے کہ سرکار اور زمین دار میں مشارکت محاصل اراضی کی وجہ سے کش مکش ہے ؛ پس زمین دار کے مقابلے میں سرکار خود مدعی اور خود جج ہے ۔ پھر بندوبست کے میعادی ہونے نے زمین داروں کو بالکل بے دل اور پست حوصلہ کر رکھا ہے ۔ ضوابط تحصیل زر مال گزاری سخت اور جابرانہ ہیں ۔ علی رغم [1] انف زمین داراں ، گروہ کاشت کاراں بہت زور پکڑ گیا ہے ۔ سرکار اپنا مطالبہ فی اغلب [2] الاحوال بل فی جُلّ الاوقات بلا لحاظ کمی پیداوار و سقامت فصل و نا مساعدت موسم فی الوقت [3] وصول کر لیتی ہے اور جو

۱- برخلاف ۔
۲- اکثر احوال میں بلکہ کل اوقات میں ۔
۳- عین وقت پر ۔

روپیہ زمین دار کو کاشت کار سے ملتا ہے اس کے لیے زمین دار مجبور کیا گیا ہے کہ کاشت کار پر نالش کرے ۔ نالش کا انجام اکثر یہ ہوتا ہے کہ مہینوں کی دوا دوش کے بعد اگر زمین دار کو ظفر ہوئی (و دونہ خرط القتاد[1]) تو تمام مطالبہ مصارف ناجائز میں گاؤ خورد ۔

خلاصہ یہ کہ سیونگ[2] میں نے کیا ہے اور کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا ۔ روپے کو معطل ڈال رکھنا میرا قاعدہ نہیں ۔ اعوان و انصار میرے پاس نہ تھے ، نہ ہیں اور نہ ہونے کی امید ۔ تجارت لا علمی بصیرت کو عقل جائز نہیں رکھتی اور عالی بصیرت کی مجھ کو قابلیت نہیں ، زمین داری کی زحمت اور بے حرمتی مجھ سے برداشت ہو نہیں سکتی ۔ ان سب مقدمات کو جمع کرکے تمھی نتیجہ نکالو ۔ فتعین البرامیسری نوت[3] ۔

۸۵

امن و آسائش و آزادی یعنی نتائجِ حسنِ انتظام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو انگریزی عمل داری ایک رحمت الٰہی معلوم ہوتی ہے اور اگر ہندوستان اسی نسبت سے سوشلی اور پولٹیکلی ترقی کرتا رہا تو آج سے سو برس کے اندر اندر اس کو جنت نشان کہنا حکایت نفس الامری ہوگا ، نہ مبالغۂ شاعرانہ ۔ غرض یہی عمل داری ہے (اور اگر گورنمنٹ اپنی سلامتی کا بیمہ بیچنا چاہے تو سب سے پہلا خریدار میں ہوں) تو دلیا کی طرف سے پورا پورا

۱۔ اور اس سے پہلے ایک خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنا ہے یعنی سخت تکلیف اور زحمت ہے ۔
۲۔ پس انداز ۔
۳۔ پس پرامیسری نوٹ کی شکل متعین ہوئی ۔

اطمینان ہے مگر سخت افسوس کی بات ہے کہ گورنمنٹ کی نیو ٹریلٹی[1] نے دنیا کو بنایا اور دین کو بگاڑا ، دنیا کو بسایا اور دین کو اجاڑا ۔ دین کے بننے بگڑنے کا معیار تعلیم یافتہ لوگوں کے معتقدات ہیں ؛ سوان دنوں کے تعلیم یافتہ عموماً الا ماشاء اللہ و قلیل ما هم[2] بے دین ہیں ۔ تعمیلِ احکامِ شریعت میں مداہنت[3] کرنا بے دینی نہیں ہے ۔

ورنہ سزاوار خداوندیش
کس نہ تواند کہ بجا آورد

بلکہ بے دینی سے مراد یہ ہے کہ مطلق دین و مذہب کو لغو اور خیال احمقانہ جانتے ہیں ۔ و ھذا ھوالدھریۃ اعاذنی اللہ و ایّاک منھا[4] ۔

تم کسی ایک مذہب کو متعین کرو جو تمھارے نزدیک سخت بے ہودہ ہو ، میں تمھارے لیے اُس مذہب کا مقلد ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں ۔ من ان اراک دھریا[5] ، کیوں کہ میری رائے یہ ہے کہ دنیا میں جتنے دین و مذہب ہیں ، سب انسان کی اصلاح کی غرض سے جاری ہوئے ہیں اور خصائصِ وقتی و ملکی کے لحاظ سے سب میں نیکی کے اصول کی رعایت کی گئی ہے ۔

۱- سکوت ، عدم مداخلت ۔
۲- بہ استثنا ان کے جن کی نسبت مشیت ایزدی اَور طرح پر ہوئی اور وہ بہت کم ہیں
۳- سستی ۔
۴- اور یہی بے دینی ہے جس سے خدا مجھ کو اور تم کو بچائے ۔
۵- اس سے کہ میں تمھیں بے دین دیکھوں ۔

یہ بڑی خرابی کی بات ہے کہ دنیا میں ادیانِ مختلفہ کی بہت کثرت ہو گئی ہے اور ہر دین والے دوسرے تمام ادیان کی تکفیر کرتے ہیں ۔ ان میں فیصلے کرنا عقلاً نہیں تو عادۃً ضرور محال ہے ۔ اسلم طریقہ تم جیسے نوجوان آدمی کے لیے یہ ہے کہ جس دین میں پیدا ہوا ہے ، آنکھ بند کر کے اس کی پیروی کرتا جائے جب تک اُس کو مدلل رائے قائم کرنے کا موقع ملے ۔

میں نے برسوں کے غور کے بعد اپنے نزدیک اسلام کو ایسا بدیہی سمجھا ہے جیسا دو اور دو چار اور مدت سے میرا ارادہ ہے کہ اپنے خیالات مذہبی کو مقیّد بالکتابت کروں ، مگر اس وقت تم سے مجھ کو اسی قدر کہنا منظور تھا کہ مذہب کی بابت بری یا بھلی کوئی رائے قائم کرنے میں ہرگز جلدی مت کرنا ۔

۸۶

اکونٹنٹ[۱] کے دفتر میں پنشن کا ایک صیغہ خاص ہے ؛ وہاں یہ بات مستنبط کی گئی ہے کہ پنشن خواروں کی عمروں کا اوسط عامّۂ اعمار کے اوسط سے ایک ثلث کے قریب گھٹا ہوا ہے ۔ سوچنے سے معلوم ہوا کہ لوگ زمانۂ اشتغال مین لوازمِ خدمت کو شرطِ زندگی بنا لیتے ہیں ۔ خدمت سے علیحدہ ہوئے پیچھے زندگی وبالِ دوش ہو جاتی ہے اور جلد مر جاتے ہیں ۔ ”فاعتبروا یا اولی الابصار[۲] “ ۔

۸۷

مولوی - - - - اپنی بی‌بی سے بہت مانوس تھے جیسا کہ

۱- محاسبوں کا افسر اعلیٰ ۔
۲- بس عبرت پکڑو او آنکھ والوں !

سچ مچ کے سبھی مولوی ہوا کرتے ہیں ۔ بی بی مریں تو مونوی صاحب دنیا سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ کسی چیز کی نظر میں وقعت باقی نہ رہی ، یہاں تک کہ نوکری کی اور اپنے بچوں کی ۔ مولوی صاحب کو ایک بزرگ سے تھی ارادت ، آن کو اس کیفیت سے آگاہی دی ؛ آن بزرگ نے فرمایا کہ سب خدع نفس ہے ، اس کو تبتیل[1] اور انابة[2] الی اللہ مت سمجھو ۔ مولوی صاحب نے اپنے وجدان[3] کے مقابلے میں اس کو تسلیم نہ کیا ؛ شیخ[4] نے آن کا اصرار دیکھ کر مراقبہ اور کچھ وظیفے بتا دیے ۔ مولوی صاحب چندے کرتے رہے مگر کوئی جدید کیفیت پیدا نہ ہوئی ، آخر ملول ہو کر کنایۃً شکایت کی ۔ (یہاں تک حکایت ہے ، جو بات مجھ کو کہنی تھی یہ ہے کہ) شیخ نے شکایت سن کر فرمایا کہ جس دن سے تم نے ہوش سنبھالا ، طلب دنیا میں منہمک رہے ۔ اس طلب میں تم کو اتنی ہی کامیابی ہوئی کہ ایک نوکری مل گئی جو نہ سلطنت ہے ، نہ وزارت ، نہ کامل حکومت ، نہ کافی امارت ۔ طلب دین میں تم نے اپنی عمر کا کون سا حصہ صرف کیا ، شاید ہزاروں درجے کی ایک کسراعشاری اور ابھی سے مناصب غوث و ابدال کے امیدوار ہو ۔ ''ایں خیال است و محال است و جنوں'' ۔ حکیم سنائی کا کیا اچھا قطعہ ہے :

۱۔ ٹوٹ کر خدا سے لو لگانا ۔
۲۔ خدا کی طرف رجوع کرنا ۔ متوجہ ہونا ۔
۳۔ ذہنی معلومات ۔
۴۔ شیخ سے مراد وہی بزرگ ہیں جن کے ساتھ مولوی صاحب کو ارادت تھی ۔

قرن ها باید که تا یک کودکے از لطف طبع
عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
سال ها باید که تا یک سنگ اصلی ز افتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن
ماه ها باید که تایک مشت پشم از پشت میش
صوفیے را خرقه گردد یا حمارے را رسن
هفته ها باید که تا یک پنبۂ از آب و گل
شاهدے را حُلّه گردد یا شهیدے را کفن
روز ها باید کشیدن انتظار بے شمار
تاکه در جوفِ صدف باران شود دُرِ عدن

۸۸

انگریزی جاننا فی الحقیقت ہم لوگوں کے حق میں ایک مصیبت ہے ۔ میں نے بڑے بھائی کا بنوایا ہوا مکان دیکھا اور انگریزی خیالات کے مطابق نا پسند کیا ۔ مکان خوش قطع ہے، محکم ہے اور تھوڑی سی جگہ میں گنجائش بھی خاصی ہے ۔ ضرورت کی کل چیزیں ہیں یہاں تک کہ دو چور تہخانے بھی ہیں مگر ونٹی‌لیشن[1] کا نام نہیں ۔ ہوا جو کوٹھریوں کے پاٹنے وقت بند کی گئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بےدون پمپ کے کیوں کر بدلی جا سکتی ہے ۔ اس مکان کی زمین اس قدر مرتفع تھی کہ اگر مکان روشن اور ہوادار ہوتا تو بالا خانے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر ہوادار نہ ہونے سے گرمی کی رات اور موسم برسات کے قابل نہیں ، ناچار بالا خانہ بنوانا پڑا ۔

۱- ہوا داری ۔

۸۹

آج ایک تقریب سے تمھاری بچپن کی دو باتیں یاد آ کر دل کو بڑی ہی خوشی ہوئی اور تاکہ تم کو بھی خوشی ہو ، یاد دلاتا ہوں ۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میری عادت تھی کہ ''الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین والحمد للہ رب العٰلمین[۱]۔''

بر نہ می آید زمن احصاے منّت ہائے تو
شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

پڑھا کرتا تھا ۔ ایک دن تم نے پوچھا کہ ''ابا کھانے کے بعد یہ کیا پڑھا کرتے ہو ؟'' میں نے کہا '' خدا نے روزی دی ، اُس کا شکر ادا کرتا ہوں''۔ تم نے کہا ''مجھ کو بھی سکھا دو'' میں نے کہا ''تم عربی فارسی زبانیں نہیں سمجھتے ، اس وجہ سے میں نے تم کو جیسا دستور ہے ، پہلے قرآن شروع نہیں کرایا کہ تم اس کو نہیں سمجھ سکتے اور بے سمجھے بڑ بڑانا لغو اور لاحاصل ہے ، تم اپنی بولی میں اداے شکر کر لیا کرو'' تم کچھ ملول ہوئے تو میں نے تھوڑی دیر تامل کرکے یہ شعر موزوں کر دیا ۔

یہ رزق طیّب بلا مشقت خدا کی قدرت کا دیکھو چلوا
گناہ گاروں کو منّ و سلویٰ کیا عنایت گدھوں کو حلوا

چونکہ لَے اچھی تھی ، تم نے بہت پسند کیا اور چند بار دھرانے سے یاد ہو گیا مگر بجائے ''گدھوں کو حلوا'' کے

۱۔ ستائش اُس خدا کے لیے ہے جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا اور ستائش اُس خدا کے لیے ہے جو پروردگار کل جہان کا ہے ۔

”گدھوں کا حلوا“ تمہاری زبان پر چڑھ گیا ۔ تم دونوں وقت کھانے کے بعد باالتزام یہ شعر پڑھتے اور ہم سب لوگ ھنستے ھنستے لوٹ لوٹ جاتے ۔ مدتوں بعد تم کو غلطی پر تنبّہ ھوا ، ھنسی تو گئی گزری ھوئی ، نری شکر گزاری رہ گئی ۔

اُورئی[1] میں تمہارا زیادہ وقت خدمت گاروں اور چپراسیوں میں بسر ھوتا تھا کیوں کہ یہ لوگ تم کو کھلاتے بہلاتے تھے ۔ ایک دن میں نے تم سے کہا ”میاں بشیر! تم نوکروں میں رہ کر اگر گالیاں بکنی یا قسم کھانی یا جھوٹ بولنا سیکھو گے تو بھئی تمہارا منہ سڑ جائے گا اور میں تم کو اپنے ساتھ نہیں سلاؤں گا“ ۔ بچے معصوم تم کو میرے کہنے کا یقین ھو گیا ۔ ایک دن تمہاری زبان سے بے ساختہ کوئی بے ھودہ بات نکلی اور فوراً تم کو میرا مقولہ یاد آیا تو تم بھاگے ھوئے اپنی والدہ کے پاس گئے کہ ” اماں بی ذری میرا منہ سونگھنا “ ان کو میری نصیحت کا حال معلوم تھا ، سمجھ گئیں اور بولیں ” سونگھ کر کیا کروں گی ، گالیوں کی بساھند چلی آرھی ہے “ ۔ یہ سن کر تم بہت گھبرائے ، آخرکار انھوں نے استغفار پڑھوا کر الائچی کے دانے چبوا دیے ، تب تم کو تسلی ھوئی ، مگر بہت دنوں تک تم اس بدبو کے ڈر سے احتیاط کرتے رہے اور شکر ہے کہ تمہاری زبان گالی سے آشنا نہیں ھوئی ۔

۹۰

میں مدراس میں اسماعیل سیٹھ کی کوٹھی کے بالا خانے پر ٹھیرا تھا ، رفتہ رفتہ سیٹھ کے ساتھ تعارف زیادہ ھوتا گیا ۔

۱۔ ممالک متحدہ کا ایک ضلع ہے جو پہلے ضلع جالون مشہور تھا ۔ کالپی کے پاس ہے ۔

آخر انھوں نے دعوت کا پیام دیا - مجھ کو سدا سے دعوت کی چڑ ہے ، ٹالنے کے پیرائے میں انکار کیا - جب چل چلاؤ قریب آیا تو سیٹھ صاحب نے اس قدر اصرار کیا کہ انکار کرتے نہ بن پڑا - دسترخوان پر سیٹھ اور اُن کے اعزہ و اقارب اور ملازم حتٰی کہ خدمت گار سب بلا امتیاز شریک ہوئے اور انھوں نے میرے خدمت گاروں کو بھی ساتھ بٹھانا چاہا - ان کو فی عمرھم[1] برابر بیٹھنے اور ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا نہ تھا ، بہت بھچے ، بہت رکے اور سیٹھ صاحب ہیں کہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لیے چلے آتے ہیں - تو چار و ناچار مجھ کو کہنا پڑا - '' اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ پیٹ بھر کر کھائیں تو ان کو الگ کھانے دیجیے۔'' ایسا ہی ہوا مگر سیٹھوں نے بڑا ہی تعجب کیا کہ یہ کیسے مسلمان ہیں ، کھانے میں آقا اور نوکر کا تفرقہ کرتے ہیں ؟ اگرچہ میں اس رسم کو اپنے یہاں جاری نہیں کر سکا ، تاہم اس واقعے کو استحسان کے ساتھ اکثر یاد کیا کرتا ہوں -

۹۱

تم کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں لکنت متوارث ہے - ہر نسل میں ایک نہ ایک آدمی ضرور ہکلا ہوتا آیا ہے - پس یہ لکنت جو تم میں ہے ، تمغائے شرافتِ خاندانی ہے - تمھاری لکنت خلقی نہیں ہے ، گورکھ پور میں تم کو اب سے دور مُغلی[2] دکھ ہوا - جب تک ڈاکٹر ---- صاحب پہنچیں پہنچیں ، عورتوں نے اضطرار میں پیاز کے عرق کی جگہ منہ میں پانی ٹپکا

۱- اپنی عمر میں -
۲- ایک قسم کی مرگی -

دیا ۔ اسی وقت سے عصبات[1]، لسان[2]، مسترخی[3] یا متشنج[4] ہو گئے ؛ بیاری سے آٹھے تو ہکلاتے آٹھے ۔ بچوں کی سبھی حرکتیں دل کش ہوتی ہیں ؛ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ تمھارا آن دنوں کا ہکلانا سب کو بھلا معلوم ہوتا تھا مگر میں اس وقت بھی ٹوکتا تھا ۔

لکنت ایک نقصان جسمانی ہے (باڈیلی ڈیفکٹ) اور اگر گویائی اور لسّانی ہنر ہے تو بلا شبہ لکنت عیب ۔ وعظ اور وکالت اور سر رشتہ داری و امثالہا میں جس جگہ زبان سے کام لینا ہے ، تم عاجز ہو ۔ کہتے ہیں کہ لکنت دلیل ذہانت ہے اور ایسا ہو تو عجب نہیں کیوں کہ ذہین اکثر مستعجل ہوتے ہیں ۔ چاہتے ہیں کہ جھٹ سے اپنا مطلب ادا کر لیں اور زبان فاطر[5] آن کے ارادے کی مطاوع[6] نہیں ؛ بس ان کی مثال آس شخص کی سی ہے جو ایک اڑیل ٹٹو پر سوار ہے کہ ڈانٹنے ٹھکرانے سے ٹٹو نکل جانے کا قصد کرتا ہے مگر عادت مانع ہوتی ہے اور دو مخالف محرّکوں میں کبھی پیچھے کو ہٹتا ہے اور کبھی الف ہوتا ہے ۔ تمھاری لکنت خدا کے فضل سے ایسی شدید نہیں ہے کہ آس پر عیّ و حصر[7] کا اطلاق ہوسکے ؛ پھر بھی جتنی ہے عداد عیب[8] میں ہے ۔

۱- پٹھے ۔
۲- زبان ۔
۳- ڈھیلے ۔
۴- اکڑے ہوئے ۔
۵- جس میں فتور یعنی ضعف ہے ۔
۶- موافقت کرنے والی ۔
۷- رک جانا ، بند ہو جانا ۔
۸- شمار ۔

چوں کہ فتور داخل دھن میں ہے ، ذرا اس بات کا دریافت کرنا مشکل سا ہے کہ لکنت استر خانۂ اعصاب سے ہے یا تشنج سے ، کیوں کہ استر خا اور تشنج دو حالتیں ہیں متضاد ، اور دونوں کے علاج بھی لا محالہ متضاد ہوں گے ۔ اگر لکنت ہو استر خا سے اور علاج ہو تشنج کا یا بالعکس تو لکنت کو الٹی ترقی ہوگی ۔ یہ مسئلہ ہے متعلق تشریح سے اور اطبائے یونانی کلھم اجمعون[1] اس کوچے سے نابلد ۔ رہ گئے ڈاکٹر ، سو میرے متعارفین میں کوئی اس مرض کا اکسپرٹ یعنی حاذق نہیں ، میں سمجھتا ہوں کہ ڈینٹسٹ ڈاکٹروں کو اس میں زیادہ ملکہ ہوگا ۔ میں نام بھولتا ہوں ایک فلسفی الکن منہ میں کنکر بھر کر گفتگو کیا کرتا تھا ، یہاں تک کہ اس کی زبان لکنت سے صاف ہو گئی ۔

ھکلے کی نہیں بلکہ ایک توتلے آدمی کی حکایت ہمارے ادب عربی کی کتابوں میں ہے کہ کوئی وزیر الثغ یعنی توتلا تھا ۔ حرف 'ر' کے ادا کرنے سے قاصر ۔ بادشاہ کو منظور ہوا کہ فی اعین الناس[2] اس کو سبک کرے ۔ ایک مجمع میں وزیر کو حکم تحریری حوالے کیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دو ۔ اس میں مرقوم تھا امر الامیر ان یحفر البئر فی الطریق لیروی منہ الوارد والصادر[3] "۔ وزیر دیکھتے ہی سمجھا ۔ اس کو زبان عربی پر اس طرح کی قدرت تھی کہ اس نے بے فکر و رؤیت[4] بہ تبدیل الفاظ فوراً پڑھ دیا ۔ " حکم الحاکم ان یقلب

۱- سب کے سب ۔
۲- لوگوں کے سامنے ۔
۳- حاکم کا حکم ہے کہ راستے میں کنواں کھودا جائے تاکہ اس سے آنے جانے والے سیراب ہوں ۔
۴- غور ۔

القليب فى السبيل ليستقى منه النازل والقافل۔ او ماشابه ذالک[۱]‘‘۔

اسی طرح ہکلاپن بھی اکثر خاص خاص حروف میں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ان حروف سے احتراز کیا جائے مگر اس کے لیے ضرور ہے کہ آدمی مرادفات الفاظ سے بہ خوبی آگاہ ہو ۔ جو لوگ تمھاری طرح کم ہکلاتے ہیں ، غُصّے کی حالت میں زیادہ ہکلانے لگتے ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عنان[۲] تمالک ڈھیلی پڑ جاتی ہے ؛ پس اس ہکلا پن کا علاج ہے کظم غیظ[۳] ’’وان کان لکبیرا الا علی الذین ھدی اللہ[۴]‘‘۔

۹۴

تا کہ انگریزی کی سر تا سر مفید تعلیم کے مقابلے میں عربی فارسی کی پرانی ، گلی سڑی ، بسی تعلیم کا بے کار محض ہونا میری طرح تمھارے ذہن میں بہ خوبی بیٹھ جائے ، کالج کے کتاب خانے کو جا کر دیکھو ۔ عربی فارسی کی الماریوں میں پاؤ گے کتابیں متقدمین کی ۔ کتاب زمانۂ تصنیف و تالیف کے اعتبار سے جس قدر پرانی ، اسی قدر ہم لوگوں میں معتبر اور مستند ؛ بر خلاف انگریزی کے کہ سو برس کی کتاب مثل تقویم پارینہ سلسلۂ درس سے خارج ۔ شتان بینھما[۵] ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کسی علم میں ہم نے ترقی نہیں کی ۔ کی ہوتی تو عظام رمیم[۶] کو کیوں پڑے چچوڑتے ۔ فقط

۱۔ یا جو اس سے مشابہ ہو یعنی ازہی قبیل ۔

۲۔ ضبط کی باگ ۔ ۳۔ غصے کا ضبط ۔

۴۔ اگرچہ سوا ان کے جن کی خدا نے ہدایت کی ہے ، اوروں پر دشوار ہو ۔

۵۔ دیکھو تو دونوں میں کتنا فرق ہے ۔

۶۔ بوسیدہ ہڈیاں ۔

۹۳

انگریزی خوانوں میں بڑا ، بہت بڑا ، بہت ھی بڑا نقصان یہ دیکھنے میں آیا کہ ان لوگوں میں مطالعے کا دستور نہیں اور چوں کہ طبیعت پر غور و خوض کا بوجھ نہیں ڈالتے ، میں نے جہاں تک دیکھا ، استنباطِ مطلب میں اکثر خطا کرتے ھیں ۔ آج کل کے بی ۔ اے ، ایم ۔ اے ، بات صاف تو یہ ھے کہ ھم لوگوں کی نظروں میں مطلق نہیں جچتے ۔ محامل[1] الفاظ اور تعلقات[2] سابق و لاحق اور عبارت کے اطراف و جوانب اور مضمون کے مالہ و ما علیہ پر کبھی ان کی نظر کو احاطہ کرتے نہ دیکھا ۔ پس ان کی مثال اس غوطہ زن کی سی ھے جس میں قعرِ دریا تک پہنچنے کا دم نہیں ، ڈبکیاں لگاتا اور دُرِ مطلب کو نہیں پاتا ۔

مطالعے کی برکت تم کو اس سے ظاہر ہو جائے گی کہ مجھ کو ویڈ صاحب[3] نے تعزیرات ہند کے ترجمے میں شریک کیا تو میری

۱- لفظوں کے استعمال کے مواقع ۔

۲- اگلی پچھلی عبارت کے ساتھ جو لگاؤ ھے ۔

۳- مولوی بشیر الدین احمد کو یوں کہتے سنا اور وہ کہتے تھے تو انھوں نے اپنے والد سے سنا ھوگا کیوں کہ یہ واقعہ مولوی بشیرالدین کی ولادت سے پہلے کا ھے کہ سر جارج ایڈمنسٹن لفٹیننٹ گورنر ممالک شمالی و مغربی نے ''پینل کوڈ'' کے ترجمے کو امر مہتم بالشان سمجھ کر اپنے اہتمام خاص میں رکھا اور چونکہ صاحب ممدوح کو مدتوں طہران میں بہ تقریب سفارت رھنے کا اتفاق ھوا تھا، ان کو زبان فارسی میں ایسی اچھی استعداد تھی کہ فارسی میں بے تکان بلا فکِ اضافت گفتگو کرتے تھے اور غالباً یہی وجہ واقع ھوئی کہ اُنھوں نے اس ترجمے کو اپنی ذات خاص سے متعلق رکھا کیوں کہ اُس وقت کوئی یورپین اُن سے بہتر فارسی داں نہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

*انگریزی کی استعداد اس قدر ناقص تھی کہ میں ''پینل کوڈ'' کی ایک سطر بھی بے مدد ڈکشنری نہیں سمجھ سکتا تھا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تھا - سر جارج ایڈمنسٹن نے ھنری سٹوارٹ ریڈ صاحب ڈائرکٹر تعلیم کو اس کار سترگ میں اپنے ساتھ لیا اور ریڈ صاحب نے منشی محمد عظمت اللہ صاحب کو جو آن دنوں بریلی کالج میں انگریزی کے مدرس تھے - تو قاعدہ یہ تھا کہ منشی عظمت اللہ صاحب ترجمہ کرتے اور ریڈ صاحب کے میر منشی مولوی کریم بخش صاحب اس کو بہ نظر اصلاح دیکھتے کیوں کہ انگریزی منشی عظمت اللہ کی اچھی تھی اور عربی فارسی مولوی کریم بخش صاحب کی - اس کے بعد خود ریڈ صاحب ترجمے کو بہت احتیاط کے ساتھ سنتے اور اس میں تصرفات کرتے - آخر میں ترجمہ لاوڈ صاحب کو سنایا جاتا اور یوں منشی محمد عظمت اللہ صاحب ، مولوی محمد کریم بخش صاحب ، ھنری سٹوارٹ ریڈ صاحب ، مسٹر جارج ایڈمنسٹن صاحب چار شخصوں کی رائے سے ترجمہ قرار پاتا - دورہ کرتے کرتے سرجارج ایڈمنسٹن الہ آباد آئے جہاں مولوی نذیراحمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر تھے - سر جارج ایڈمنسٹن تو منشی عظمت اللہ اور مولوی کریم بخش کو لے کر بنارس چلے گئے ، ریڈ صاحب کسی ضرورت سے الہ آباد ٹھیرے رہے مگر ترجمے کے چند اجزا ریڈ صاحب کے ساتھ تھے - ریڈ صاحب نے مولوی نذیر احمد صاحب سے کہا کہ یہ ترجمہ تھوڑا تھوڑا ہر روز مجھ کو سنا جایا کرو - البتہ سنانے میں مولوی نذیر احمد صاحب بھی کچھ دخل دیتے ہوں گے - یوں پہلے پہل ریڈ صاحب کو مولوی نذیر احمد صاحب کی انگریزی دانی معلوم ہوئی - مولوی بشیر الدین احمد کہتے تھے کہ والد صاحب ہر روز دس بجے سے پہلے جاتے اور چار بجے کے بعد واپس آتے اور تمام وقت کچھری میں بہ مشکل چھ سات دفعات کا تصفیہ ہوتا - مولوی نذیر احمد صاحب نے چار پانچ دن میں ترجمے کا انداز معلوم کرکے چند ورق آگے سے آپ ترجمہ کرنا شروع کیا اور جب ریڈ صاحب یہاں تک پہنچے تو منشی عظمت اللہ کا ترجمہ الگ رکھ کر اپنا ترجمہ سنایا- پہلے ہی دن ۱۷ دفعہ کا تصفیہ ہوا-

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ڈکشنری بھی وبسٹر کی نہیں بلکہ ''رومن سکول ڈکشنری'' - مگر بات کیا تھی کہ طالب العلمی کے مطالعے نے فکر کو ایسا غائر بنا دیا تھا کہ الفاظ کی جامعیّت و مانعیّت پر نظر خوب دوڑتی تھی - ریڈ صاحب اپنے پندار میں اس کو استعدادِ انگریزی کی عمدگی پر محمول کرتے تھے حال آں کہ جو کچھ تھا ، مطالعۂ عربی کا طفیل تھا -

۹۴

- - - - ڈپٹی کلکٹر کی استعدادِ انگریزی کچھ ایسی اچھی نہ تھی مگر انگریزی فیصلے خوب لکھتے تھے ؛ بعض لوگ شبہ کرتے تھے کہ کسی سے لکھوا لاتے ہیں - میں نے اس کی ٹوہ لگائی تو معلوم ہوا کہ نظائر[1] ہائی کورٹ کے چند (غالباً سو سوا سو) فیصلے ہیں کہ اوقاتِ فرصت میں ان کو بالالتزام نقل کیا کرتے ہیں - نقل کرتے کرتے کورٹ لینگوئج[2] دھیان پر چڑھ گئی ہے اور کثرتِ کتابت سے سوادِ خط میں بھی پُختگی کے نشان پیدا ہوگئے ہیں -

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

برخاست کرتے وقت ریڈ صاحب ورق آلٹ کر ضرور دیکھا کرتے تھے کہ آج کس قدر ہوا - اس روز ایک دم سے ۱۷ دفعہ دیکھ کر ان کو بہت حیرت ہوئی - آخر مولوی نذیر احمد نے عرض کیا کہ یہ ترجمہ میرا کیا ہوا ہے - ریڈ صاحب نے اسی وقت لارڈ صاحب کے نام کی چٹھی دے کر مولوی نذیر احمد صاحب کو بھی بنارس روانہ کیا اور آپ بھی دوسرے تیسرے دن کیمپ میں جا ملے ؛ پھر تو مولوی نذیر احمد صاحب ترجمے میں ایسے پیش پیش ہونے کہ انھوں ہی نے لکھنؤ میں رہ کر پہلا اڈیشن بہ حکم گورنمنٹ منشی نول کشور کے یہاں چھپوایا -

۱- ہائی کورٹ کے فیصلے نظائر کہلاتے ہیں ، اس لیے کہ دوسرے حکام ماتحت ان کو نظیر یعنی مثال اور مقیس علیہ گردانتے ہیں -

۲- زبانِ عدالت -

۹۵

ایک دوست نے مجھ کو انگریزی میں ترق کرنے کی یہ تدبیر بتائی تھی کہ اخبار سے چھوٹے چھوٹے مضامین مثلاً آٹھ آٹھ دس دس سطر کے پڑھ لیے اور پھر انھی مضامین کو آپ انگریزی میں لکھ کر اخبار سے مقابلہ کیا اور جہاں اختلاف ہوا، اُس کو غور سے دیکھ بھال لیا اور بہ تدریج مشق کو بڑھاتے گئے۔ مجھ کو اس تدبیر کے تجربہ کرنے کی تو فرصت نہیں ملی مگر عقل چاہتی ہے کہ بے شک مفید ہوگی، تم سے ہو سکے تو کر کے دیکھو۔

۹۶

جو لوگ گفت و شنود سے نہیں بلکہ کتاب بینی کے ذریعے سے انگریزی میں استعداد حاصل کرنا چاہتے ہیں (یاد رکھو کہ اخبار کا پڑھنا بھی داخل کتاب بینی ہے)، اکثر اُن سے ایک بڑی غلطی ہوتی ہے؛ وہ یہ کہ طرز عبارت سے قطع نظر کرکے محو مضامین ہو جاتے ہیں اور اُن کی محنت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مثلاً کئی گھنٹوں میں انھوں نے ایک اخبار پورا کیا؛ فارغ ہوئے تو اُن کو واقعات مستحفظ[۱] ہیں اور پیرایۂ عبارت کسی ایک مضمون کا بھی یاد نہیں۔ ان کی مثال ڈفالیوں کی سی ہے کہ ساری عمر گاتے بجاتے رہے اور تال اور سُر نہ جانا۔

۹۷

میں جب کسی میاں بیوی کو آپس میں لڑتے سنتا ہوں، گو وہ میرے ھی بیٹی دامادکیوں نہ ہوں، تو بدون اس کے کہ دونوں کا دکھڑا سنوں، میں عورت ھی کو ملزم ٹھیراتا ہوں،

۱- یاد۔

کیوں کہ ہماری سوسائٹی میں مرد کے مقابلے میں عورت اس قدر مجبور ہے کہ گویا اس کی کچھ ہستی ہی نہیں ؛ پس جب بد نصیب عورت کو شوہر کی طرف سے کوئی امر خلاف مزاج پیش آئے، چار و ناچار اس کو صبر کرنا چاہیے ۔ ورنہ " فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ھل یذھبنّ کیدہ ما یغیظ[1] "۔

(عبارت کو بہ تبدیل صیَغ و ضمیر عورت سے متعلق کر لو)۔

۹۸

حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا تھا کہ خضرؑ سے جا کر سیکھو؛ وہ قصہ قرآن مجید کے پندرھویں پارے کے اخیر اور سولھویں کے شروع میں ہے : "[2]فوجدا (موسیٰ و فتاہ) عبداً (خضراً) من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنّا علماً ، قال لہ موسیٰ ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمتَ رشداً ، قال انّک لن تستطیع معی صبراً وکیف تصبر علیٰ مالم تحط بہ خبراً ، قال ستجدنی ان شاء اللہ صابراً ولا اعصی لک امراً ۔ قال

۱۔ آسمان تک ایک رسی تانے اور پھر اس کو کاٹ دے (یعنی لٹک کر مر رہے) اور دیکھے کہ آیا اس سے اس کی ضد پوری ہوئی ۔

۲۔ پس دونوں (موسیٰؑ اور اس کا خادم) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضرؑ) سے ملے جس پر ہم نے اپنی طرف سے فضل کیا تھا اور جس کو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا ۔ اس سے (موسیٰؑ) نے کہا کہ " آیا میں تیرے پیچھے چلوں ؟ اس (شرط) پر کہ خدا نے جو کچھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شئی حتی أحدث لک منه ذکراً۔ فانطلقا حتی اذا رکبا فی السفینة خرّقها، قال اخرقتها لتغرق اھلھا؟ لقد جئت شیئاً اِمراً۔ قال الم اقل انک لن تستطیع معی صبراً۔ قال لاتؤاخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسراً۔ فانطلقا حتّی اذا لقیا غلاماً فقتله، قال اقتلت نفساً زکیةً بغیر نفس لقد جئت شیئاً نکرا۔ قال الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبراً''۔

(بقیه حاشیه صفحه گزشته)

عقل تجھے بتاتی ہے توکچھ مجھے بتا دے''۔کہا ''تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا اور کیوں کر ضبط کرے اس چیز پر جو تیری رسائی معلومات سے باہر ہو''۔ ''کہا ''اگر خدا چاہے تو تو مجھ کو ضبط کرتا پائے گا اور تیرا کوئی حکم نہ ٹالوں گا''۔ کہا '' پھر اگر میرے پیچھے آتا ہے تو کوئی چیز مجھ سے مت پوچھ ، یہاں تک کہ (خود) تیرے آگے اس کا ذکر چھیڑوں''۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ناؤ میں چڑھے تو (خضر[۴] نے) اس میں شگاف کر دیا ۔ (موسیٰ نے) کہا '' کیا شگاف کرنے سے تیرا یہ مطلب ہے کہ کشتی کے لوگوں کو ڈبا دے ؟ یہ تو تو نے عجیب بات کی''۔ کہا '' کیا میں نے نہیں کہا کہ تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا''۔ کہا ''میری بھول چوک پر توگرفت مت کر اور میرے کام میں مجھ پر دشواری مت ڈال''۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے، سو (خضر نے) اس کو مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا '' تو نے ایک نفیس جان لی بغیر اس کے کہ کسی جان کا بدلہ ہو۔ یہ تو تو نے بہت ہی برا کیا''۔ کہا ''کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ ضبط نہ کر سکے گا؟''

الغرض خضرؑ نے موسیٰؑ سے شرط کر لی تھی کہ تم میری کسی بات میں دخل نہ دینا - موسیٰؑ سے صبر نہ ہو سکا اور لگے بات بات پر الجھنے - پہلی دفعہ خضرؑ نے ان کو متنبہ کیا بہ ایں عبارت ''الم اقل انک لن تستطیع معی صبراً '' - پھر دوبارہ اس عبارت میں ''لَکَ'' زیادہ کر کے گویا شکنجۂ ملامت کا ایک پیچ اور کس دیا - اس پر ایک ظریف بے ساختہ بول اٹھے کہ موسیٰؑ تو چلبلے تھے ہی، خضرؑ بھی کچھ کم غصیلے نہ تھے کہ دوسری ہی خطا میں لام کاف پر اتر پڑے -

۹۹

سید احمد خاں صاحب کی شان ایسی ارفع و اعلیٰ ہے کہ ما و شما کو ان کی نسبت کسی رائے کا ظاہر کرنا داخلِ شوخ چشمی ہے - جس طرح کا برتاؤ میں نے سید احمد خاں صاحب کے ساتھ رکھا ہے، تم کو اس سے میری رائے کا مستنبط کر لینا کچھ مشکل نہ تھا - میں نے مدرسۃالعلوم علی گڑھ میں بورڈنگ ہاؤس بنوایا؛ دو کوئے ہیں، دونوں میں چندہ دیا، اپنے سارے خاندان کے نام کی جالیاں احاطۂ مدرسہ میں نصب کرائیں، یعنی مدرسۃ العلوم کو مسلمانوں کے لیے مفید اور اس کی تائید کو داخل مثوبات سمجھا - اس وقت تک سید احمد خاں صاحب کے اخبار یا لکچر یا مواعظ یا تحریرات کا ایک پرچہ کبھی مول نہیں لیا، یعنی مجھ کو ان کے معتقدات باسرھا[1] تسلیم نہیں - سید احمد خاں صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا - میرے نزدیک وہ تفسیر ''دیوانِ حافظ'' کی ان شروح سے زیادہ

۱- سراپا، پورے طور پر -

وقعت نہیں رکھتی ، جن کے مصنفین نے چوتڑوں سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاھا ۔ جو معانی سید احمد خاں صاحب نے منطوقِ آیاتِ قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیے ، (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے) قرآن کے منزّل من اللہ[1] ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل ۔ مجھ کو کیا مکرنا پڑا ، ھاں ھاں میں نے کہا تھا کہ یہ وہ معنی ھیں جن کی طرف نہ خدا کا ذھن منتقل ھوا ، نہ جبریل حاملِ وحی کا ، نہ رسول[ص] خدا کا ، نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا ، نہ اصحاب کا ، نہ تابعین کا ، نہ تبع تابعین کا ، نہ جمہور مسلمین کا ، مگر میں نے تم کو بار بار منع نہیں کیا کہ مذھب کے گورکھ دھندے کو سلجھانے کا ابھی تمھارا وقت نہیں ؟ محکمات[2] کیا کم ھیں کہ آدمی متشابہات کی تاویل میں لا حاصل بھٹکتا پھرے ۔

۱۰۰

دنیا عبارت ہے روپے سے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ افلاس کے

۱- خدا کے ھاں سے اترا ھوا ۔

۲- "محکمات" وہ باتیں جن میں کسی طرح کے شک و شبہ کا دخل نہیں اور "متشابہات" وہ جو تاویل طلب ھیں جیسے "بل یداہ مبسوطتان" خدا کے دولوں ھاتھ فراخ ھیں ، یعنی اس کی داد و دھش ایسی وافر ہے کہ دونوں ھاتھوں سے لٹا رھا ہے ، یا "اینما تولوا فثم وجہ اللہ" - جدھر کو منہ کرو اُدھر کو اللہ کا بھی رخ ہے ، حالآں کہ خدا ھاتھ اور منہ سے منزہ ہے ۔ ایسے مواقع میں ھم کو حکم ہے کہ ظاھر عبارت پر ایمان لاؤ اور تاویل سے سکوت کرو ۔

ساتھ دنیا میں کوئی چیز بھی انسان کو راحت پہنچا سکتی ہے ۔ بے وقعتی مفلسی کا نتیجۂ عاجل[1] ہے ۔ دولت کا کمانا مشکل ہے؛ خصوصاً اس زمانے میں، خصوصاً مسلمانوں کو، اور اس کا حفظ کمانے سے بھی زیادہ مشکل ۔ حاجت کے پیش آنے سے جو تکلیف محسوس ہوتی ہے، اس سے بچنے کی دو ہی تدبیریں ہیں: اول نفس کُشی جس کا مرادف شاید انگریزی میں ''سلف ڈنائل'' ہے ۔ دوسری ما یحتاج الیہ کا بہم پہنچانا ۔ پہلی تدبیر اختیاری ہے، انسان غور کرنے سے بہ‌تدریج اپنے خیالات پر غالب آسکتا ہے، یہاں تک کہ جس طرح جسم کے سُن پڑ جانے سے قوت لامسہ کا احساس باطل ہو جاتا ہے، اسی طرح مجاہدے سے نفس کو احساسِ حاجت باقی نہیں رہتا، اور محتاج الیہ کا مہیا ہوجانا ظاہر ہے کہ ہمیشہ اختیاری نہیں ہو سکتا ۔ دنیا میں ''سلف ڈنائل'' کے بدون زندگی نہیں ہو سکتی، تھوڑا بہت ''سلف ڈنائل'' سبھی کو کرنا پڑتا ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ بعض کو خواہش کے مطابق سامان میسر آسکتا ہے مگر نفس پر قادر ہیں اور بہ طوعِ خاطر ''سلف ڈنائل'' کرتے ہیں، وہ محمود ہے، اور بعض بہ مجبوری: ع

عصمتِ بی‌بی است از بے‌چادری

ہم لوگوں میں تربیتِ اولاد کا ایسا برا دستور ہے کہ ہم خود اپنے بچوں کو سودے سلف کی چاٹ لگا کر چٹور پن سکھاتے ہیں، لاجرم ہمارے لڑکے بڑے ہو کر مسرف[2] ہوتے ہیں ۔ ہمارے شہر کے مسلمانوں میں پنجابی جن کا پیشہ تجارت ہے، اچھا مقدور رکھتے ہیں اور خوش حال ہیں ۔ میں ایک مدت تک غور کرتا

۱- جلد مرتب ہونے والا ۔
۲- فضول خرچ ۔

رہا کہ یہ لوگ مال دار بھی ہیں اور خدا نے اس قوم کو روپے پیسے کے علاوہ حُسن کی دولت بھی دی ہے اور ان لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج بھی بہت کم ہے ؛ کیا سبب ہے کہ ان کے نوجوان لڑکے ہم ہندوستانیوں کے لڑکوں کی طرح آوارہ نہیں ہوتے ؟ آخر یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے لڑکے شروع سے بڑوں کو دیکھتے ہیں کہ دولت کے بڑھانے کے پیچھے پڑے ہیں ، اس سے دولت کی قدر بچپن سے ذہن نشین ہو جاتی ہے ؛ پھر ان کا پیشہ کچھ اس طرح کے ابتلا کا پیشہ ہے کہ مال کی نکاسی اور آگاہی اور تقاضے اور فرمائش اور حساب و کتاب کے فکر سے کسی وقت نجات نہیں ۔ یہ اشتغال اور انہماک ان کے لڑکوں کو نہیں بگڑنے دیتا ۔

۱۰۱

لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ انگریزی تعلیم رفتہ رفتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک کر دے گی لیکن علی‌الرغم التوقع[۱] چند سال سے دیکھتے ہیں کہ دونوں قوموں میں آلٹی ایک طرح کی مخاصمت سی پیدا ہوتی جاتی ہے ۔ اگر یہ مخاصمت صرف طرفین کے عوام میں ہو تو کچھ پروا کی بات نہیں مگر افسوس ہے کہ تعلیم یافتہ اور انلائٹنڈ[۲] لوگوں کے دلوں میں تکدر آ گیا ہے ۔ یہ باہمی نفاق اگر جڑ پکڑ گیا ، ممکن نہیں کہ ملک کو پنپنے دے ۔ اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کیا ہے ، تاریخوں نے جو سرکاری مدارس کے کورس[۳] میں داخل ہیں ۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ

۱۔ بہ خلاف آمید ۔
۲۔ روشن خیال ۔
۳۔ نصاب ۔

بعض مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کے ساتھ ظالمانہ مدارات کی لیکن کس قوم کی شخصی سلطنت میں (اور سلطنت بھی بہ زور شمشیر حاصل کی ہوئی) ایسی مثالیں نہیں ہیں اور اگر بعض مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں پر ظلم کیا ہے تو بعض نے (اور یہ بعض آن بعض ظالموں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں) ہندوؤں کے ساتھ سلوک بھی ایسے ایسے کیے ہیں کہ کسی گورنمنٹ نے غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ نہ کیے ہوں گے ۔ مسلمانوں کی سلطنت میں ظلم متوارث ہوتا تو آج ہندو دوا کو بھی ڈھونڈے نہ ملتے ۔ مجھ سے اور سر رشتۂ تعلیم کے کسی افسر سے اگر کبھی ملاقات کا اتفاق ہوا تو میں ضرور آس سے کہہ کر رہوں گا کہ ایسی تاریخیں بناؤ یا بہ فرمائش بنواؤ اور مدارس میں پھیلاؤ کہ یہ دونوں قومیں پچھلی نا اتفاقیوں کو بھلا کر آیندہ صلح کاری سے زندگی بسر کریں ، مگر میری کون سنے گا اور کیوں سنے گا ؟ خدا کرے گورنمنٹ کو خود ہی سوجھ پڑے ۔

۱۰۲

یہ خیال کرنا بڑی بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بات ہے کہ دوسری قوموں کے رسم و رواج عموماً لغو اور بےہودہ ہیں اور اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ہٹ دھرمی کی بات یہ ہے کہ کسی دوسری قوم کے آدمی سے نفرت کی جائے یا اس کو نظر حقارت سے دیکھا جائے ، صرف اس وجہ سے کہ وہ دوسری قوم کا ہے ۔ ہم کو ہندوؤں کے ساتھ بڑا قوی تعلق ہے جس کی لوگ کیسی عمدہ تشبیہ دیتے ہیں کہ ہمارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ ہمارا ان کا ایک جگہ کا رہنا سہنا ، ملنا جُلنا ، لین دین پشت ہا پشت اور سینکڑوں برس کا ہے ۔ ہم آپس میں لڑیں یا جھگڑیں ، روٹھیں یا بگڑیں ، مگر

کہلائیں گے دونوں ہندوستانی ، انڈین نیٹو[1] ، کالا لوگ ۔ ہم دونوں کے اغراض ایسے مشتبک[2] اور وابستۂ یک دگر ہیں کہ ہم کسی طرح ایک دوسرے سے چھوٹ نہیں سکتے ۔ پس ہم دونوں کا مفاد اسی میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف رکھیں ۔

ہاں تو میں ہندوؤں کے چند رواج بیان کرنا چاہتا ہوں ۔ سب سے پہلے گائے بیل کی بزرگ داشت[3] سے چلو ۔ آن منفعتوں پر نظر کرو جو بنی نوع انسان کو اس جانور سے پہنچتی ہیں تو دنیا کا کوئی جانور اتنا بکار آمد نہیں ۔ سب پر مقدم کاشت کاری ہے کہ آس میں جتنے کام مشقت کے ہیں ، بتمامہا[4] اسی جانور سے لیے جاتے ہیں ۔ سواری ، بار برداری ، دودھ ، گھی ، یہاں تک کہ مرے پیچھے بھی ہڈی ، چمڑا ، سینگ ، کوئی چیز بے مصرف نہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس شخص نے ہندوستان میں اس جانور کی بزرگ داشت کا قاعدہ جاری کیا ، بڑا ہی دانش مند اور عاقبت اندیش ہو گزرا ہے ۔ آس نے ملکی ضرورت پر نظر کی اور یہ بھی سمجھا کہ تا وقتےکہ داخلِ احکامِ مذہبی نہ کی جائے ، پوری پوری بزرگ داشت ممکن نہیں ۔

اسی طرح گنگا جمنا کی تعظیم بھی بے اصل نہیں ۔ میں اپنے نفس پر قیاس کرتا ہوں کہ مجھ کو بجنور کے تعلق سے گنگا کے ساتھ ایک آنسِ خاص ہے ۔ جب کبھی عبور کا اتفاق ہوتا ہے ،

۱- ہندوستانی ۔
۲- دست و بغل ۔
۳- خدمت‌گزاری ، خبرگیری ۔
۴- سب کے سب ۔

پیاس نہ بھی ہو تو بے اختیار آس ہاضم اور شفاف اور سرد پانی کو جی چاہنے لگتا ہے ۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ نماز کا وقت نہیں ہے اور میں ٹھیرا رہا ہوں کہ دریا کے پانی (گنگا جل) سے (اشنان نہیں) وضو کرکے دو رکعت پڑھ لوں تو چلوں ۔ ہندوستان کی کروڑوں بیگھہ زمین گنگا اور جمنا سے سیراب ہوتی ہے ۔ معلوم ہے کہ پانی محاسن قدرت میں سے ہے اور لوگ مصنوعی تالابوں اور نہروں سے جی خوش کر لیتے ہیں ، تو کیا گنگا جمنا ان سے بھی گئی گزری ہوئیں ۔ ملک کی گرمی اور آب و ہوا کے لحاظ سے ہندوؤں میں ہر روز کے غسل (اشنان) کا قاعدہ بھی پسند کرنے کے قابل ہے ۔

یورپ میں ڈاکٹروں کا اگر اجماع نہیں تو غلبۂ رائے اس طرف ضرور ہے کہ انسان کو خدا نے گوشت کھانے کے لیے نہیں بنایا کیوں کہ اس کام کے لیے نہ تو اس کے دانت مناسب ہیں اور گوشت خوار جانوروں کے معدے میں ایک قسم کے تیزاب کی تولید ہوتی رہتی ہے جو گوشت کو خوب ہضم کرتا ہے ۔ انسان کے کے معدے میں اس تیزاب کے پیدا کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ۔ یہ ہے ماخذ وجیٹیرین[1] لوگوں کا جو ہمارے ملک کے ہندوؤں کی طرح گوشت نہیں کھاتے اور یورپ میں یوماً فیوماً زیادہ ہوتے جاتے ہیں ۔ ایک بار اخبار میں نظر سے گزرا کہ امریکا کے ڈاکٹروں نے بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ آدمی کا جھوٹا آدمی کو طبّاً مضر ہے ۔

غرض کسی قوم ، کسی ملک کا کوئی مبتذل سے مبتذل رواج

۱- نباتات خوار ۔

بھی مصلحت سے خالی نہیں ۔ ہاں ممکن ہے کہ لوگ اس میں کچھ مبالغہ کرنے لگے ہوں یا لوگوں کی حالت بدل جانے سے اس میں ترمیم کی ضرورت ہو ۔ ان وقتوں کے انگریزی‌خوانوں کا عام رجحانِ طبع کہ اپنے ملک کی ہر چیز کو حقارت سے دیکھتے ہیں ، انھی کے بے جا تعصب اور نادانی کی دلیل ہے ۔

مدت کی بات ہے گورکھ پور میں کچھ دنوں شہر کی صفائی کا چارج میرے پاس رہا ۔ ولایت سے صفائی کے متعلق ایک کتاب نئی آئی تھی ، صاحب کلکٹر نے مجھ کو دی کہ دیکھو اس میں سے شاید کوئی بات اخذ کرنے کی ہو ۔ میں نے اس کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک کمشن[1] بیٹھی تھی اس بات کی دریافت کے لیے کہ سلبِ عفونت کی آسان تدبیر کیا ہے ۔ اہل کمشن نے فرانس ، قسطنطنیہ ، عرب ، مصر ، ہندوستان ، غرض تمام اطراف و اکناف میں برسوں تحقیقات کی ؛ آخرکار ثابت ہوا کہ مٹی بالخاصہ دافعِ عفونت ہے ۔ وہ کتاب جو صاحب نے مجھ کو دی تھی ، اس کمشن کی رپورٹ تھی ۔ اس کے پڑھنے سے مجھ کو دو خیال پیدا ہوئے ۔ اول تو انگریزوں کی تلاش کہ ایک سڑی سی بات کے لیے اس قدر زحمت ۔ دوسرے جو بات اس قدر تحقیقات کے بعد دریافت ہوئی ، اب سے تیرہ سو برس پہلے ہمارے پیغمبر صاحب کو علیہ[2] من الصلوٰۃ اکملھا و اتمھا'' معلوم تھی اور انھوں نے مٹی کو طاہر[3] طہور فرمایا ۔

۱- انجمن ۔
۲- آن پر کامل تر اور تمام تر رحمت ۔
۳- پاک اور پاک کرنے والی ۔

۱۰۳

متبنّٰی کی فی شرعنا[1] کچھ اصل نہیں ''وما جعل اللہ ادعیاء کم ابناء کم ذالکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل آدعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا آباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم[2]'' ۔

ایک آدمی جو متبنّٰی لیتا ہے اور ایک مرغی جو اپنے انڈے سینے کو نہیں پاتی اور کنکر پتھر لے کر بیٹھتی ہے ، دونوں ایک ھی طرح کا ضعفِ طبیعت ظاہر کرتے ھیں ۔ اس کی ضرورت اکثر دولت مندوں کو پیش آتی ہے جو دولت کے لیے کوئی مصرف نہیں پاتے ، لیکن اس سے کہ ایک شخصِ خاص بلا استحقاق متمتّع ہو (اور جب بے زحمت پائے گا تو بے دریغ اڑائے گا بھی ضرور) تعمیمِ منفعت[3] بہ مدارج بہتر ہے ۔ ''وانحاؤھا کثیرۃ و منھا اعانت طلبۃ العلوم العُمیان والصُّم والبُکم والمرضی و غیرھم[4]'' ۔

۱۔ ہماری شرع میں ۔

۲۔ اور جن کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہو ، (یعنی تمہارے لے پالک) اُن کو خدا نے تمہارا بیٹا نہیں کیا ۔ یہ تو تمہارے منہ کی بنائی بات ہے اور خدا سچی کہتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے ۔ اُن کو اُن کے باپوں کا کہہ کر پکارو ۔ یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین راستی ہے ۔ پس اگر اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور یار و مددگار ھیں

۳۔ نفع کو عام کرنا ۔

۴۔ اور اُس کے طریقے بہت ھیں اور من جملہ اُس کے طالب علموں اور اندھوں اور بہروں اور گونگوں اور بیماروں اور دوسروں کی اعانت ہے ۔

اُس شخص کو جس نے یونانی ، انگریزی کسی قسم کی طب نہ پڑھی ہو اور خدا کے فضل سے بیار بھی کم تر ہوا ہو ، بلکہ بہ حسابے نہ ہوا ہو ، دونوں طریقوں میں محاکمہ کرنا مشکل ہے مگر میں بیار نہیں رہا تو بیار دار رہا ۔ اس سے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ انگریزی دوائیں لطیف ، قلیل‌المقدار ، سریع العمل ، قوی الاثر ، آلات عمدہ ، معلومات متعلقہٗ تشریح کامل ؛ الغرض طبِ انگریزی کی طرف موجباتِ ترجیح بہ کثرت ہیں اور ہونے چاہییں ، مگر ایک بڑا بھاری نقصان بھی ہے کہ تشخیص کی غلطی (اور چوں‌کہ طب علم ظنی ہے ، اُس میں غلطی کا ہونا کچھ بعید نہیں بلکہ کثیرالوقوع ہے) بیار کا جلد کام تمام کر دیتی ہے ۔ مرض کی وجہ سے طبیعت ہوتی ہے ضعیف ، علاج غلط کی مقاومت[1] پر قادر نہیں ہو سکتی اور یہی سبب ہے کہ ڈاکٹروں کے بیاروں کو مہینوں برسوں گھلتے ہوئے نہیں دیکھتے ۔ چٹ پٹ یا ادھر یا اُدھر ۔ ان کے علاج کی مثال ایسی ہے جیسے ریل کہ اگر انجن ڈرائیور[2] انجن کو جو سناٹے کے ساتھ فُل سپیڈ[3] میں چلی جا رہی ہے ، بھولے سے غلط راستے پر لے جائے تو غالب ہے کہ اُس کو غلطی پر ایسے وقت تنبہ ہوگا کہ ٹرین ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو چکی ہوگی یا ٹرین کا بچانا اُس کے اختیار سے خارج ہو گیا ہوگا ۔ اصل بات یہ ہے کہ حقیقت میں مدبر بدن ہے طبیعت ؛ وہی مریض ہے ، وہی طبیب ، وہی دوا اورانگریزی

۱- مقابلہ ۔

۲- انجن کا ھانکنے والا ۔

۳- پوری تیزی ۔

یونانی کسی قسم کی طب کیوں نہ ہو ؛ حتیٰ کہ گنڈے ، تعویذ ، ٹونے ، ٹوٹکے ، جھاڑ ، پھونک سارے ڈھکوسلے ہیں طبیعت کو قوت دینے کے ۔ جس کو جس کا اعتقاد ، وہی اُس کی شفا اور اُسی میں اس کا مفاد ۔ مفرد امراض کے لیے میرے نزدیک انگریزی علاج بہتر ہے مگر امراض مزمنہ[1] میں مَیں یونانی علاج کو پسند کرتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی خیال ہے ۔

۱۰۵

چوں کہ اسلام میں رہبانیت[2] نہیں اور یہ سب سے قوی دلیل اُس کی اصلی صداقت کی ہے تو جو خوشی انسان کانوں کی راہ حاصل کر سکتا ہے ، کلیتاً ممنوع نہیں ہونی چاہیے اور ممنوع ہے بھی نہیں ، مگر موسیقی کو باقسامہا[3] ایسے نا لائق پاجی لوگوں نے اپنا پیشہ ٹھیرا رکھا ہے کہ کوئی شریف ان کی صحبت میں بیٹھ کر (اگرچہ کبھی کبھی اور تھوڑی ہی دیر کے لیے کیوں نہ ہو) باوقار اور وضع دار لوگوں کی نظر میں شریف رہ نہیں سکتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان موسیقی کا مذاق رکھے اور اھل فن سے نہ ملے ۔ پس تقاضاے سوسائٹی یہ ہے کہ اس مذاق کو طبیعت میں پیدا نہ ہونے دیا جائے ۔ مذاق کا پیدا نہ ہونے دینا کچھ بھی مشکل نہیں مگر پیدا ہوئے پیچھے طبیعت کا ضبط کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے ۔

۱- کُہنہ ۔

۲- جیسے ہندوؤں میں جوگ سنیاس ویسی ہی عیسائیوں میں رہبانیت ۔

۳- اس کی تمام قسموں کے ساتھ ۔

۱۰۶

تم مجھ سے انگریزی تعلیم کی بہت مدح سنتے رہے ہو اس لیے کہ تمھیں انگریزی پڑھوانی منظور تھی - اب کہ تم نے اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئین[1] امپرس وکٹوریا کی رعایا میں سے ہر بھلے آدمی کو ضرور ہے ، تو لو اب اس کی برائیاں بھی سنو کیوں کہ ہر چیز میں حُسن و قُبح دونوں کے محامل[2] ہوتے ہیں - ع

نفع ؑمے جملہ به گفتی ضررش نیز بگو

یہ میری اکیلے کی رائے نہیں ہے بلکہ عام لوگوں کی اور خود انگریز بھی اس کے شاکی ہیں کہ ہندوستانی انگریزی پڑھ کر مغرور اور گستاخ اور خود پسند ہو جاتے ہیں - بات یہ ہے کہ جب ایک قوم کو خدا سلطنت دیتا ہے کہ وہ دنیا کی بہشت ہے ، تو اس قوم کی سب چیزوں میں شان حکومت آ جاتی ہے ، اور زبان بھی اس عموم سے مستثنٰی نہیں - انگریزی کی وسعت کا تو یہ حال ہے کہ اگر علم فلاحت ، یا کیمیا یا طب یا تشریح یا نیچرل فلاسفی[3] ، غرض سائنس کی کسی کتاب کو ترجمے کے ارادے سے لے کر بیٹھو تو سطر پیچھے دو چار لفظ ضرور ایسے ہوں گے کہ اردو بے چاری کی تو کیا بساط ہے ''کے آمدی کے پیر شدی'' عربی میں جو ہماری کلاسیکل لینگوئج[4] ہے ، ان کے مترادف نہیں ملتے؛ پس بہ مجبوری یا تو نئے الفاظ گھڑو یا بعینہا انگریزی کے الفاظ رہنے دو اور دونوں

۱- ملکۂ قیصرہ وکٹوریا فرماں روائے انگلستان و ہندوستان -
۲- پہلو -
۳- طبیعیات یا فلسفۂ طبیعی -
۴- طبقۂ اعلٰی کی زبان -

پیرائے بھونڈے ، اور انھی دقتوں کی وجہ سے ہم علوم جدید سے محروم ۔ مصر اور قسطنطنیہ کے عربی اور فارسی اخبار دیکھو تو تم کو اس کی تصدیق ہو ۔ جو شخص فرنچ[1] اور انگریزی کے مصطلحات نہیں جانتا ، ان اخباروں کا ایک آرٹیکل بھی نہیں سمجھ سکتا ۔ شاہ ایران کے روز نامچۂ سفر ولایت کا بھی یہی حال ہے اور خود ہماری زبان میں بھی الفاظ انگریزی برابر داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ ضروری نتیجہ ہے انگریزوں کے غلبۂ قومی یعنی سلطنت کا کہ ان کی زبان دوسری زبانوں پر غالب آتی چلی جاتی ہے ۔ پس وہ جو میں نے کہا تھا کہ جب خدا کسی قوم کو سلطنت دیتا ہے تو اس کی سب چیزوں میں شانِ حکومت آجاتی ہے ، زبان انگریزی کی یہ ایک شان حکومت ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ انگریزی میں ابتذال اور خوشامد اور مبالغہ اور جھوٹ نہیں ۔ ہمارے یہاں بیسیوں انشائیں صرف القاب آداب ، معمولی خیر و عافیت ، رسمی شوق و انتظار کے لیے پڑھنی پڑتی ہیں ؛ پھر ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی؟'' طرزِ مراسلت ایسا بگڑا ہے کہ بچپن سے عادتیں بڑی ہوئی ہیں : اس سے احساس نہیں ہوتا ورنہ آدھا جھوٹ اور باقی آدھے میں اپنی تذلیل بے سبب ، مخاطب کی مدح بلا استحقاق ۔ لوگوں کو تعصب اور ہٹ دھرمی سے کفرانِ نعمت کرنے دو ۔ اپنا تو مقولہ یہ ہے کہ فارسی لٹریچر نے ہماری تہذیب کو بالکل برباد کر دیا تھا ۔ اب اردو پر انگریزی رنگ آتا چلا ہے ۔ زبان مبالغے اور ابتذال کے عیوب سے بہت پاک ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے ۔ سیدھی اور صاف بات میں لوگوں کو مزہ ملنے لگا ہے ۔ کچہری کا ایک

۱- زبانِ فرانس ۔

ادنیٰ محرر بھی خاص کر مسلمان اپنے تئیں خانہ زاد اور نمک پرورد اور فدوی اور خاک پا اور حاکم کو خداوند خدائگان ، پیر و مرشد ، قبلۂ عالم نہیں کہنا چاہتا ۔ غرض انگریزی نے ہر ایک کے کان میں پھونک دیا ہے کہ وہ بھی آدمی ہے ، جان اور مال اور عزت رکھتا ہے ، اُس کے سب حقوق محفوظ ہیں ، کوئین ایمپرس وکٹوریا کی رعیت اور ایک حد تک حاکم وقت کا محکوم ہے مگر کسی کا زر خرید غلام نہیں ۔ اُس پر اپنے افسر کا ادب لازم ہے نہ پرستش ، وہ خوشی سے سلام کرتا ہے نہ سجدہ ۔ مؤدب الفاظ میں بات کا جواب دیتا ہے لیکن گڑگڑا کر اور ہاتھ جوڑ کر نہیں ۔ وہ اگر قصور وار ہے ، ضابطے کی سزا کو خوش دلی سے انگیز[1] کرتا ہے مگر ڈیم فول[2] سننے کی اُس کو مطلق برداشت نہیں ۔

اگر انگریزی خوانوں کے غرور کی شکایت انگریزوں ہی سے سنی گئی ہوتی تو ہم سمجھتے کہ بعض نوجوان ، تازہ ولایت تیز مزاج انگریز پاجی خدمت گاروں میں رہ کر بد زبانی کرنے لگتے ہیں ۔ عجب نہیں کسی غیور[3] سے پالا پڑ گیا ہو اور اُس نے بات کا بتکڑ بنا کھڑا کیا ہو ، مگر انگریزی خوانوں کے غرور کے اور بہت سے شواہد ہیں اور خود تم محتسبانہ ان کے حالات کی تفتیش کرو گے تو مان لو گے کہ انگریزی خواں کُل نہیں تو اکثر اپنی ہی سوسائٹی کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سوسائٹی میں کوئی عیب نہیں ۔ بے عیب

۱- برداشت ۔
۲- پاجی گدھا ۔
۳- غیرت مند ۔ اس کا مرجع انگریز ہے ۔

ذات خدا کی مگر ہم کو اپنے ملک کے انگریزی خوانوں سے دو طرح کی گفتگو ہے - اول تو ہم کو اسی میں کلام ہے کہ جس کو انگریزی خواں عیب سمجھتے ہیں، فی نفسہٖ عیب بھی ہے یا نہیں - انگریزی پڑھنے سے آدمی ضرور کسی نہ کسی قدر پریجو ڈسڈ[1] ہو جاتا ، یعنی اس کے ذہن میں انگریزی کی خوبی قدرِ واجب سے زیادہ بیٹھ جاتی ہے - یوں تو حکومت کی وجہ سے انگریزوں کی تمام ادائیں تھوڑی بہت سبھی کی نظروں میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں معلوم ہوں گی پر ہوں گی "الناس علیٰ دین ملوکھم[2]"، مگر انگریزی خواں تو گویا انگریزوں کے بھاٹ ہیں - ہماری سوسائٹی کے عیوب بے چارے انگریزی خواں ہم سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں ، ہم آپ ہی نہ گنوا دیں ؟ ہم میں لاکھ عیبوں کا ایک عیب تو ہے مفلسی اور مفلسی بھی لازم کہ اب سے شاید دس نسلوں تک دفع ہوتی نظر نہیں آتی - اس پر مزید تعصب ، جہالت ، بے ہنری ، بے حمیتی ، کاہلی ، ناعاقبت اندیشی ، خود غرضی ، باہمی نا اتفاق ، یعنی تمام لوازم بد اقبالی : مگر بڑا رونا تو اسی کا ہے کہ ہمارے انگریزی دان بھائی جو ہمارے ملک کے گلِ سرسبد[3] سمجھے جاتے ہیں ، ان وجوہ سے ہم کو ذلیل نہیں سمجھتے اور کس منہ سے سمجھیں کہ یہ عیوب بتمامہا مع شئی زائد[4] خود ان میں موجود ہیں - ہماری آنکھ میں ناخنہ ہے تو آن کی

۱- بے تحقیق کیے ہوئے پہلے سے ایک خیال جما لینے والا -
۲- لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں -
۳- ڈالی کے سرے پر کے پھول -
۴- کل ، بلکہ کسی قدر زیادہ ہی -

میں ٹینٹ ، ہم کانٹرے ہیں تو وہ اندھے ، ہم ہکلے ہیں تو وہ گونگے ۔ انگریزی خوانوں میں اگر بلند نظری ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے ۔ ان کو ہم میں ایک ہی عیب سوجھتا ہے کہ ہم انگریزوں کی طرح طرز تمدن کیوں نہیں اختیار کرتے ۔ آنھی کے سے مکان میں رہیں ، آنھی کے سے کپڑے پہنیں ، آنھی کی طرح کھائیں پیئیں ، آنھی کی طرح عورتوں کو آزاد کر دیں کہ مُڑدنگیاں باہر پڑی پھریں ؛ گویا ان دانش مندوں کے نزدیک انگریزوں کا دنیاوی عروج آن کے طرز تمدن کی وجہ سے ہے ۔ ع

فکرِ ہرکس بہ قدر ہمتِ اوست

ارے عقل کے دشمنوں ! انگریزوں کی وہ صفتیں ہی دوسری ہیں جو آن کی ترقی کا سبب واقع ہوئی ہیں ۔ محنت ، جفا کشی ، تفتیش و تلاش ، استقلال ، ضبطِ اوقات ، علومِ جدیدہ میں توغل ، قومی اتفاق ۔

مجھ کو تمام عمر انگریزی سوسائٹی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کی تمنا کی ؛ پس مجھ کو انگریزی سوسائٹی کا بہت ہی تھوڑا حال معلوم ہے لیکن جتنا معلوم ہے اس کی نسبت تو میرا خیال اچھا نہیں ۔ بھلا ایسے لوگوں کی سوسائٹی میں داخل ہونے کی کیا کسی غیر قوم کے آدمی کو رغبت ہوگی جن کے مزاجوں میں اس قدر اجنبیت ہو کہ ایک ہی قوم کے دو آدمی مدتوں ایک ہوٹل یا جہاز میں رہیں ، دونوں وقت ایک میز پر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے معرفت نہ پیدا کر سکیں ۔ معلوم ہے کہ انگریزوں میں عورتوں کے پردے کا دستور نہیں ؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ مرد ہو یا عورت ، علی رؤس الاشہاد[۱]

۱- لوگوں کے سامنے ۔

ناچنے کا عیب نہیں اور ناچنا بھی ہمارے ملک کا سا نہیں بلکہ مرد اور عورت ایک وضع خاص سے بغل گیر ہو کر ناچتے ہیں ۔ خیر یہ تو ''ہر ملکے و ہر رسمے'' مجھ کو اس مقام پر اور ہی بات کہنی منظور ہے کہ اگر ناچنے میں مثلاً ''جیمس'' اور ''میری'' کا جوڑا لگ جائے تو یہ اختلاط داخل ملاقات نہیں ، پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے اجنبی کے اجنبی ۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو یہ لوگ پڑھنے کے لیے ولایت بھیج ہی دیتے ہیں ۔ تم نے بھی خیال کیا ہوگا کہ یہ لوگ چاہے اکیلے ہوں مگر اکثر رہیں گے الگ کوٹھی میں ۔ ان باتوں سے ایسا مستنبط ہوتا ہے کہ انگریزوں کی طبیعتیں انس پزیر کم ہیں ۔ آدھے وحشی تو ہم اب سمجھے جاتے ہیں ، اگر کہیں ایسے روکھے مزاج ہمارے ہوتے تو پورے وحشی نہیں بلکہ ڈیوڑھے پون دو نے وحشی ہونے میں کیا کسر تھی ۔

رہ گیا طرز تمدن ، اس میں عورتوں کو بڑا مدخل ہے اور کیوں نہ ہو ، آخر وہ بھی تو سوسائٹی میں داخل ہیں ۔ ہم میں اور انگریزوں میں بڑا اختلاف ان عورتوں کی وجہ سے ہے ۔ اب اس کا محاکمہ کون کرے کہ عورتوں کے ساتھ کون سی سوسائٹی کی مدارات مناسب ہے ۔ اس مقام پر مجھے ایک نقل یاد آئی : میرے ایک معزز دوست کہتے تھے کہ ہمارا سارا خاندان کا خاندان شیعہ ہے ۔ میں نے بڑے ہو کر سنی شیعوں کے اختلافات کی تحقیقات کی اور آخرکار میری رائے اس پر قرار پائی کہ سنی برسر حق ہیں ؛ چناں چہ میں سنی ہو گیا ۔ خاندان کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ مباحثات رہتے تھے اور میں ہر ایک کو سنی ہو جانے کی ترغیب دیا کرتا تھا ۔ ایک بی بی میری بزرگ تھیں ، ان سے بھی میں ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ سنی ہو جاؤ ۔ وہ بی بی میری باتوں کا جواب تو کیا دیتیں ، سن کر چپ ہو رہا کرتی تھیں ۔ ایک دن میں نے ان

بی بی سے کہا کہ آخر کچھ بیان تو کرو کہ تم کو سنی ہو جانے میں تامل کیوں ہے ، تو ان بی بی نے فرمایا کہ بیٹا بات یہ ہے کہ مجھ کو ان موؤں (اصحاب ثلاثہ) کے نام ہی برے معلوم ہوتے ہیں۔ سچ ہے انسان ایسا ہی ضعیف مخلوق ہے کہ اس کی رائے پر سوسائٹی کا تھوڑا بہت اثر ضرور ہوتا ہے ۔ یہ انگریزی خوانوں کے صرف منہ سے کہنے کی باتیں ہیں ''ذالک قولھم بافواھم [۱] ''، کہ ہمارا طرز تمدن انگریزی ہو جائے ؛ دوسرے اختلاط تو درکنار ، مجمع میں کوئی ان سے ان کی جورو کا مزاج شریف پوچھ بیٹھے گا یا آن کے رو در رو اس کی خوب صورتی کی تعریف کرے گا تو ممکن نہیں کہ سر سے پاؤں تک میاں کے تن بدن میں پتنگے نہ لگ جائیں ؟

ہماری تمام اخلاق عمارت عورتوں کی پردہ داری پر مبنی ہے ۔ جس دن عورتوں کی پردہ داری میں ذرا بھی خلل پڑے گا ، ساری عمارت متزلزل ہو جائے گی ۔ اگرچہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس معاملے میں کسی ہندوستانی یا کسی انگریز کی رائے بر سر صواب نہیں ہو سکتی کیوں کہ ہر شخص بہ تصنع نہیں بلکہ بالطبع اپنی سوسائٹی کی جانب داری کرے گا ، مگر میں حتی الوسع انصاف کے ساتھ تم پر اتنی بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے طرز تمدن کی جس قدر برائی کی جاتی ہے ، اس قدر برائی کا وہ سزاوار نہیں ۔ کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی عورتیں دائم الحبس ہیں ، شوہروں کے انتخاب میں ان کا اختیار واجب زبردستی سلب کر لیا گیا ہے ، ان کو ظلماً گھروں کی چار دیواری میں قید رکھ کر جائز تمتّعات سے محروم کیا گیا ہے ۔ یہ اور اس قسم کے اور

۱۔ وہ ان کے منہ کی (بنائی ہوئی) باتیں ہیں۔

اعتراضات جو ہندوستانیوں[1] کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے پردے کے رواج پر وارد کیے جاتے ہیں، انگلش پوائنٹ آف ویو، یعنی انگریزوں کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہمارے وحشی اور بے رحم اور سنگ دل ہونے کی بڑی قوی دلیل معلوم ہوتے ہیں، لیکن جو عورتیں رواجاً پردہ نہیں کرتیں (اور ہندوستان میں، خاص کر دیہات میں ایسی قومیں بہ کثرت ہیں) اور خود انگریزوں کی عورتیں بھی۔ میں اپنے پندار میں سب کو مردوں کے اختلاط سے گریزاں پاتا ہوں، یعنی پردہ تمام جہان کی نسواں کا تقاضائے طبیعت معلوم ہوتا ہے اور اگر میرا یہ خیال غلط بھی ہو، تاہم انگریز تو خیر غیر قوم، غیر مذہب اور غیر مملک کے ہیں، یہ تو پردہ دار خاندانوں کا حال کیا جان سکتے ہیں، مگر ہم ہی میں کے بگڑے ہوئے مسلمان جن پر انگریزی کی سنوار ہے اوو جو انگریزوں سے بڑھ کر پردے کی برائیوں کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، ایک تو ہمارے منہ پر کہہ دے کہ اس نے کبھی کسی پردہ دار عورت کو پردے کی سختی کا شاکی پایا ہے۔ اس کو بھی جانے دو، اس کلیے سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ ''العادۃ طبیعۃ ثانیۃ[2]'' یا انگریزی خوانوں کے یقین دلانے کے لیے انہی کی بولی میں کیوں نہ کہو جس کی وقعت ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہے ''ہیبٹ از دی سیکنڈ نیچر[3]'' تو اگر پردہ داری عام صنف نسواں کا تقاضائے طبیعت نہ

۱- اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کا پردہ مسلمانوں سے چلا ورنہ ہندوؤں میں پردہ نہ تھا اور اب جو ہے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہے۔

۲- عادت دوسری طبیعت ہے۔

۳- Habit is the second nature.

بھی ہو تاھم رواج مستمر نے اس کو طبیعت بنا دیا ہے - پرنس آف ویلز ہندوستان میں تشریف لائے تو کچھ قیدی رھا کیے گئے :
ان میں ایک دائم الحبس آغاز جوانی میں قید ھوا تھا ، رھا کیا گیا تو بوڑھا ھو گیا تھا - چند روز بعد اس نے عرضی دی کہ مجھے جیل خانے کے باھر اچھا نہیں معلوم ھوتا - چالیس پچاس برس کی قید اس شخص کو جیل خانے سے مانوس کر دے اور صد ھا برس کی '' اماً عن جدۃ۲'' متوارث پردہ نشینی کے بعد عورتوں کا دیدہ ھوائی رہے ، کس کی عقل اس کو قبول کرے گی ؟ غرض عورتوں کی طرف سے وکالۃً جو پردہ داری کی شکایت کی جاتی ہے محض لغو اور بے اصل ہے - مجھ کو حقیقت میں ھنسی آتی ہے کہ پردے کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ عورتوں کی کچھ قدر نہیں کرتے اور میں کہتا ھوں کہ پردہ ھی اس بات کا ثبوت ہے کہ جیسا اپنی عورتوں کو ھم عزیز رکھتے ھیں ، دنیا میں کوئی قوم نہ رکھتی ھوگی :

غیرت از چشم برم ، روے تو دیدن نہ دھم
گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دھم

جتنے اعتراض عورتوں کے پردے پر وارد کیے جاتے ھیں سب میں یہ اعتراض کسی قدر جان دار ہے کہ شوھروں کے انتخاب میں پردہ دار عورتوں کو آزادی نہیں لیکن ساری دنیا اور خاص کر ہندوستان میں یہ مشکل مقدمہ عورتوں کو ایسی ابتدائی عمر میں پیش آتا ہے جب کہ نا تجربہ کاری اور نقصانِ عقل کی وجہ سے ان کو اس کے قابلِ اطمینان فیصلے کی قابلیت نہیں ھوتی ، اور زن و شُو کی حالتوں میں آخر عمر تک معمولی غیر معمولی ایسے ایسے

۲- ماں نانی سے چلی آنے والی -

عظیم تبدّلات واقع ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے دانش مند پختہ کار کی عقل بھی آن پر احاطہ نہیں کر سکتی ۔ اس صورت میں ایسے سترگ معاملے کا تصفیہ طرفین کے بزرگوں کی تجویز سے ہونا قرین مصلحت ہے ؛ اور عورتوں کی کیا تخصیص ہے ، ہم تو اپنے یہاں کے مردوں کو بھی اس معاملے میں قریب قریب ایسا ہی بے اختیار پاتے ہیں ۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ انگریزوں کی عورتیں لیاقت علمی میں ، ہنر خانہ داری میں ، سلیقہ شعاری میں ، ہندوستانی عورتوں سے بہ مدارج بہتر ہیں ، اور مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انگریزنوں میں بعض صاحب تصانیف ہیں ، بعض نے مردوں کے ساتھ کمپیٹ[1] کر کے بی ۔ اے اور ایم ۔ اے کے خطاب اور ڈپلومے[2] پائے ہیں ؛ غرض ان عورتوں نے بہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ جسمانی توانائی کو چھوڑ کر کہ وہ ایک قدرتی بات ہے ، باقی دنیا کے سارے کام جو مرد کر سکتے ہیں ، عورتیں بھی کر سکتی ہیں ، مگر خوب سمجھے رہو کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ ہندوستان کی عورتوں کو ان کی حالت کے مناسب تعلیم کرنا نہایت ضرور ہے ؛ مگر ساتھ ہی رواج پردہ کی موقوفی کا میں سخت مخالف ہوں ۔ اول تو میں انگریزوں کا کوئی کار نمایاں ایسا نہیں دیکھتا جس کو میں سمجھوں کہ پردہ اس میں حارج ہو سکتا ہے اور اگر ہو بھی تو بے پردگی کے خراب نتیجے اخباروں میں پڑھتے پڑھتے کلیجا پک گیا ۔ ایسے فائدوں کو (اگر ہوں) سلام ہے جو سوسائٹی کو گندہ کریں ۔ ہماری بیبیاں بلا سے پھوہڑ ہوں ، بے ہنر ہوں ، بے سلیقہ ہوں ، بے علم ہوں کہ بچوں کا ہاتھ

۱- مقابلہ بالمسابقہ ۔
۲- اسناد ۔

منہ دھلانے ، پھٹا آدھڑا سینے ، روٹی دال پکا لینے کے سوائے اور کچھ نہ جانتی ہوں ، ساری دنیا میں کوئین امپرس وکٹوریا کی جوبلی[1] کا غل ہو اور ان کو خاک خبر نہ ہو ، سوڈان اور بلغاریہ اور برہما کے نام تک ان کو معلوم نہ ہوں ، روس کے جھگڑے اور فرانس کے ٹینٹے ان کے کانوں تک نہ پہنچے ہوں ؛ غرض ہماری بیبیاں جانور ہوں ، پتھر ہوں بلکہ ان سے بھی بد تر ہوں ، ہم کو قبول ؛ خدا نے سرچارلس ڈائک اور مدراس والے راس اور ایک ڈائک اور ایک راس ایسے ایسے پچاس کی فضیحت اور رسوائی سے تو بچایا ہے ۔

اب رہا انگریزی لباس ، اس میں سے عورتوں کی فل ڈرس[2] اگر بہتر ہے تو بلا مبالغہ اس شعر کا مصداق :

تنِ عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

اور فل ڈرس کی بھی ایک ہی کہی :

برعکس نہند نامِ زنگی کافور

غرض فل ڈرس اور آس کے نام سے انگریزوں کا مذاقِ لباسی معلوم ہوا ، زیادہ صراحت کی کیا ضرورت ہے ۔ کیا خوب کہا ہے :

ہر یکے ناصح برائے دیگراں
ناصحِ خود یافتم کم در جہاں

دوسروں کو کیسا منہ بھر بھر کے جانور اور وحشی اور نا مہذب کہہ بیٹھتے ہیں اور اپنا یہ حال کہ سچ پوچھو تو تن بدن ڈھانکنے

۱- پچاسویں سال گرہ کی تقریب ۔
۲- پورا لباس ۔

تک کا سلیقہ نہیں ۔ ان لوگوں کے مردانہ لباس میں انضمام حکومت سے البتہ ایک شان وقعت پیدا ہو گئی ہے ورنہ فی حد ذاتہ مڑے ہوئے کپڑوں پر ایک چھچھور پن سا برستا ہے ، اور خود انگریزوں کو دیکھا ہے کہ گرمی کے موسم میں بوکلا بوکلا اٹھتے ہیں ، اپنے قومی لباس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور گھروں پر اوقات خاص میں ہماری طرح کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے رہتے ہیں ۔ ہم تو ان کو پابندیٔ رسم و رواج سے آزاد نہیں مانتے ۔ ایک وضع کو موجب راحت سمجھا تھا تو پھر اس کے اختیار کرنے میں جھینپنا کیا معنی ۔

میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی لباس ہی نے انگریزوں کو اس بات پر مجبور کر رکھا ہے کہ دن رات کرسی کوچ پر لدے رہتے ہیں ، ورنہ اگر ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو جو آسائش فرش پر بیٹھنے میں ہے ، اس کا عشر عشیر بھی کرسی کوچ میں نہیں ۔ کرسی پر ایک ہی وضع سے آدمی کو بیٹھنا پڑتا ہے ۔ بہت کیا تو ذرا پیٹھ لگا لی یا اکیلے ہوئے تو میز پر ٹانگیں سیدھی کر لیں مگر یہ ڈولی ڈنڈے کا طور قابل دید ہوتا ہے ۔ اور وہاں ایک وضع اور بھی ہے : پیروں پر زور دے کر کرسی سمیت پیچھے کو تن گئے ، مرکز ثقل جگہ سے بے جگہ ہوا ، ٹانگیں اوپر اور سر نیچے ، پتلون کی قینچی چڑھی ہوئی ہے اور پڑے چلا رہے ہیں کہ آدمی آئے تو اٹھا کر کھڑا کرے ۔ فرش پر آدمی اتنی اوضاع کثیرہ سے بیٹھ سکتا ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا ، اور از روئے اصول طب فرش پر بیٹھنا تن درستی کے لیے نہایت مفید ہے ، مگر حکومت کے آگے آسائش اور طب پر کون نظر کرتا ہے ۔ ایک عالم اسی خبط میں مبتلا ہے کہ بہ جا ہو یا بے جا ، جہاں تک ہو سکے انگریزوں کی تقلید کیجیے اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہر ملک

کے لوگ خصائصِ ملکی کے لحاظ سے ایک خاص طرح پر زندگی بسر کرنے کے خوگر ہیں ، یعنی آن کے لیے آسائش کی وہی ایک خاص طرح ہے ؛ اس کو بے داعیۂ قومی بدلنا ضرور تکلیف دہ ہوگا ۔

جو لوگ وضعِ انگریزی کے گرویدہ ہیں ،کیوں کر ہو سکتا ہے کہ لباس انگریزی ہو ، نشست برخاست انگریزی ہو اور کھانا انگریزی نہ ہو ۔ انگریزی کھانے کے ایک تو یہ معنی کہ میز کرسی، کانٹا چھری ہو یعنی دیسی کھانا انگریزی طور پر کھایا جائے ؛ دوسرے یہ کہ کھانا بھی انگریزی ہو ۔ ہم میں کے ایک نئے رفارمر[۱] بگڑے ہیں ؛ انھوں نے ہاتھ سے کھانے پر (کہیں یہ مت خیال کر لینا کہ رفارمر صاحب کتے کی طرح منہ سے یا کوے کی طرح پاؤں سے کھاتے تھے ، بلکہ چھری کانٹے سے) ہندوستانیوں کو کیسا کیسا لتاڑا ہے کہ توبہ ہی بھلی ، مگر ان کی ساری بکواس کا ما حصل اتنا ہی تھا کہ ہاتھ سے کھانا غچلی پن ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ہاتھ سے کھانے میں ہاتھ تو خواہ مخواہ تھوڑا بہت بھرتا ہی ہے مگر پھر ہم کہتے ہیں کہ رغبت اور نفرت عام نہیں بلکہ عادت پر موقوف ہے ۔ سارڈین[۲] وغیرہ انگریزوں کی بہت چیزیں ہیں کہ ہم کو آن سے گھن آتی ہے ۔ کھانے کے بعد کلی نہ کریں تو ہماری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے اور بعض کو تو بے تبدیلِ ذائقہ چین نہیں پڑتا ۔ غرض صفائی اور طہارت کا قومی بلکہ شخصی سٹینڈرڈ[۳] مختلف ہے اور کسی کو کسی پر

۱- کفیلِ اصلاح (Reformer) -

۲- ایک قسم کی مچھلی جو ولایت سے پک کر آتی تھی -

۳- پیمانہ ، نصاب -

جرح و طعن کا منصب نہیں ۔ ایک بار ایک دکان پر ایک خاص طرح کی چائے کی پیالیاں دیکھنے میں آئیں ۔ پیالی کے کنارے پر اندر کی طرف کو ایک چھجا سا نکلا ہوا تھا ۔ معلوم ہوا کہ مونچھوں کے بچاؤ کے لیے یہ تجویز سوچی گئی ہے ۔ اسی وقت مجھ کو ''قصوا الشوارب واعفوا اللحٰی'' یاد آیا اور خیال ہوا کہ شارع نے کس قدر ہمارے مصالح کا حفظ کیا ہے ؛ پھر اس طرف ذہن منتقل ہوا کہ پابندیٔ رواج بھی کیا بری چیز ہے ۔ یہ تکلفات کرتے ہیں اور اتنا نہیں ہو سکتا کہ لیں لوا ڈالیں ۔ ہاتھ سے کھانا انگریزوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہوگا مگر اس میں ایک تو مفادِ صریح یہ ہے کہ جس خوبی کے ساتھ ہاتھ لقمے کو گرفت کر سکتا ہے ، ممکن نہیں کہ چھری کانٹا ہاتھ کا کام دے سکے ۔ دوسرے اب انھی کے ڈاکٹر قائل ہو چلے ہیں کہ ہاتھ میں ایک قوت مقناطیسی ہے اور وہ ہاتھ سے کھانے میں داخلِ لقمہ ہو کر ممدِ ہضم ہوتی ہے ۔ انگریزی کھانوں میں اول تو مزہ ہی کیا خاک دھرا ہے ۔ سالنوں میں ابلا ہو بساھندا ادھ کچرا گوشت ، مٹر کی گھنگنیاں ، ابلے ہوئے آلو ، پسایا ہوا خشکہ ، چپاتی پراٹھوں کی جگہ نان پاؤ ، ایک پیالی میں نمک ، دوسری میں سیاہ مرچیں ۔ وہ نقل شاید تم نے سنی ہو کہ ایک شہری کتے نے ایک دیہاتی کتے کو مہمان بلا کر ایک کبابی کی دکان پر بٹھا دیا ۔ جب کبابی دکان بڑھا کر چلا گیا ، دیہاتی کتا لگا ہر طرف سونگھنے ؛ کہیں مرچوں کا دونا پڑا رہ گیا تھا ، جوں اس میں منہ ڈالا ، مرچیں مغز کو چڑھ گئیں ، کھانستے کھانستے اور چھینکتے چھینکتے باؤلا ہو گیا ؛ شہری دوست سے شکایت کی تو

۱- مونچھیں گھٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ ۔

آس نے کہا ''یار انھی چٹخاروں کے لیے تو ہم شہر میں پڑے ہیں''۔ غرض ہم لوگوں کے موہنوں کو تو چٹخارے لگے ہیں ، انگریزی کھانوں میں کیا مزہ آئے ۔ ایک حکایت اور ؛ ''اینڈ دی انگلش ڈنر از اوور'' ۔ غدر سے پہلے امراء شاہی میں سے کسی امیر نے دہلی کالج کے پرنسپل کی دعوت کی ، کھانے کی ہنگیاں بھجوا دیں ۔ انگریزی قاعدے سے کھانا میز پر چنا جا چکا تو آدمی نے صاحب کو اطلاع کی ۔ ہر قسم کا کھانا میٹھا سلونا شاہی رکاب داروں نے پکایا تھا ، اور دعوت تھی تو بلا شبہ اہتمام بھی ضرور ہوا ہوگا ؛ سبحان اللہ ! آس کے ذائقے کا کیا پوچھنا ہے ۔ جس وقت سے کھانا آیا ساری کوٹھی مہک اٹھی تھی ، مگر پیچھے سنا کہ جوں صاحب نے کھانے کے کمرے کے اندر پاؤں رکھا اور مشک اور زعفران اور گلاب اور کیوڑے کی بھبک آئی ، الٹے پاؤں باہر نکل آئے اور کھانا کیسا ، انھوں نے آنکھ بھر کر کھانے کی طرف کو دیکھا تک بھی تو نہیں ۔

پس جو لوگ ''انگریزی تمدن، انگریزی تمدن'' پکار رہے ہیں اس تہ کو نہیں پہنچتے کہ مذاقوں کے اختلاف قدرتی باتیں ہیں ، یہ کسی کے میٹے مٹی ہیں ؟ اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ جس کا جو طرز ہے وہ آسی کو پسند کرتا ہے ، آسی میں آس کو راحت ملتی ہے اور آخر تک آس کو آسی طرز پر چلا جانا چاہیے ۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریز اپنی تمام حالتوں میں نمایاں ترقی کر رہے ہیں اور اپنے طرز تمدن کی اصلاح سے بھی غافل نہیں ؛ با ایں ہمہ یہ فرض کر لینا کہ ان کا تمدن اعلیٰ درجے کی شائستگی کو پہنچ گیا ہے ، فرضِ غلط ہے ۔ کھانے کپڑے کی تو چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، ہم کو تو ان کی سوسائٹی میں بہت سی بڑی بڑی باتیں کھٹکتی ہیں ۔ عورتوں کی بے پردگی کا مذکور

۱۔ اور انگریزی کھانا تمام ہے ۔

تو ضمناً اوپر ہو چکا ، اور لوبادہ خواری ۔ اس میں تو کسی کو کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں کہ جس طرح کھانسی اُم الامراض[1] ہے ، من حیث الاخلاق[2] شراب اُم الخبائث[3] ۔ اور تمام جہان کے ڈاکٹروں کا اجماع ہے کہ یہ ملعون عرق تندرستی کو بھی سخت مضر ہے ۔ باوجود اتنی برائیوں کے جس کثرت سے اس کا رواج انگریزوں میں ہے ، شاید روئے زمین پر کسی دوسری قوم میں ہو ؛ پس اس خیال نے غضب ڈھا رکھا ہے کہ اعتدال کے ساتھ اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں مگر شراب اور اعتدال ؟ فکر باطل ، خیال محال ۔

انگریزوں کے طرز تمدن میں ایک عیب اور ہے جس کا نقصان انگریزوں کو شاید کم محسوس ہوتا ہو یا نہ بھی ہوتا ہو لیکن اگر ہم لوگ ان کی وضع پر رہنا چاہیں تو یقیناً ہماری بربادی کا موجب ہے ۔ وہ کیا ہے ؟ ہائی لائف ، یعنی اونچی شان دار زندگی جو بڑے مصارف کے بدون ایک دن نہیں نبھ سکتی ۔ ظاہر میں دیکھو تو سیدھے سادے موٹے ڈھٹ کپڑے ، اکیلے کوسوں پیادہ پا چلے جائیں ۔ کسی بات کی عار نہیں ، کسی طرح کی مشیخت نہیں مگر سواری اور مکان اور سامان آرائش اور شاگرد پیشہ کے خرچ دیکھو تو عقل دنگ ہو کر رہ جائے ، اور اگر کہیں میم صاحب کی بلا بھی سر پر مسلط ہوئی تو پھر کچھ ٹھکانا نہیں ۔ دو دو تین تین درزی ہیں کہ صبح سے شام تک سوئی ہاتھ سے نہیں چھوٹتی اور ''بیڈیم پائل[4]'' کی تہائی تنخواہ کی قسط

۱- بیماریوں کی ماں ۔
۲- اخلاق کے اعتبار سے ۔
۳- برائیوں کی ماں ۔
۴- ایک مشہور درزی ہے جو سلے سلائے کپڑے دیتا ہے ۔

علاوہ ۔ غرض اس ارزانی کے ملک میں بی بی بچے والا انگریز میرے حساب سے ہزار روپے ماہوار سے کم میں جنٹلمینلی یعنی شریفانہ فارغ البالی اور آسائش سے نہیں رہ سکتا ۔

ہم تو ہندوستانیوں ہی کو ملامت کرتے تھے کہ ان کو دولت کی نگہ داشت کا سلیقہ نہیں اور ان کا بہت روپیہ نمود و نمائش میں ضائع ہوتا ہے ؛ انگریزوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہندوستانیوں پر بھی سبقت لے گئے ہیں ۔ ہندوستانی تو پھر بھی زیوروں اور باسنوں کے پیرائے میں اپنی دولت کا ایک معقول حصہ پس انداز کرتے ہیں ۔ ان کے یہاں کاٹھ اور کانچ اور گلٹ کے سوائے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا ۔ قلعی تو اس وقت کھلتی ہے کہ جب کسی کی بدلی ہوتی ہے اور اسباب نیلام کیا جاتا ہے ۔ کسی کے خوشامدی اونے پونے خرید لیں تو وہ بات ہی دوسری ہے اور وہ حقیقت میں ایک قسم کی رشوت ہے ورنہ نیلام میں روپے کے آٹھ آنے تو بندھے ہیں ۔

خیر شاید انگریز تو اس شان میں رہ بھی سکتا ہے ۔ اس کو روپیہ کمانے کے بہت سے ڈھب یاد ہیں ۔ اس کی ہمت بلند اور اس کا حوصلہ وسیع ہے ۔ اس کو تمام روئے زمین خشکی اور تری ، جنگل اور پہاڑ ، آبادی اور اجاڑ ، اپنا اور بیگانہ ، سب یکساں ہے ۔ نوکری تو اس کی جوتیوں سے لگی پڑی ہے مگر وہ اس کا پابند نہیں ۔ ایک ذرا سی بات خلاف مزاج پیش آئی اور وہ فوراً اس کو لات مار کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ اس کی قوم کا ماٹو[۱] ہے "ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست" وہ چل پھر کر کہیں نہ کہیں اپنا ٹھکانا کر کے رہے گا ؛ شاید وہ کوئی سکول کھول

۱- اصول ، دستور العمل ۔

بیٹھے ، وکالت کرنے لگے ، کسی قسم کا کارخانہ جاری کرے ، سوداگر بن جائے ، کہیں کسی چیز کی کان ڈھونڈ نکالے ، یا کوئی موقع مناسب دیکھ کر کالونی بسانے کا ڈول ڈالے : غرض یہ کہ وہ کسی جگہ اور کسی پیشے پر بند نہیں۔ ایسے آدمی کو معاش کی کیا کمی۔ پھر اُس کی سوسائٹی کا یہ دستور نہیں کہ کمانے والا ایک اور کھانے والے بیس ؛ کیا مرد کیا عورت سب اپنی اپنی جگہ خوش دلی کے ساتھ محنت کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ محنت ہی کے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اور محنت ہمارا فرض ہے۔ بھلا ہندوستانی کاہل ، بے ہنر ، قاصر الہمت سے کیا ان کی ریس ہو سکتی ہے اور کرے گا تو مفلس جیے گا اور قرض دار مرے گا۔

انگریزی سوسائٹی کا آخری نقصان ''دی لاسٹ ڈو ناٹ دی لیسٹ[1]''، لا مذہبی ہے۔ جہاں تک مجھ کو ان لوگوں کے حالات سے آگاہی ہے ، (اگرچہ تھوڑی ہے مگر نمونے ہمیشہ تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں) میں تو یہی کہتا ہوں کہ ان لوگوں میں اکثر کی تمام ہمت اصلاحِ دنیا کی طرف مصروف ہے اور یہ انہماک اس وجہ سے زیادہ تر قابل اعتراض ہے کہ اس کا منشا فطری غفلت نہیں ہے جس سے کوئی فرد بشر بری نہیں بلکہ مذہب کا استخفاف مذہب کی بے وقعتی کہ میری نظر میں یہ مکروہ ترین پیرایہ ہے الحاد کا ، اور در حالیکہ صرف انگریزی تعلیم سے (وہ بھی ادھوری) ہمارے ملک کے انگریزی خواں ایز اے باڈی[2] لا مذہب ہوتے چلے جاتے ہیں ، ضرور لا مذہبی کا رنگ انگریزی سوسائٹی میں

۱- گواخیرسہی مگر (کسی طرح) کم نہیں۔
۲- من حیث المجموع۔

بہت گہرا ہونا چاہیے اور افسوس کہ ہے بھی -

انسان کے تمام افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں - اس اصول کے مطابق انگریزی طرز تمدن کے اختیار کرنے میں بھی کوئی مفاد مثوی[1] ہونا چاہیے اور اب تک جس قدر میں نے لکھا ہے ، اس سے تم پر ظاہر ہو جائے گا کہ انگریزی تمدن جس جس چیز سے عبارت ہے آن میں بعض چیزیں تو بے مفاد محض ہیں اور بعض بے مفاد محض نہیں بلکہ ہمارے حق میں بے مفاد ہیں ، لیکن لوگ ایک اور ہی مفاد کی طمع سے انگریزی تمدن کی طرف کو دوڑتے ہیں - ان کو یہ توقع ہے کہ انگریزی تمدن کے اختیار کر لینے سے انگریز ہم کو اپنی سوسائٹی میں لے لیں گے ؛ کبھی لے نہ لیں - جب تک انگریزوں میں اور ہم میں حاکم و محکوم ، فاتح و مفتوح ، غالب و مغلوب کے تفرقے باقی ہیں ، ہماری ان کی مثال تیل پانی کی ہے ، نہ ملے ہیں نہ ملیں گے -

میری یہ تحریر بہت لمبی ہو گئی مگر تم دیکھتے ہو کہ مطلب بھی مہتم بالشان تھا - جس طرح بعض جسمانی امراض بعض اوقات کثرت سے شائع ہو جاتے ہیں ، میں خیال کرتا ہوں کہ یہ زمانہ لا مذہبی کے شیوع کا ہے - بہت تھوڑے سر انگریزی تقلید کے مالی خولیا سے خالی ہیں - میں نے تم کو اپنی سمجھ کے مطابق آگاہ کر دیا ہے - و ما علینا الا البلاغ[2] - فقط

۱- مضمر ، پوشیدہ -

۲- اور ہمارا کام صرف پہنچا دینا ہے -

عادت کا ماخذ ہے 'عود' جس کے معنی ہیں لوٹنا ، پھرنا ؛ یہیں سے تم عادت کی وجہ تسمیہ بھی مستنبط کر سکتے ہو کیوں کہ جب آدمی بار بار لوٹ لوٹ کر کسی فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس فعل پر عادت کا اطلاق کیا جاتا ہے ۔ اگرچہ لغۃً عام ہے مگر عُرف میں عادت کا استعمال صرف افعالِ ارادی و اختیاری میں ہے ، اضطراری مثلاً تنفس میں نہیں ۔ افعالِ ارادی میں ، جسمانی ہوں یا دماغی ، سب میں تھوڑا بہت جہد کرنا ہوتا ہے جس کو تم انگریزی میں اگزرشن کہتے ہو ۔ عادت کا ضروری نتیجہ ہے تخفیفِ مشقتِ جہد ، یہاں تک کہ جب عادت راسخ ہو جاتی ہے تو فعلِ عادی افعالِ اضطراری کی طرح بلا قصد و ارادت اور بے اعمالِ فکر و رؤیت سرزد ہونے لگتا ہے اور یہی درجہ ہے جس پر پہنچ کر کہا جاتا ہے ''العادت کا لطبیعۃ الثانیۃ''۔ تشبیہ کا قاعدہ ہے کہ مشبّہ بہ اکمل و افضل ہوتا ہے ؛ تو '' العادت کا لطبیعۃ الثانیہ'' سے شاید تم سمجھو کہ طبیعت میں بالنسبت الی العادت غلبہ اور اشتداد اور تقاضا قوی تر ہے ۔ ع

والحال منقلب والامر معکوس

امور طبیعی و اضطراری میں اُسی تنفس کو لو جس کا ذکر آ چکا ہے ۔ فقراء کی ریاضیات و مجاہدات میں سے ''حبس نفس'' ہے اور یہ ان کی تعلیم کی شاید ابجد ہے ۔ لوگ تو امتدادِ حبسِ نفس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں مگر خیر دن اور ہفتے اور مہینے نہ سہی ، یہ تو میں نے

دیکھا ہے کہ پاس انفاس کا ایک عامل ایک سانس میں سو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' بہ مراعات ضروب بہ آسانی تمام کر لیتا تھا ۔ آسانی کو میں نے اس سے جانا کہ برابر کئی کئی گھنٹے تک وہ اسی شغل میں رہتا ۔ الغرض اگر انسان تقاضاے طبیعت کے معدوم کرنے پہ قادر نہ بھی ہو ، تاہم وہ اس کی شورش کو مجاہدۂ ممارست یعنی عادت کی مدد سے بہت کچھ فرو کر سکتا ہے ، یعنی عادت حاکم ہے اور طبیعت محکوم ۔ ایک شخص نے حکیم امام الدین خاں مرحوم کی حذاقت کی ایک حکایت نقل کی کہ کوئی مولوی صاحب (راوی نے آن کا نام بھی لیا تھا ، مجھ کو یاد نہیں رہا) بیمار پڑے ، حکیم صاحب نے جلاب تجویز کیا ۔ باوجودےکہ معدہ مجیب تھا اور مؤیدات بھی دیے گئے مگر دست نہ آئے ۔ حکیم صاحب کو خبر ہوئی ؛ استفسار حالات کے بعد بیمار دار سے فرمایا کہ جلد جاؤ اور مولوی صاحب سے کہو بہ دستور کتاب دیکھیں ۔ راوی کہتا تھا آدھا گھنٹہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ جلاب کا عمل ظاہر ہوا ۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ طبیعت تھی کتاب بینی کی خوگر ، اس کو خلاف عادت شغلِ مانوس سے ہوئی مفارقت ، انقباض پیدا ہوا ۔ یہ حکایت اگر سچ ہے (اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ سچ کیوں نہ ہو) تو اس سے ہم عادت کی قوت کا اندازہ کر سکتے ہیں ۔

جن لوگوں نے علم اخلاق پر کتابیں لکھی ہیں ، میں نہیں جانتا آن میں سے کسی نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے یا نہیں (مگر میری نظر سے نہیں گزرا) کہ عادت ام الاخلاق ہے ۔ باوجودےکہ عادت کو اخلاق کے پیدا کرنے ، بنانے اور بگاڑنے میں مدخل عظیم ہے مگر افسوس ہے کہ عادت کی نگرانی میں

پرلے درجے کی غفلت کی جاتی ہے ۔ لوگوں کو عادت کا شعور ہوتا بھی ہے تو اکثر کہیں ایسے آخر وقت میں جا کر کہ طبیعت مغلوب عادت ہو چکتی ہے ۔ تم نے شاید خیال کیا ہو کہ اطبّاے یونانی کا کوئی نسخہ شربت یا نبات یا خمیرے سے خالی نہیں ہوتا ۔ کچھ اس کی لِم بھی سمجھے؟ وہ لِم یہ ہے کہ شیرینی بالطبع مرغوب، فلہذا ہر دوا میں کسی قسم کی شیرینی شامل کر دی جاتی ہے تاکہ طبیعت شیرینی کو بالاصالت اور دوا کو بالتبع قبول کر لے ۔ بعینہٖ یہی حال ہے انسان کی طبیعت اور اخلاق کا ۔ طبیعت کو معدے کی جگہ سمجھو، اخلاق کو دوا اور عادت کو شیرینی ۔ کوئی کام کیسا ہی نا موافقِ طبع ہو، عادت کی مٹھائی سے مل کر ضرور اشہٰی[۱] اور احلیٰ[۲] ہو جاتا ہے ۔ اگرچہ آدمی بری لت بھی اپنے پیچھے لگا سکتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عادت فی نفسہا "من حیث انہا قوۃ من القوی الانسانیۃ[۳]" بری چیز ہے ۔ انسان کی تمام قوتوں کا یہی حال ہے کہ بھلائی اور برائی دونوں کے محامل آن میں ودیعت رکھے گئے ہیں ۔ اب یہ انسان کی اپنی تجویز رہی کہ ان قوتوں کو کس پہلو پر ڈھالے ۔

قطعہ

آدمی زادہ طرفہ معجونے است
از ملائک سرشتہ وز حیوان
گر کند میل ایں شود کم ازیں
ور رود سوے آں شود بہ ازاں

۱- مرغوب تر ۔
۲- شیریں تر ۔
۳- اس حیثیت سے کہ وہ قوائے انسانیہ میں سے ایک قوت ہے ۔

عادت میں یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ مشکلات پر غالب آنے کے لیے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ۔ عادت کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ، وہ اس بات کی تمہید ہے کہ تم کتاب بینی کی عادت ڈالو ۔ ممکن ہے کہ شروع شروع میں طبیعت گریز کرے اور با دل نا خواستہ کتاب کا دیکھنا بار خاطر ہو لیکن اس وقت میرے کہنے سے اتنی بات کا تیقن کر لو کہ یہ ہرب و نفرت عارضی اور چند روزہ ہے ۔ ع

هم چو یخ در آفتاب نیم روز

ایک وقت مجھ پر گزرا ہے اور وقت سے میری مراد گھنٹہ دو گھنٹے ، دن دو دن ، مہینہ دو مہینے نہیں بلکہ بیس پچیس برس کہ نوم مطمئن کے لیے پلنگ پر سراہنے کتاب کا ہونا ایسا ہی ضرور تھا جیسے تکیے کا ۔ اب وہ کیفیت نہیں ہے تاہم تم نے کم تر اوقات مجھ کو کتاب سے بے تعلق دیکھا ہوگا ، بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ نہیں دیکھا ہوگا ۔ کیا تم کو پٹن چرو کی بات یاد نہیں کہ تم نے بڑی محنت سے ایک چمن درست کرکے چاہا کہ میں کسی وقت ایک نظر اس کو دیکھوں ۔ میں نے یہی جواب دیا کہ کسی تقریب سے 'بلدے' جانا ہو تو اپنے کمرے سے باہر نکلوں ۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اپنے کمرے میں ملول اور دل گرفتہ بیٹھا رہتا تھا جیسے قفس میں جانور ؟ نہیں نہیں ؛ ویسا ہی خوش دل جیسے تم اپنے چمن میں ، یا واجد علی شاہ لکھنؤ کے قیصر باغ میں ، یا اب مرتیوں کو کلکتے کے مٹیا برج میں ، یا دلی کے سیلانی جیوڑے دو گھڑی دن رہے سے چاندنی چوک میں ، یا ان دنوں کے آزاد مزاج انگریزی خواں سمجھیں یا نہ سمجھیں تھیٹر میں ۔ میں نے انگریزی خواں کے ساتھ آزاد مزاج کی قید کیوں لگائی ہوگی ؟ میرے اور ما شاء اللہ تمہارے سوائے ایسا بھی کوئی انگریزی خواں ہے جو آزاد مزاج

نہ ہو ۔ الا ان یشاء اللہ و قلیل ما ھم ۔

خلاصۂ مقصد یہ ہے کہ میں تم کو کتاب بینی کا شوق دلانا چاہتا ہوں اور خود اپنی حالت سے استشہاد کرتا ہوں کہ بدولت کتاب بینی میرا وقت بہت ہی جمعیّت خاطر کے ساتھ گزرتا ہے ۔ نہ ملاقات کا مشتاق ، نہ زیارت کا منتظر ، نہ معاشرت کا متمنی ۔ میرے نزدیک سوسائٹی ہے اور کتاب ہے ۔ ع

و خیر جلیس فی الزمان کتاب[1]

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں کتاب نہیں دیکھتا ، تاہم کتاب کے سامنے رکھے رہنے سے میرے دل کو ایک طرح کی تسلی سی رہتی ہے ۔ اس مضمون کو غالب نے کیا اچھی طرح ادا کیا ہے :

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

۱۰۸

اگر تم سے کہا جائے کہ فلاں شخص مزاج کا غصیلا ہے تو ضرور تمہارا ذہن اسی طرف متبادر ہوگا کہ مغلوب الغیظ ہے ، سریع الغضب ہے ، زود رنج ہے ، لیکن لفظ کی بناوٹ پر نظر کرو تو غصیلے کے معنی ہیں صرف غصے والا ؛ سو غصے والا ہونا کچھ عیب کی بات نہیں ۔ غصہ ہمارا قدرتی حربہ ہے ۔ اگر بالفرض کسی شخص میں مطلقاً غصہ نہ ہو تو اس کے یہ معنے

۱- اور دنیا میں بہترین دوست کتاب ہے ۔

ہیں کہ دفعِ ضرر پر قادر نہیں یا بہ عبارت دیگر اس کی خلقت ناقص واقع ہوئی ہے ۔ اسی طرح اگر کہیں کہ فلاں شخص خود دار ہے تو لوگ خیال کریں گے خود بین ہے ، خود پسند ہے ، معجب ہے لیکن واقعے میں خود داری وہی ہے جس کو انگریزی میں سلف رسپکٹ کہتے ہیں اور عربی میں تعزز ۔ خود داری اور خود بینی میں بڑا فرق ہے مگر نازک ، اور اس فرق کا شعور کما حقہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جس سے خود داری یا خود بینی کا کوئی فعل سر زد ہو اور وہ خود دواعیٔ فعل پر محتسبانہ اور منصفانہ نظر کرکے اس فعل کا فضیلتِ خود داری یا رذیلتِ خود بینی ہونا تجویز کرے ۔ معانی کی جامعیت اور مانعیت پر منطقی طور سے نظر کرو تو ہماری زبان کے کم تر الفاظ اس جانچ میں ٹھیر سکتے ہیں و لکن لا مشاحة فی الا صطلاح ۔ میں اس پیچیدگی میں تم کو نہیں ڈالنا چاہتا اور اس تحریر سے میرا مقصد اسی قدر ہے کہ خود داری کی فضیلت تمہارے ذہن میں بٹھا دوں ۔ قرآن میں خدائے تعالیٰ نے انسان کی آفرینش کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ ''انی جاعل فی الارض خلیفه'' (میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانا چاہتا ہوں) ۔ ظاہر ہے کہ خلافتِ الٰہی ایک طرح کی خدائی ہے اور جب انسان ''خلیفة اللہ'' ہوا ، وہ آپ سے آپ اشرف المخلوقات بھی ہوا ۔ فرض کرو کہ اجرامِ فلکی پر لوگ بستے ہوں جیسا کہ علمائے ہیأت خیال کرتے ہیں اور ایسے بہت سے قرائن ہیں جن سے معلوم ہے کہ یہ لوگ محض بے تکی بات تو نہیں کہتے ؛ پھر فرض کرو کہ مثلاً چاند پر سے جو ہم سے قریب تر ہے ، کوئی آن جان سا آدمی

کسی طرح زمین پر اتر آئے تو وہ یہاں آ کر دیکھے گا کہ روئے زمین پر ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات آباد ہیں مگر انسان باوجودیکہ بہت سی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ضعیف و محتقر ہے ، پر اس کو عقل کا کچھ ایسا ڈھب یاد ہے کہ تمام روئے زمین پر اس نے اپنی حکومت قاہرہ بٹھا رکھی ہے ۔ بڑے بڑے قوی ہیکل اور خون خوار جانور اس کی خدمت کرتے اور جو زیادہ سرکش ہیں ، اس کے ڈر کے مارے جنگلوں میں چھپے پھرتے ۔ وہ کسی چیز کے پیدا کرنے پر تو قادر نہیں لیکن جتنی چیزیں زمین کے اندر اور زمین کے اوپر ہیں ، وہ سب میں مالکانہ تصرّف کرتا ہے ۔ اسی حکومت اور اسی تصرّف کا نام ہے خلافتِ الٰہی ۔ اور اس کا شعور کہ ہم کو اس حکومت کی شائستگی اور تصرّف کی قابلیت دی گئی ہے ، اور حکومت اور تصرف کا انفاذ یعنی انسان کا اپنے تئیں انسان سمجھنا خود داری ہے جو موقوف علیہ ہے دنیا اور دین دونوں کی فلاح اور تکمیل کی ۔ ''نحن رجال و ہم رجال[۱]'' ۔ ''وہاٹ مین ہیز ڈن مین کین ڈو[۲]'' ۔ ان ہی لوگوں کے مقولات ہیں جن کے دلوں میں خود داری کی امنگیں جوش مار رہی تھیں ۔ ہم ہرگز اپنی حالت میں ترقی نہیں کر سکتے تا وقتیکہ ہم کو اس کا اذعان نہ ہو کہ ہم اس سے بہتر حالت میں رہنے کے اہل ہیں ۔ غرض ترقی کی محرّک اول خود داری ہے ۔ آزادی جس کی آواز تمام یورپ میں پڑی گونج رہی ہے اور اس کی بھنگ اب چند روز سے ہندوستان میں بھی سنائی دینے لگی ہے ، اسی خود داری کا نغمۂ دل‌کش ہے ؛ یہی

۱- ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی ۔

۲- جو ایک انسان کر چکا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے ۔

خود داری ہے جو صفحۂ زمین سے غلامی کا نام و نشان مٹا دینے کے پیچھے پڑی ہے ، یہی خود داری قومی عروج اور تنزّل کی شناخت کی معیار ہے ، یہی خود داری ظلم اور انصاف اور حق و ناحق کی پہچان کی کسوٹی ہے ، یہی خود داری مارل فلاسفی[1] بلکہ تمام ادیان کا ما حصل ہے ، یہی خود داری تہذیب و شائستگی کا لُبِ لباب ہے ، یہی خود داری ہم کو اکتسابِ فضائل کی ترغیب دینے والی اور ارتکابِ رذائل سے باز رکھنے والی ہے :

همت بلند دار که پیشِ خدا و خلق
باشد به قدرِ همتِ تو اعتبار تو

ذوق نے اس بارے میں فطرت انسانی کو کیا اچھی طرح بیان کیا ہے :

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست فطرت یہ نہ ہو اور پست قامت ہو تو ہو

مذہب اسلام کی عمدگی کی عمدہ ترین دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کے اصول و فروع میں خود داری کی مراعات عمدہ طور سے کی گئی ہے جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں مل نہیں سکتی ۔ ہم ہندوؤں کو دیکھتے ہیں کہ چاند اور سورج اور آگ اور پانی اور ہوا اور درخت اور ذلیل سے ذلیل جانور سب کے سامنے ماتھا ٹیکنے کو موجود ہیں ، یعنی مذہبِ ہنود کی رو سے آدمی رذیل ترین مخلوقات ہے لیکن مسلمان ایک خدائے نا شاہد اور غیر مرئی کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنا چاہتا اور وہ اپنے ہی تئیں کل مخلوقات میں افضل خیال کرتا ہے اور فی الواقع وہ افضل ہے بھی ۔ صحابہ علیہم السلام بہ تقریب تجارت

۱- فلسفۂ اخلاق ۔

اطراف و اکناف میں جاتے ، لوگوں کو اپنے اعاظم و اکابر کی تعظیم ایک وضع خاص کے ساتھ کرتے دیکھتے اور واپس آ کر حضرت پیغمبرؐ صاحب سے عرض کرتے کہ یا حضرتؐ ! ہم بھی آپ کو سجدہ (تعظیمی) کیا کریں جیسے اہل فارس اپنے بڑوں کے آگے کرتے ہیں ؟ آپ بہ سختی منع فرماتے حتٰی کہ تعظیماً کھڑے ہونے سے بھی ناخوش ہوتے ۔ یہ خود داری کی تعلیم نہ تھی تو کیا تھی ؟ اسلام نے ''السلام علیکم'' کے سوا ہم کو اپنے ابنائے جنس کی اور کسی طرح کی تعظیم نہیں سکھائی ، اگرچہ وہ پیغمبر یا خلیفہ یا امیر یا سلطان یا استاد یا پیر یا اپنا سگا باپ ہی کیوں نہ ہو ۔ ہاتھ اٹھانا یا جھکنا یا الفاظِ آداب وغیرہ سب شیوۂ اعاجم ہے ۔ زید عمرو کو ذلیل کرتا ہے اور بہ قاعدۂ ''فضّلنا بعضکم علٰی بعض'' عمرو کو بکر کے آگے ذلیل ہونا پڑتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ خود داری کسی میں نہ رہی اور سب ذلیل ہوگئے ۔

عیسائی باوجودے کہ بر سر عروج ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں تو خود داری کی تعلیم ان کے یہاں بھی ٹھیک نہیں ۔ احکامِ عشرہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی تیرے داہنے کلّے پر تماچہ مارے تو بایاں کلّہ بھی اس کے سامنے کر دے کہ ''لے اور مار'' اس کو خود داری سے کیا مناسبت اور چونکہ خود داری ایک امر جبلّی ہے ، جن احکام میں اس کی پوری پوری مراعات نہیں ، از قبیل محالات ، صرف کتاب میں لکھنے کے لیے ، ان کی تعمیل نہ کبھی ہوگی اور نہ آئندہ کبھی ہونی ممکن ہے ۔ اب دیکھو کہ اس خصوص میں اسلام کیا فرماتا ہے : ''وما عند اللہ خیر و ابقٰی للذین امنوا و علٰی ربھم یتوکلون و الذین یجتنبون کبائر الا ثم

والفواحش واذا ما غضبوا هم یغفرون۔ و الذین اذا اصابهم البغی هم ینتصرون و جزاء سیّئة سیّئةٌ مثلها فمن عفا واصلح فاجره علی الله انه لا یحب الظالمین ولمن انتصر بعد ظلمه فاولٰئک ماعلیهم من سبیل انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق اولٰئک لهم عذاب الیم ولمن صبر و غفر فان ذالک من عزم الامور"۔

میرے نزدیک ہم مسلمانوں کے تنزّل کا اصلی سبب یہی ہے کہ ہم میں خود داری کی گدگدی نہیں رہی یا اس قدر کم ہو گئی ہے کہ گویا نہیں رہی۔ "محصنات" کے آخر میں جو مرثیہ ہے اس میں ایک بند یہ بھی ہے ؛ معلوم نہیں تمھارا ہے یا میرا۔ اگر تمھارا ہے تو بہت اچھا ہے اور میرا ہے تو بھی برا نہیں۔

افسوس قوم میں عصبیّت نہیں رہی
ہم میں کسی طرح کی مزیّت نہیں رہی
مضبوطیٔ ارادہ و نیّت نہیں رہی
جرأت کہاں سے ہو کہ حمیّت نہیں رہی
ہم میں ہر ایک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لا جرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں

خدا جانے کہاں دیکھا تھا کہ آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی عزت کریں تو چاہیے کہ وہ خود دوسروں کی عزت کرے۔ خیر یہ تو ایک معمولی سی بات ہے "کماتدین تدان"، مگر میں کہتا ہوں کہ اگر آدمی چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی عزت کریں تو چاہیے کہ پہلے آپ اپنی عزت کرے۔

انسان دوسروں کو مغالطہ دے کر بھی ان کی نظر میں معزز ہو سکتا ہے لیکن یہ عزت دھوکے کی ٹٹی ہے : اصلی اور سچی عزت وہی ہے کہ انسان اپنی عزت آپ کرے جس کو میں نے خود داری سے تعبیر کیا ۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ خود داری مارل فلاسفی (علم اخلاق) کا ما حصل ہے ۔ تمام محامد اخلاق میں شاید تم کو خود داری کا امتیاز نہ ہو تو اتنا کیا کم ہے کہ جس میں خود داری نہیں اس میں غیرت نہیں ، قناعت نہیں ، سیر چشمی نہیں ، بلندی نظری نہیں ، شجاعت نہیں ، سخاوت نہیں ، رحم نہیں ، ہم دردی نہیں ، یعنی سیدھی طرح پر ہی کیوں نہ کہا جائے کہ انسانیت نہیں ۔

۱۰۹

آدمی کے تمام افعال معلل بالاغراض ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی مخلوق خود غرض ہے ۔ متقدمین فلاسفہ کا یہی خیال تھا کہ آدمی کے تمام افعال کی محرّک اول اس کی ذاتی غرض ہوتی ہے ۔ جلب منفعت ہو یا دفع مضرّت لیکن ہم اب سے ہزاروں برس پہلے کے لوگوں کے حالات تاریخ میں پڑھتے یا محض اجنبی لوگوں کی (جن کے ساتھ تمام عمر کسی طرح کا تعلق ہونے کی مطلق توقع نہیں) بلکہ جانوروں تک کی مصیبت دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں ۔ ہماری کون سی ذاتی غرض ان کیفیتوں کی (اور یہ کیفیتیں داخل افعال تو ہیں) محرک ہو سکتی ہے ؟ کوئی سی بھی نہیں ۔ یہ خیال کرنا کہ ایسے ہی افعال

ہم پر مؤثر ہوتے تو ہم ان کو اپنی ذاتی غرض کے تعلق سے اچھا یا برا سمجھتے یا جن حالتوں کو دیکھ کر ہم ترس کھاتے ہیں ، اگر ویسی ہی حالتیں ہم پر گزرتیں تو ہم دوسروں سے رحم کے امیدوار ہوتے ، منطیقوں کے عقلی ڈھکوسلے ہیں جن کو وجدانِ سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرے گا ۔ مجھ کو اس سے انکار نہیں کہ انسان میں خود غرضی نہیں ہے بلکہ بہت ہے ؛ میرا مطلب اسی قدر ہے کہ خود غرضی انسان کے تمام افعال کی محرک نہیں ہے ۔ اس مسئلے کا دوسرا پیرایہ وہ ہے کہ افعال کا حُسن و قُبح ذاتی ہے یا نہیں ، یعنی انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں ، وہ افعال فی حدّ ذاتہا اس کے متقاضی ہیں کہ ان میں کوئی اچھا اور کوئی برا سمجھا جائے یا حُسن و قُبح کا مدار نتائجِ افعال ہیں ؟ اس حیثیت سے کہ انسان کے حق میں مورثِ حزن یا منتجِ فرح ہوتے ہیں ، فلسفیوں کے ان گورکھ دھندوں کا سلجھانا آسان نہیں ، مگر تم ان بکھیڑوں میں کیوں پڑو ؛ تم کو اس بات کی ٹوہ لگانے سے کیا فائدہ ہوگا کہ دنیا میں افعال کے حُسن و قُبح کا خیال کیوں کر پیدا ہوا ۔ اس قدر بس کرتا ہے کہ ہم بے غرضانہ انسان کے بعض افعال کو حُسن اور بعض کو قبیح سمجھتے ہیں :

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

میرے نزدیک (اور خوب دھیان لگا کر دیکھو تو میں سمجھتا ہوں تم کو بھی اس کی تصدیق ہو جائے گی) بچوں میں خود غرضی ، یعنی حرص و طمع زیادہ ہوتی ہے ؛ وہ بہت جلد

لالچ میں آ جاتے ھیں اور کوئی چیز کیسی ھی بے قدر کیوں نہ ، اول تو آن کے دل سے نکلتی ھی نہیں اور نکلتی بھی ہے تو مشکل سے ۔ اس سے دو باتیں مستنبط ھوتی ھیں : ایک یہ کہ بے غرضی ان صفتوں میں نہیں ہے جن کے قبول کرنے کے لیے نفس انسانی شروع سے مستعد ھوتا ہے جیسے حیا یا راست گوئی ، دوسرے یہ کہ بچوں کے حال پر قیاس کرنے سے ایسا معلوم ھوتا ہے کہ شروع شروع میں اگر ھمارے ابنائے جنس اس صفت سے بالکل بے بہرہ رہے ھوں تو بھی تعجب نہیں بلکہ میں تو ایسا خیال کرتا ھوں کہ اب بھی وحشی قوموں میں خود غرضی کا رنگ ضرور گہرا ھوتا ھو گا ، لیکن ایک بے غرضی پر کیا موقوف ہے تمام اخلاق حسنہ کا یہی حال ہے کہ جوں جوں آدمیوں میں شائستگی جس کو انگریزی میں سولزیشن کہتے ھیں ، آتی گئی ، اخلاق خیال نکھرتے اور اونچے ھوتے چلے گئے ۔

اب ھم انگریزوں کی نظر میں آدھے وحشی ھیں (ذرا اس بات پر خیال کرنا کہ آدھے وحشی کی جگہ آدھے مہذب کہتے تب بھی وھی مطلب تھا مگر آدھا مہذب چٹکی ہے تو آدھا وحشی نوچنا) اور سچ یہ ہے کہ ھم اپنی دنیاوی حالت کو انگریزوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ھیں تو آدھے وحشی کے خطاب کے بھی اھل نہیں ، لیکن مجھ کو اپنی قوم کا انگریزوں کے مقابلے میں آدھا مہذب (نہیں نہیں) آدھا وحشی ھونا یہیں تک تسلیم ہے (اس سے زیادہ نہیں) کہ ھمارے پاس سلطنت نہیں (اور یہی نہیں کہ نہیں ، بلکہ تھی اور ھم اس کو اپنی نا لیاقتی سے کھو بیٹھے) ، مال نہیں ، مال کے پیدا کرنے کا سلیقہ نہیں ، اور سب سے بڑا رونا اس کا کہ نہ ھونے کا احساس نہیں ؛ جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ قومی حالت کی درستی کی توقع نہیں ، مگر با ایں ھمہ خدا کا شکر

ہے کہ اخلاق خیالات میں ہم ، انگریز کیا روئے زمین کی کسی قوم سے ہیٹے نہیں ، اور ہیٹے ہو نہیں سکتے کیوں کہ ہمارے اخلاق خیالات جزو مذہب ہیں ۔ خدا نہ خواستہ ہمارے اخلاق خیال ہیٹے ہوں تو لازم آئے کہ اسلام ہیٹا ہو ، حالاں کہ اسلام کی نسبت مخبر صادق کا فرمودہ ہے " ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہ " میں تم کو قرآن کے چند مقامات کا نشان دیتا ہوں :

(۱) "ویطعمون الطعام علی حبّہ مسکینا و یتیما و اسیرا ۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزاء ولا شکورا "۔ علی حبّہ کے مرجع میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ۔ بعض نے طعام اور بعض نے خدا کو مرجع ٹھیرایا ہے ، اگر طعام مرجع قرار دیا جائے تو معنی میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے ، جس کی تائید ایک جگہ اور بھی ہے : "ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ " ۔

(۲) "ویجنّبھا (النار) الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی و مالاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ "۔

(۳) "ولا یخافون لومۃ لائم "۔

اسی طرح تتبّع کیا جائے تو قرآن میں بہت سے مقامات نکلیں گے جن سے ظاہر ہو گا کہ شارع اسلام نے بڑے شد و مد کے ساتھ ہم کو بے غرضانہ نیکی کی تعلیم کی ہے ۔

(۴) "ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ " ۔

اب سوچو کہ جب انسان کا ذاتی مفاد محرک نیکی نہ ہوا تو دوسرا کون سا خیال محرک ہو سکتا ہے ۔ اس خیال کو

انگریزی میں ''سینس آف ڈیوٹی[۱]'' کہتے ہیں، یعنی آدمی ایک فعل کرتا ہے، صرف اس خیال سے کہ وہ اس کو اپنا ڈیوٹی یعنی فرض سمجھتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان غلطی سے کسی فعل کو اپنا ڈیوٹی سمجھ لے، اس پر بھی سنس آف ڈیوٹی ایک عمدہ اور بہت بہ کار آمد قوت ہے اور اس کو جہاں تک ہوسکے کلٹیویٹ[۲] کرنا چاہیے، کیوں کہ سنس آف ڈیوٹی ارادے کی جان، غفلت کا تازیانہ، افعال کا صلۂ نقد اور نتیجۂ عاجل، دل کی تسلی، حلّال مشکلات، میسر صعوبات اور آدمی کے کردار کا محتسب اور کاتب الاعمال ہے۔ انسان کی زندگی میں ایسا کوئی معاملہ پیش آ نہیں سکتا جس میں فوراً اس کا کانشنس[۳] (وجدان) اس کو بتا نہ دے کہ تیرا ڈیوٹی یہ ہے ''استفت قبلک''۔ اگر کانشنس نے ڈیوٹی کی تعین میں غلطی بھی کی تاہم انسان ''ڈکٹیٹس آف دی سنس آف ڈیوٹی[۴]'' کے مطابق عمل کرنے سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ الغرض مثل فلاسفی[۵] مارل فلاسفی کی کتابوں میں فلاسفہ کی موشگافیاں دیکھ کر کہیں ہمارے اخلاق سٹینڈرڈ کو کہ وہ شعبۂ دین ہے، قیاساً علی الدلیا 'لو[۶]' مت سمجھ لینا۔ ہم دنیا کے اعتبار سے ناقص اور ادھورے ہیں مگر دین میں کامل اور پورے ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً''۔

۱- Sense of Duty

۲- Cultivate

۳- Conscience

۴- Dictates of the sense of duty

۵- Mental Philosophy

۶- Low

ہے کہ اخلاق خیالات میں ہم ، انگریز کیا روئے زمین کی کسی قوم سے ہیٹے نہیں ، اور ہیٹے ہو نہیں سکتے کیوں کہ ہمارے اخلاق خیالات جزو مذہب ہیں ۔ خدا نہ خواستہ ہمارے اخلاق خیال ہیٹے ہوں تو لازم آئے کہ اسلام ہیٹا ہو، حالاں کہ اسلام کی نسبت مخبر صادق کا فرمودہ ہے " ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہ " میں تم کو قرآن کے چند مقامات کا نشان دیتا ہوں :

(۱) "ویطعمون الطعام علی حبّہ مسکینا و یتیما و اسیرا ۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ لانرید منکم جزاء ولا شکورا "۔ علیٰ حبّہ کے مرجع میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ۔ بعض نے طعام اور بعض نے خدا کو مرجع ٹھہرایا ہے ، اگر طعام مرجع قرار دیا جائے تو معنی میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے ، جس کی تائید ایک جگہ اور بھی ہے : "ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ " ۔

(۲) "ویتجنّبھا (النار) الا تقی الذی یوتی مالہ یتزکی و مالا حد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الا علیٰ "۔

(۳) "ولا یخافون لومۃ لائم "۔

اسی طرح تتبّع کیا جائے تو قرآن میں بہت سے مقامات نکلیں گے جن سے ظاہر ہوگا کہ شارع اسلام نے بڑے شد و مد کے ساتھ ہم کو بے غرضانہ نیکی کی تعلیم کی ہے ۔

(۴) "ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ " ۔

اب سوچو کہ جب انسان کا ذاتی مفاد محرکِ نیکی نہ ہوا تو دوسرا کون سا خیال محرک ہو سکتا ہے ۔ اس خیال کو

انگریزی میں ''سینس آف ڈیوٹی[۱] '' کہتے ہیں ، یعنی آدمی ایک فعل کرتا ہے ، صرف اس خیال سے کہ وہ اس کو اپنا ڈیوٹی یعنی فرض سمجھتا ہے - ممکن ہے کہ انسان غلطی سے کسی فعل کو اپنا ڈیوٹی سمجھ لے ، اس پر بھی سنس آف ڈیوٹی ایک عمدہ اور بہت بہ کار آمد قوت ہے اور اس کو جہاں تک ہوسکے کلٹیویٹ[۲] کرنا چاہیے ، کیوں کہ سنس آف ڈیوٹی ارادے کی جان ، غفلت کا تازیانہ ، افعال کا صلۂ نقد اور نتیجۂ عاجلی ، دل کی تسلی ، حلّال مشکلات ، میسر صعوبات اور آدمی کے کردار کا محتسب اور کاتب الاعمال ہے - انسان کی زندگی میں ایسا کوئی معاملہ پیش آ نہیں سکتا جس میں فوراً اس کا کانشنس[۳] (وجدان) اس کو بتا نہ دے کہ تیرا ڈیوٹی یہ ہے ''استفت قبلک'' - اگر کانشنس نے ڈیوٹی کی تعین میں غلطی بھی کی تاہم انسان ''ڈکٹیٹس آف دی سنس آف ڈیوٹی[۴]'' کے مطابق عمل کرنے سے بری الذمہ ہو جاتا ہے - الغرض منٹل فلاسفی[۵] مارل فلاسفی کی کتابوں میں فلاسفہ کی موشگافیاں دیکھ کر کہیں ہمارے اخلاق سٹینڈرڈ کو کہ وہ شعبۂ دین ہے ، قیاساً علی الدلیا 'لو[۶]' مت سمجھ لینا - ہم دلیا کے اعتبار سے ناقص اور ادھورے ہیں مگر دین میں کامل اور پورے ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً''-

---

۱- Sense of Duty

۲- Cultivate

۳- Conscience

۴- Dictates of the sense of duty

۵- Mental Philosophy

۶- Low

تقریظات

موعظۂ حسنہ کا رویو

جناب مولوی سید محمد خاں صاحب بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ
عظیم آباد کے قلم آزاد رقم سے

بالفعل جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب بہادر مصنفِ مشہورِ دہلی کی ایک نہایت مفید بہ کار آمد اور عمدہ کتاب میری نظر سے گزری - یہ وہ دل چسپ مجموعۂ مکتوبات ہے کہ جس کو مولوی سید محمد عبدالغفور صاحب شہباز نے اپنے خاص اہتمام سے مرتب فرما کر مطبع قومی پریس میں چھپوایا ہے اور جس کا اشتہار آج کل بعض بعض اردو اخباروں میں نظر افروز ہے - جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کو آردو کی انشا پردازی کی دنیا میں ایک مصنف ہونے کی حیثیت سے ایسی غیر معمولی ، بجا اور رشک انگیز کام یابی حاصل ہوئی ہے ، کہ جس کی نظیر ان دنوں مشکل سے ملے گی اور مجرّد آن کا نام نامی کتاب کے مقبولِ خاص و عام ہونے کے لیے کافی ضمانت ہے - اس پر اس کتاب کو ایک ایسے ذہین ، قابل اور شوخ طبع نوجوان نے مرتب کیا ہے کہ آس کی متانتِ رائے ، صفائی خیالات اور قدرتِ تحریری سے بھی بہت سے قابل لوگ اکثر مشہور مقامات اور تہذیب یافتہ حلقوں میں واقف ہیں اور آس کی شرکت ایک ایسے فرخندہ فرجام کام میں آس کی عمدگی کی عمدہ سرسری دلیل ہے - گو مجھے آس غور اور توجہ سے اس کتاب کے مطالعے کی نوبت نہیں آئی کہ جس کی یہ مستحق ہے اور نہ میری

یہ غرض کہ میں اس کا کوئی جامع اور حاوی رویو لکھوں لیکن بہ ہرکیف جس قدر موقع کہ مجھے اس کتاب کے دیکھنے کا ملا ہے اور اس میں میری جو سرسری رائے کہ اس کی نسبت قائم ہوئی ہے ، اس کو آزادانہ قلم بند کر دینا مناسب جانتا ہوں ۔

اس کتاب میں وہ نصیحت آمیز اور جواہر ریز مکتوبات ہیں کہ جو مصنف ''مرآۃ العروس'' نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس کے زمان طالب العلمی میں بہ نظر اس کی تعلیم اور تہذیب اخلاق کے لکھے ہیں ، اور جن میں حکیمانہ اصول سے اس کے خیالات کی بلندی و پستی اور اس کی غلطیوں کو نہایت دردمندانہ اور پُر اثر عبارت میں بتایا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ان کو ایسے رقعات کے لکھنے کی ضرورت تھی اور شاید ان سے بہتر اس کام کے لیے بہت کم لوگ تھے ۔ اوّلاً اس قسم کی کتاب اردو زبان میں بہت کم بلکہ نایاب ہے اور ثانیاً بعض قابل اور مشہور زبان دانوں اور تجربہ کار شاعروں کے مکتوبات جو جمع کیے گئے ہیں ، ان کی بہ خیال شستگیٔ عبارت و شیرینی و صفائی زبان جو کچھ مدحت کی جائے مگر ان کے سارے مطالب اور مضامین کبھی اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی تہذیب یافتہ رغبت سے ان کو دیکھ سکے یا لوجوانوں کو ان کے پڑھنے کی اجازت دے سکے ۔ ہاں اگر ان سے کوئی ویسے تہذیب سوز مضامین نکال ڈالے تو البتہ ان کے منتخب حصے عام کے لیے مفید اور ملک کے فن ادب کی ترقی کے لیے معین ہو سکتے ہیں اور میرے نزدیک اس انتخاب کی بہت اشد ضرورت ہے ، کیوں کہ فرط عام پسندی سے لوگ بعض ویسی کتابوں کو نہایت شوق سے دیکھتے ہیں ۔ ''موعظۂ حسنہ'' میں کیسے دردمندانہ ، آزادانہ اور حکیمانہ پیرائے میں ایک نوجوان کو مختلف امور ضروری کی تعلیم کی گئی ہے اور اس کی ہمت کو کس خوبی سے ترقی کے

زینے پر چڑھایا گیا ہے اور اُس کے پست حوصلے اور کام چور دل کو کس شائستہ عنوان سے نصیحت اور ملامت کی دھیمی دھیمی آنچ سے بڑھایا گیا ہے ۔ ان مکتوبات میں معلومات کا ایک بڑا خزانہ اور لڑکوں کے مرغِ خیال کے لیے بہت کچھ تازہ ، مزے دار اور شاداب آب و دانہ ہے ۔ عبارت کی قوت اور لطافت ، بندش کی چستی ، محاورات کی خوبی ، زبان کی پاکیزگی ، مضامین کی متانت ، جائز اور ضروری ظرافت کی شوخی ، نصائح کی دل پزیری اور تسلسل و آزادیٔ خیالات میں یہ مکتوبات میری رائے میں اس قسم کی کتابوں میں بے مثل ہیں ۔ خداوندکریم مسلمان باپوں کو اپنے بیٹوں سے اس انداز سے نامۂ و پیام کرنے کی لیاقت اور صلاحیت دے ۔ بہت کم تربیت یافتہ اور قابل لوگوں کا خیال ہندوستانیوں میں ایسے امور کی طرف متوجہ ہے ۔ عمدہ کالج میں لڑکوں کا داخل کر دینا ، عمدہ ماسٹر یا مولوی کا گھر میں نوکر رکھ دینا اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لیے اعلیٰ درجے کا سامان سمجھتے ہیں ؛ حال آں کہ ہر ایک باپ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنی اولاد کی تعلیم میں اپنے قلم اور زبان اور اپنے کردار و گفتار کی نظیر سے ہمیشہ مدد لے ، اپنے خیالاتِ ناقص کی اصلاح میں ہمیشہ مشغول رہے ۔ اگر ہمارے ملک کے تربیت یافتہ لوگ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے ان مکتوبات سے ایک یادگار اور پُر منفعت سبق لیں تو بجا ہے کیوں کہ یہ مکتوبات اُن کو دکھا اور بتا دیں گے کہ تربیت یافتہ باپ کا کام فقط منی آرڈر بھیجنا یا اپنے لڑکے کو بہ صرفِ زرِ کثیر بے امتیازی سے ولایت روانہ کرنا نہیں ہے ، بلکہ باپ اپنی اولاد کی اصلاحِ خیالات و عقاید و خصائل کا بہت بڑا جواب دہ معلم اور اتالیق ہے اور وہ اپنی اس خدمت سے کبھی پہلوتہی نہیں کر سکتا ۔ باوجود کثرتِ مشاغل اور اتنی تصانیف بلند و مشکل کے

صاحب ''موعظہ حسنہ'' کو اس کی فرصت ملتی تھی کہ اپنے پیارے بیٹے کو ایسے مراسلات بھیجا کرتے کیوں کہ آن کو اپنی یہ جواب دہی اور اپنے کلام کی قوت تاثیر بہ خوبی معلوم تھی ۔ یہ کتاب لڑکوں اور بوڑھوں دونوں کے پڑھنے کے لائق ہے اور سوائے فائدے کے اس سے کسی طرح کے ضرر کا گمان نہیں ہے ۔ یہ مکتوبات گو ایک خاص لڑکے کے لیے لکھے گئے تھے مگر خدا جانے کتنے ہزار نوجوان ان سے فائدہ آٹھائیں گے اور کتنوں کے یہ کام آئیں گے ۔ اس قسم کی چیزوں کی ہم مسلمانوں میں بہت بڑی ضرورت ہے اور ضرور ہے کہ جس قابل آدمی کے مکتوبات اور سوانح عمری میسر آئیں آن کو اہتمام سے جمع کرکے زیور طبع سے آراستہ کیا جائے ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ ہر سردار خاندان کا واجبی کام ہے کہ ہر ایسے لڑکے کو جو آس کو پڑھ کر سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے ، اس کی ایک جلد لے کر دے اور اس کے پڑھنے کی نسبت آس کو تاکید کرے ۔ میں آس زمانے کے دیکھنے سے بہت خوش ہوں گا جب کہ یہ کتاب مدرسوں اور اسکولوں میں نصاب میں داخل کی جائے کیوں کہ اس کے پڑھنے سے طلبا کو چند در چند نفع حاصل ہوگا ۔ فقط

مقام باقی پور ۔ مہندرو
۸- تحریر ماہ اگست ، ۱۸۷۸ء

جناب مولوی نذیر احمد صاحب خان بہادر کی کتاب
موعظۂ حسنہ کا ریویو جناب شمس العلما
مولوی محمد حسین صاحب آزاد کے
کلک مرصّع سلک سے

موعظۂ حسنہ

اس کتاب کو جو ابھی چھپ کر مشتہر ہوئی ہے ، میں نے دیکھا ۔ ہندوستان کے خاندانوں اور اُن کے نوجوانوں کی سقیم حالت دیکھ کر ایسی تصنیفات کا پھیلانا جزو مصلحت ہے ، اس لیے قلمِ آزاد پر واجب ہوا کہ اپنا فرض ادا کرے ۔

یہ ایک فاضل سن رسیدہ مصنف کے خط ہیں جس نے کاروبارِ زمانہ کو ہر حال میں دیکھا اور سمجھ کر دیکھا ، برتا اور سمجھ کر برتا ۔ ان میں عبارت آرائی یا ترتیب انشاء کے لیے فرضی مطالب کو فقروں میں نہیں ڈھالا ۔ اصلی خط ہیں کہ پیارے باپ نے پیارے فرزند کو سچی ضرورتوں اور واقعی مواقع پر بے تکلف عبارت میں کھلے دل سے تحریر کیے ہیں جو کہ وقت بہ وقت اور روز بہ روز حالت عنفوان میں ہر ایک شریف خان دانی کو پیش آتے ہیں ، اس واسطے نو خیز جوانوں کے لیے نسخہ ہے تقویت دماغ ، پرورش عقل اور ورزش فکر کا ۔

فاضل مصنف عالم تجربہ کار طبیب اور زبانے کا عمدہ نبض شناس ہے۔ دیکھتا ہوں کہ جس طرح نو رفتار بچے کو آنگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں، وہ اپنے نو فہم ناز پروردہ کو مسافت فکری میں چلنا سکھا رہا ہے۔ اس میں قدم قدم کہیں روکتا ہے مگر حکمت عملی کے ساتھ، کہیں بڑھاتا ہے مگر ذوق و شوق بڑھا کر، کہیں ہٹاتا ہے مگر خوش نما مصلحت دکھا کر اور مجھے کو نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی عامل مجھ پر میری خواهش یا حالت موجودہ کے مخالف عمل چاهتا ہے۔ یہ ہدایتیں زیادہ تر تعلیم، طریق تعلیم، سلسلۂ تعلیم، انضباط اوقات اور کہیں کہیں مسائل علمی پر بھی مشتمل ہیں۔ اکثر اعمال و اطوار و اخلاق پر مؤثر ہیں۔ اکثر تدبیر المنزل یعنی گھر والوں کے لیے گھر کے کاروبار میں انتظام اور اصلاحیں ہیں۔ انہیں معمولی لوگوں کی طرح دلیلیں لکھ کر ثابت نہیں کیا، فقط طرز بیان اور انداز ادا دلوں سے تسلیم اور قبول حاصل کرے گا۔

نوجوان لڑکے یا بصیرت طلب انسان کو راہ زندگی میں بہت نشیب و فراز آتے ہیں اور سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا کرے؛ کہیں پھیر کھاتا ہے اور کہیں ٹھوکر کھاتا ہے۔ یہ مجموعہ آسے مواقع مذکورہ سے ہاتھ پکڑ کر نکال لے جائے گا۔ الله الله! ایک دن وہ تھا کہ آزاد بہ مقتضائے سن خود ایسے رہ نما کا محتاج تھا، آج سب منزلیں طے ہو گئیں لیکن پھر محتاج کا محتاج:

دریں تعلیم شد عمر و هنوز ابجد همی خوانم
نہ دانم کے سبق آموز خواهم شد بہ دیوانش

دیگر

پڑھتا ہوں ایک مطلع و مقطع میں حسب حال
دیکھے تماشے میں نے جو ملک وجود کے

اک دن وہ تھا کہ ٹوٹے تھے دانت دودھ کے
پھر یہ ہوا ، گزرنے لگی کھیل کود کے

اب حال یہ ہے عالمِ پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

مقام لاہور — راقم

تحریر ماہ اگست ، ۱۸۸۷ء — بندۂ آزاد محمد حسین

تقریظ نظم از قلمِ نیاز رقم جامعِ ایں اوراق

ہو جو تصنیف تو ایسی ہو کہ اک دھوم ہے آج
ہے سرِ لوح پہ شہرت کا چمکتا ہوا تاج
نہیں یہ لوح ، فصاحت کا ہے چینی ارژنگ
نہیں یہ لوح ، بلاغت کا ہے رومی دیباج
کیوں نہ ہو ، آس کے یہ خط ہیں جسے فرهنگ فرنگ
کیوں نہ ہو ، آس کے یہ خط ہیں جسے ہے ملک کی لاج
آس کے خط ہیں جسے معلوم علوم اور فنون
آس کے خط ہیں جسے محفوظ رسوم اور رواج
آس کے خط ہیں جسے مشرق میں ہے مغرب کی سمجھ
آس کے خط ہیں جسے دھلی میں ہے لندن کا مزاج
آس کے خط ہیں جو ہے امراضِ دماغی کا طبیب
آس کے خط ہیں جسے معلوم ہے خاطر کا علاج
آس کے خط ہیں جسے ہے کشورِ شہرت میں عروج
آس کے خط ہیں جسے ہے عالمِ تصنیف میں راج
آس کے خط ہیں جو ہے اقلیمِ معانی کا امیر
آس کے خط ہیں جسے دیتا ہے سخن باج و خراج
آس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے سخن کے خواہاں
آس کے خط ہیں کہ ہیں سب جس کے قلم کے محتاج

اُس کے ہیں خط ، ہے زبان جس کی بلاغت معجز
اُس کے ہیں خط ، ہے جسے عقل کی حاصل معراج
اُس کے خط ہیں جسے تالیف ہے خرما و ثواب
اُس کے خط ہیں جسے تصنیف ہے اک پنتھ دوکاج
اُس کے ہیں خط کہ جو ہے بہر زکی دودھ میں کھانڈ
اُس کے ہیں خط کہ جو ہے بہر غبی کوڑھ میں کھاج

اُس کے خط ہیں ، ہے اثر جس کو کبوتر کی جگہ
وہ کبوتر ہے فصاحت جسے شہ پر کی جگہ

ہیں یہ خط اُس کے بھلے کو جو ہے پروردۂ ناز
باپ کا لختِ جگر ، نورِ نظر ، عمر دراز
دانش آموز تھا جب مدرسۂ دہلی میں
شفقت تھی اُسے لکھتی یہ خطِ روح نواز
جب کہ بہکاتی تھی نا تجربہ کاری اُس کو
تجربہ بڑھ کے بتاتا تھا نشیب اور فراز
ہارتی تھی کبھی ہمت جو طبیعت اُس کی
کرتی تنبیہ تھی دروازۂ ناکامی باز
کبھی انداز سے پڑتا تھا قدم گر باہر
ادب آتا تھا بتانے اُسے حُسنِ انداز
جھکتا اسفل کی طرف تھا جو کبھی مُرغِ نظر
عرشِ اعلیٰ کی سجھاتا تھا خرد کا شہباز
ساحل علم پہ ہوتی تھی اگر تشنہ لبی
گھول کر خضر[۳] پلا جاتے تھے اک دفترِ راز
کبھی شوق اُس کا بڑھا دیتا تھا ذوقِ تسوید
کبھی ذوق اُس کو بنا دیتا تھا انشاء پرداز

کبھی تھی باغِ مضامیں میں آسے نزہتِ فارس
کبھی تھی بیتِ معانی میں آسے سیرِ حجاز
کبھی لندن میں وہ کرتا تھا خیالی گلگشت
کبھی دھلی میں وہ کرتا تھا خیالِ شیراز
کبھی آزادی سے ادیان پہ دیتا تھا وہ رائے
کبھی دیں داری سے مسجد میں وہ پڑھتا تھا نماز
کبھی تدبیر میں دنیا کی وہ ھوتا مصروف
کبھی تعمیر کو عقبیٰ کی وہ کرتا آغاز
الغرض آس میں بہ دولت انھی مکتوبوں کی
آ گئیں آن میں ساری صفتیں خوبوں کی
جانتے ھیں اسے جو لوگ کہ ھیں رمز شناس
نہیں مکتوب یہ ھے دفترِ تعلیم اساس
اس کی تعلیم ھے تعلیمِ اتالیقِ شفیق
اس کی تادیب ادب آموزیوں میں فرسٹ کلاس
آس کے پڑھ لینے سے جاتی ھی نہیں علم کی بھوک
آس کے سن لینے سے بجھتی ھی نہیں علم کی پیاس
یہ بڑھائے تو ھمیشہ رھے بڑھتا ھؤا دل
یہ بندھائے تو ھمیشہ رھے بندھتی ھوئی آس
یہ ھو نزدیک تو کچھ دور نہیں عمر کی قدر
پاس یہ ھو تو بس آسان ھے اوقات کا پاس
ھے کبھی اجر کی تحریص سے تلقینِ شکیب
کبھی تشویش زیادت سے ھے تعلیم سپاس
اس سے عادات کی اصلاح ھے بے عد و شمار
اس سے اخلاق کی تہذیب ھے بے حد و قیاس

اس سے ناداں میں حکیموں کی ہے پیدا خُو بُو
اس سے انساں میں فرشتوں کی ہے ظاہر بُو باس

یہ وہ ہے نخل، عَسَل ریز ہے نا چیز درخت
یہ وہ آہو ہے کہ ہے مُشک فشاں سوکھی گھاس

نہیں حکمت پہ[1] یہ ہے موجبِ تصحیحِ نظر
نہیں منطق، پہ یہ ہے باعث اصلاحِ قیاس

جب کیا ہے کبھی تلخیِ نصیحت نے ترش
گھول دی ہے وہیں شوخیِ عبارت نے مٹھاس

آس کی جتنی ہے فضیحت وہ ہے مصری کی ڈلی
اس کی جتنی ہے نصیحت وہ ہے شربت کا گلاس

پند ہے لیک بھرے اس میں مزے قند کے ہیں
لطف ہر پند میں لقمان کے صد پند کے ہیں

ہے یہی نامۂ و پیغامِ نصیحت فرجام
ہے یہی موعظۂ موردِ تحسین[2] انام

ضبط خوبی سے اسی میں ہیں اصولِ ترغیب
شوق افزائی میں ہر جا ہے اسی کو ابرام

کہیں بد شوقوں سے یہ یاد کراتی ہے سبق
بد زبانوں کے کبھی منہ میں یہ دیتی ہے لگام

۱- 'پہ' مخفف ہے 'پر' کا -
۲- 'تحسین' سے اشارہ ہے 'حسنہ' کی طرف جو 'موعظہ' حسنہ'
کے نام کا جزو دوم ہے - 'حسنہ' اس بحر میں 'موعظہ' کے ساتھ
بے تکلف موزوں نہیں ہو سکتا تھا اس لیے یہ پیرایہ اختیار
کیا گیا -

سنگ ریزوں سے مثاتی ہے کہیں یہ لُکنت
لاتی پوڈر[1] سے کہیں ہے یہ شفا کا پیغام
کہیں کرتی ہے گھڑی بن کے یہ حفظ اوقات
بن کے عینک یہ دکھاتی ہے کہیں چرخ کا بام
کہیں گفتار کی تلقین میں ہے بلبلِ باغ
کہیں رفتار کی تعلیم میں ہے کبک خرام
کبھی ہے مشغلۂ صرف میں یہ ''ما یغنیک[2]''
کبھی ہے مرحلۂ نحو میں ''توضیح[3] مرام''
کبھی ہے دفتر[4] انگریزی میں یہ حیلۂ[5] رزق
کبھی ہے عسکر تازی میں شعار[6] اسلام

۱- 'گوآ پوڈر' کی طرف اشارہ ہے جس کا بعض مکتوب میں ذکر ہے -

۲- ''ما یغنیک فی الصرف'' زبان اردو میں فن صرف کی ایک کتاب ہے صاحب موعظہ سے - تمام مسائل ضروریہ صرف کو حاوی اور نہایت عام فہم اور خوش نظم -

۳- ''توضیح المرام'' مولوی علی احمد صاحب برادر صاحب موعظہ کی ایک کتاب ہے جس میں تمام اُن مسائل نحو کو جو ''شرح مُلّا جامی'' میں نہایت مغلق اور دشوار پسند طور پر مذکور ہیں ، نہایت ہی سلیس اور عام فہم طور پر کمال وضاحت کے ساتھ زبان اردو میں بیان کیا ہے -

۴- ایک نسخے میں 'دفتر' کی جگہ 'مطبخ' ہے -

۵- ایک نسخے میں 'حیلہ' کی جگہ 'چمچہ' ہے -

۶- جنگ اور سفر میں کسی قوم کی شناخت اور علامت ، وردی -

آئے جب ذکر حد[1] علم ، سر آئزک[2] نیوٹن
لائیں جب اگلے زمانے کے صُحف ، ابن[3] سلام
ہے بیاھوں کے لیے یہ کہیں شادی کا تباہ
بن بیاھوں کے لیے ہے کہیں شادی کا پیام
کبھی تقدیر سے دیتی ہے یہ تدبیر کو زک
کبھی تدبیر سے لیتی ہے یہ تقدیر کا کام
اس کو فرصت میں بھی ہر لمحہ خیال اشغال
اس کو محنت میں بھی ہر لحظہ لحاظ آرام
حرکت میں ہے سکوں ، گہ یہ سکوں میں حرکت
گہ سکوں میں ہے سکوں ، گہ حرکت میں برکت

مقام باقی پور ، مہندرو
فکر ماہ ستمبر ، ۱۸۸۷ء

۱- یہاں 'حد' پایان اور تعریف منطقی دونوں معنوں میں منطبق ہے ۔

۲- انگلستان کے ایک مشہور متبحر حکیم کا نام ہے جس نے مرتے وقت فراوانی علم کی نسبت یوں بیان کیا کہ ''ہر چند میں نے عمر دراز پائی اور بہت کچھ اوقات تحصیل علم و حکمت میں گنوائی لیکن پھر بھی دریاے ناپیدا کنار علم تک نہ پہنچ سکا اور پڑا کنارے ہی پر کچھ خوش رنگ سنگ ریزے چنا کیا'' ۔

۳- عبداللہ بن سلام سے عبارت ہے جو مدینے میں یہود کے بڑے عالم تھے اور مشرف بہ اسلام ہوئے ۔

ضمیمہ

''موعظۂ حسنہ'' کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۸۷ء قومی پریس لکھنؤ) میں کچھ ایسے خطوط ہیں جو بعد کے ایڈیشن میں کسی مصلحت سے شامل نہیں کیے گئے۔ وہ تمام خطوط علی الترتیب یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ (مرتب)

۱

غازی آباد میں رفیع الدین کا ساتھ ہوا اور ہم لوگ مع الخیر الہ آباد پہنچے۔ تنقیح رخصت کے لیے یہاں قیام کرنا شاید کل ضرور ہو۔ میں گھڑی تم سے بہ ضرورت لایا، تم جانتے ہو کہ مجھ کو شوق نہیں۔ ان شاء اللہ تم کو نئی گھڑی خرید دوں گا۔ میں ان شاء اللہ تم کو اپنے حالات و منازل سے مطلع رکھوں گا۔ پڑھنے میں غفلت و کاہلی مت کرنا۔ والسلام، فقط۔

۲۲۔ اپریل، ۱۸۷۶ء

۲

برسوں سے ہمارے ہاں ساڑھے تین سیر کا نرخ ہے اور یہ بھی آج گھٹا کل گھٹا۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نرخ انتظام ملک میں کیا فتور ڈال سکتا ہے۔ یہاں کی حالت دیکھ کر مجھ کو سخت وحشت ہوتی ہے۔ اول تو یہ گرانی برداشت نہیں ہو سکتی اور پھر اس اجنبی ملک میں ہر طرح کا خطر نظر آتا ہے۔ عموماً کل ہندوستانی دکھنیوں کی نظر میں خار ہیں؛ خصوصاً وہ جو

خدمات جلیلہ پر ممتاز ہیں ۔ پس جس ملک کا در و دیوار اور زمین و آسمان دشمن ہو ، وہاں ایسے پُر خطر وقت میں رہنا مجھ کو ہرگز مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔ اس سلطنت کو ہرگز انگریزی سلطنت پر قیاس مت کرو ۔ وہاں نرے ایک قحط کی آفت ہوگی اور یہاں ایک قحط کے ساتھ سیکڑوں آفتیں ہیں ۔ آمدنی کے ابواب بالکل مسدود ہیں ، خزانے کا جو حال ہے سو معلوم ، قحط زدوں کے پیٹ سے زیادہ خالی ۔

۱۹ - شعبان ۱۲۹۴ھ

۳

میں نے جیسا تم کو پہلے چند بار لکھا تھا ، میں بنگلور آیا ۔ یہ جگہ میسور پراونسز کا دارالحکومت ہے ۔ راجا میسور نابالغ ہیں اور پراونس بہ طور کورٹ آف وارڈز سرکار انگریز کے پاس ہے ۔ تمہارے پاس کوئی نقشہ ہو تو دیکھو کہ میں کس جگہ ہوں ۔ میرے پاس ایک نقشہ ہے جو ریل روڈ دکھاتا ہے ۔ دلی سے یہاں تک ریل ہے مگر عجیب پیچیدہ اور خم دار راہ ہے کہ مسافت اضعافاً مضاعفہ طے کرنی پڑتی ہے ۔ میں یہاں ایک نہایت عمدہ و عالی شان مکلف آراستہ مکان میں ہوں ، صرف رمضان علی ساتھ ہے ، تنہائی سے گھبراتا ہوں ۔ فقط

۲۷ - اپریل ۱۸۷۸ء ، از بنگلور

۴

عربی کا خط جس کو میں نے بعد الاصلاح واپس کیا ، مجھ کو خیال آتا ہے کہ ایک غلطی لکھنے سے رہ گئی ؛ وہ یہ کہ تم نے اپنے خط کو یوں شروع کیا ''الی الجناب الفلان من فلان'' اور چاہیے ''من فلان الی الفلان'' کیوں کہ

'من' ابتداے غایت کے لیے ہے اور 'الیٰ' انتہاے غایت کے واسطے، اور ابتدا پہلے ہے انتہا سے اور قاعدہ ہے کہ چیزوں میں جو ترتیب قدرتی ہے ، تحریر میں اس کا لحاظ ضرور ہے - جیسے " فرام ٹاپ ٹو فٹ " اس کو اگر آلٹا لکھو " فرام فٹ ٹو ٹاپ " تو غلط ہوگا - تمھارے خطوط میں بہت سی غلطیاں سہل انگاری سے رہ جاتی ہیں - اگر بہ تامل نظرثانی کر لیا کرو تو ضرور تم خود ان کو درست کر لیا کرو - انگریزی میں جو کچھ فائدہ تم کو حاصل ہوتا ہو ، میں اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا لیکن اتنا تو ہے کہ تمھاری عربی گرتی جاتی ہے - جو میرا فرض ہے ، میں نے ادا کیا اور کرتا جاتا ہوں ؛ اس واسطے کہ بے ادا کیے مجھ سے رہا نہیں جاتا - خدا کرے کہ تم کو بھی اس کا خیال ہو کہ تم کو اقران و امثال میں نمود و امتیاز پیدا کرنے کی کس قدر ضرورت ہے -

۵

میں ابھی تک مدراس میں ہوں لیکن ۱۰ جون حیدر آباد کی روانگی کے واسطے مقرر کر چکا ہوں - میں پسند نہیں کرتا کہ تم کو بے انٹرنس پاس کیے دلّی سے بلا لوں اور بیوی صاحب کی مفارقت تم پسند نہ کرو گے - نتیجہ ان دو مقدموں کا یہ ہے کہ جب تک تم انٹرنس پاس کرو ، سب دھلی میں رہو - حیدر آباد جا کر میں رخصت کے واسطے پھر تحریک کروں گا مگر خوب توقع نہیں کہ رخصت ملے - نواب صاحب سمجھتے ہیں کہ یہ بھاگنا چاہتا ہے ، اور سچ یہ ہے کہ مجھ کو بھی خوب اطمینان نہیں کہ ایک دفعہ ہندوستان جا کر دوبارہ دکن آؤں گا - بہرکیف اگر رخصت نہیں ملی اور غالب ہے کہ نہیں ملے گی تو تم لوگوں کے آنے کا کیا بندوبست کیا جائے کہ تمھارا پڑھنا بھی بند نہ ہو - یہاں آئے تو سمجھو کہ وہ سلسلہ منقطع ہوا - فقط

۴ - جون ، ۱۸۸۹ء

٦

میاں بشیر! کہاں تم نے مجھ کو پھینکا کہ ایک برس ایک عمر مصیبت مند کی طرح کٹا ہے ۔ میں نے کچھ روپیہ کمایا جس کو میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری زندگی میں ہرگز میرے کام آنے والا نہیں مگر اس کو عافیت اور اطمینان بیچ کر پیدا کیا ۔ اس کا میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں یہاں کسی طرح خوش نہیں رہ سکتا اور یہ جگہ ایسی نہیں ہے کہ کوئی شریف ایمان دار یہاں خوش رہ سکے ۔ ہم راھی اصرار کر رہے ہیں ورنہ میرا جی مطلق یہاں رہنے کو نہیں چاہتا ۔ فقط ۔

۷

تم نے مولوی مہدی علی کا پتہ ترک کرکے دوسرا پتہ کیوں اختیار کیا ۔ میں بہ دستور مولوی صاحب ھی کے پاس ٹھہرا ہوں اور دوسری جگہ ٹھہر بھی نہیں سکتا ۔ بجنور جانے کا مضائقہ نہیں لیکن کوئی نفع بھی نہیں :

دہ مرو دہ مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ تم تعطیل میں علی گڑھ جاتے اور سرسید احمد خان صاحب کے پاس رہ کر استفادہ کرتے ۔ تمھارے خیالات کو ان کی صحبت سے بہت نفع ہوتا ۔ ابھی شرف الحق کے لیے کوئی تجویز معقول نہیں ہوئی مگر تحریک ہو رہی ہے ۔ ہر کام میں دیر ، ہر چیز میں درنگ یہاں کا عام دستور ہے اور پھر بے ثباتی ۔ باوجودے کہ مجھ کو یہاں آئے چھ مہینے

ہو چکے لیکن وہاں کے اعتبار سے اٹھاؤ چولھا سا ہو رہا ہوں ۔ ہر روز میں تبدّل حالت کا منتظر ہوں اور تبدّل حالت میری طرف متوجہ ہے ۔ اب تم انگریزی ایسی لکھتے ہو کہ مجھ کو مشکل سے غلطی ملتی ہے ۔ اخبار انگریزی کا مطالعہ اور اس کا طرز مطلب خیال میں رکھنا بہت مفید ہوگا ۔ عربی جو تمھارا موروثی علم ہے ، اس کی طرف تم کو مطلق توجہ نہیں ۔ افسوس !

طبع اول : مارچ ، ۱۹۶۳ء

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج (ستارۂ امتیاز)
ناظم مجلس ترقیٔ ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

مہتمم : محمد ذوالفقار خاں

قیمت : سفید کاغذ پر : چار روپے
اخباری کاغذ پر : تین روپے پچیس پیسے

مجلس ترقی ادب لاہور